॥ श्री ॥

भारत-इतिहास-संशोधक-मंडळ-स्वीय-ग्रंथमाला-क्रमांक २९

फार्शी-मराठी-कोश

रचणार

प्रो. माधव त्रिंबक पटवर्धन, एम्. ए.

प्रकाशक :-

दत्तो वामन पोतदार, बी. ए.

गणेशराव नारायणराव मुजुमदार, एम्. एल्. सी.

चिटणीस, भा. इ. सं. मंडळ, पुणें.

पुणें येथें

आर्यभूषण छापखान्यांत अनंत विनायक पटवर्धन

यांनीं छापिलें.

पौष शु. ११।१८४७] किंमत रुपये चार [ता. २३।१२।२५

تاریخ التعلیم - مصنفہ عالی جناب ڈاکٹر ضیاء الدین احمد صاحب ایم ایس سی ڈی ایس سی، پی ایچ، ڈی، سی، آئی، ای وغیرہ ممبر کلکتہ یونیورسٹی کمیشن۔

جس میں علم تعلیم و تدریس کی تاریخ نہایت سلیس اور شگفتہ طریقہ پر بیان کی گئی اور وقتاً فوقتاً ماہرین فن تعلیم نے جو جو اصول قائم کئے اور مرور دہور کے ساتھ جو جو تبدیلیاں دُنیا کے مختلف ملکوں اور قوموں کے اصول تعلیم میں ہوئیں ان کو نہایت خوبی کے ساتھ دکھلایا ہے۔ قیمت فی جلد ایک روپیہ علاوہ محصول ڈاک۔

آہنگِ عمل - یعنی جناب میر غلام بھیک صاحب نیرنگ بی، اے وکیل انبالہ کی نہایت موثر نظم جو موصوف نے گزشتہ اجلاس آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس سورت میں پڑھی اور جس پر عالی جناب مولانا محمد حبیب الرحمٰن خاں شروانی نے اشرفی نچھاور کر کے مُسلم ہوسٹل سُورت کو عطا کی۔ بلحاظ زبان اور اثر کے یہ نظم نہایت اعلیٰ پایہ کی ہے۔ خاص اہتمام سے[1] طبع ہوئی ہے اور اس کی فروخت سے جو آمدنی ہوگی وہ غریب مُسلمان طلبہ کے سرمایہ وظایف میں جمع ہوگی۔ قیمت فی جلد (۴ر) علاوہ محصول ڈاک۔

المشتہر

سپرنٹنڈنٹ صدر دفتر کانفرنس سلطان جہاں منزل۔ علی گڑھ

[1] اور خاص مولانا ممدوح کے صرف سے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کانفرنس گزٹ

حصہ اوّل

(۱) رپورٹ اجلاس سی و دوم آل انڈیا محمدن ایجوکیشنل کانفرنس باہ دسمبر سنہ ۱۹۱۸ء بمقام سورت (از اڈیٹر)

رپورٹ اجلاس کانفرنس

آل انڈیا محمدن ایجوکیشنل کانفرنس کے اجلاس [illegible] کی رپورٹ اب سے قبل علیحدہ کتاب کی صورت میں شایع ہوا کرتی تھی لیکن خدا کے فضل و کرم سے تعلیمی تحریک اور حالات کی اشاعت کا ذریعہ (کانفرنس گزٹ) کے وجہ سے چونکہ اب صدر دفتر کانفرنس کے ہاتھ میں ہے اس لئے یہ ارادہ کیا ہے کہ اجلاس کانفرنس کی تمام کارروائی رسالہ کانفرنس گزٹ کے ساتھ شایع کی جاوے چنانچہ دسمبر اور جنوری کے پرچوں میں اس ارادہ کی پہلی قسط ادا کر دی گئی ہے رپورٹ کانفرنس کا حصہ غالباً فروری یا انتہا سے انتہا مارچ کے نمبر تک ختم ہو جاوے گا رپورٹ کے گزٹ میں شایع کرنے سے دو فائدے ذہن میں ہیں۔ ایک تو اس طریقہ سے وہ ناظرین جو کانفرنس کے ممبر نہیں ہیں اور صرف گزٹ کے خریدار ہیں وہ بھی اجلاس کانفرنس کی کارروائیوں سے واقف ہو جاویں

دوسرے ممبران کانفرنس جو صرف رپورٹ سے بحیثیت ممبر کانفرنس ہوسکنے کا فائدہ اُٹھا سکتے تھے وہ گزٹ کے مسلسل تین چار مہینے تک بلا معاوضہ پہونچنے سے دیگر مضامین سے بھی فائدہ حاصل کر سکتے ہیں۔

گزٹ میں رپورٹ کے حصے کی ترتیب اس طرح پر کی گئی ہے کہ جو صاحب اس حصہ کو گزٹ کے دیگر مضامین سے علیحدہ کرکے کتاب کی صورت میں جلد بندی کرانا چاہیں گے وہ آسانی سے اس حصہ کو علیحدہ کر سکتے ہیں جس وقت تک رپورٹ کا حصہ تمام وکمال ختم نہوگا ممبر صاحبان کانفرنس کی خدمت میں بغیر معاوضہ کے گزٹ ارسال کیا جاوے گا اگر کوئی صاحب بعد اختتام سلسلہ رپورٹ گزٹ کا اپنی خدمت میں جاری رہنا پسند فرماویں وہ براہ مہربانی اس کی سالانہ قیمت تین روپیہ عنایت فرماکر اطلاع دیں تاکہ ان کا نام نامی مستقل خریداران گزٹ کی فہرست میں شامل کرکے رسالہ برابر جاری رہے۔

کانفرنس گزٹ اپریل ۱۹۱۰ء سے جاری ہوا۔ اس کے پرچہ ہر ماہ میں مسلسل شائع ہوکر ناظرین کی خدمت میں بلا ناغہ پہونچتے رہے ہیں۔ ماہ دسمبر میں سالانہ اجلاس کانفرنس کی مصروفیتوں کی وجہ سے اس ماہ کے گزٹ کی اشاعت میں تاخیر واقع ہوئی اور چونکہ سالانہ اجلاس کی رپورٹ کا ضروری حصہ بھی ناظرین کی خدمت میں پیش کرنا تھا اس لئے یہ مناسب خیال کیا گیا کہ دسمبر اور جنوری کے پرچے یکجائی طور سے شائع ہوں چنانچہ یہ نمبر کیا بہ لحاظ مضامین اور کیا بہ اعتبار تعداد صفحات دو نمبروں کے مجموعی مضامین اور صفحات المضاعف سے زیادہ ہے۔

کارروائی اجلاس سی و دوم

آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس

منعقدہ شہر سورت

تمہید

سالانہ اجلاس کانفرنس کے بعد جب اجلاس ہاے کانفرنس کی کارروائیوں کی رپورٹ قلمبند کرکے چھاپی جاتی ہے اور ممبران کانفرنس کو تقسیم کی جاتی ہے تو منجملہ کارروائی اجلاس کے سب سے پہلے بطور تمہید کے یہ بیان کیا جاتا ہے کہ جس صوبہ یا جس شہر میں کانفرنس کے اجلاس ہوسے، اس صوبہ یا شہر میں کانفرنس کے انعقاد کی کیا ضرورت تھی۔ انعقاد کانفرنس کی تحریک کا بانی کون تھا۔ کن کن اصحاب کی کوشش اور توجہ سے یہ کام اس صوبہ یا شہر میں انجام کو پہونچا۔ کس نے کس قسم کی مدد دی۔ ممبران لوگوں نے کام کی، ان کی محنت کی، اس مقصد سے ان کی توجہ اور سرگرمی کی، الفاظ کے ذریعہ سے داد دی جاتی ہے۔ اور اس طرح پر قوم کے ان محسنوں کی کوشش کا سرمایہ کانفرنس کی رپورٹوں میں محفوظ رکھا جاتا ہے کہ جب فرض شناسی اور حق کی ادائیگی کا صحیح طور پر وقت آئے تو قوم میں قوم کی خدمت کا سچا جوش اور سچا ولولہ پیدا ہو اور قوم ان لوگوں کی جنھوں نے اپنے دماغ اپنی دولت اور اپنی محنت سے قوم کی خدمت کی، ان کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش

کرے۔ میں بھی اسی رسم قدیم کی پیروی کر کے کانفرنس کے بتیسویں [32] سالانہ اجلاس سورت کی رپورٹ سے پہلے تمہید میں اختصاراً ان امور کا ذکر کروں گا۔

جنوری ۱۹۱۸ء میں کلکتہ کے سالانہ اجلاس آل انڈیا محمدن ایجوکیشنل کانفرنس سے فارغ ہو کر جب میں علی گڑھ واپس آیا اسی وقت سے میری یہ خواہش تھی کہ ۱۹۱۸ء کے سالانہ اجلاس صوبہ گجرات کے دو بڑے شہروں میں سے احمد آباد یا سورت میں کسی ایک مقام پر اس مرتبہ ضرور منعقد ہوں۔ اسی زمانہ میں صوبہ بہار کے بعض ہمدرد تعلیم اصحاب کے دل میں بمقام بانکی پور کانفرنس کو دعوت دینے کا خیال پیدا ہوا۔ گجرات کی طرف سے سکون اور خاموشی تھی، لیکن بہار والوں کا خیال معلوم کرنے کے بعد بھی گجرات کا خیال میرے ذہن میں مقدم رہا اور میں نے پونہ، بمبئی اور سورت کے چند معزز دوستوں کے نام اپنی خواہش اور ارادہ کے اظہار میں خطوط لکھے اور ان سے مدد کی خواہش ظاہر کی۔ گجرات میں کانفرنس کے جانے کی خواہش کے دو بڑے سبب تھے ایک تو اس سرزمین پر قدیم مسلمانوں کی کارگزاریوں اسلامی تعلیم اور اسلامی عہد کے تاریخی کارناموں کی یاد، دوسرے اس مشہور خطۂ ہندوستان کے مسلمان باشندوں کی تعلیمی جد و جہد سے کنارہ کشی اور اس کے سبب سے ان کی علمی، اخلاقی، دماغی، مالی قوتوں کا زوال اور پستی۔

یہ خیالات ذہن میں تھے کہ اگست ۱۹۱۸ء میں پونہ میں بمبئی پریسیڈنسی محمدن ایجوکیشنل کانفرنس کا اجلاس قرار پایا اور بعض مخلص احباب نے اس جلسہ کی صدارت قبول کرنے کی مجھ سے خواہش ظاہر فرمائی۔ میں نے اس عزت کو دلی مسرت کے ساتھ قبول کیا اور اس ذریعہ سے تقریباً ایک ہفتہ تک پونہ میں رہنے کا اتفاق ہوا۔ بمبئی پریسیڈنسی کے ہمدرد تعلیم اور ہمدرد قوم اصحاب سے جن میں سورت کے اصحاب بھی شامل تھے ملاقاتیں ہوئیں اور میں نے اس مرتبہ بالمشافہ گجرات میں آل انڈیا کانفرنس کے جلسہ کی ضرورت کو ان پر ظاہر کیا اور ان سے خواہش کی کہ وہ اس ارادہ میں میری مدد کریں

اور شہر سورت میں جو عہد اسلام کی تاریخی روایات کے لحاظ سے گجرات میں ایک پُر عظمت مقام ہے اجلاس کانفرنس منعقد کریں تاکہ تعلیمی کوششوں سے جو غفلت گجرات کے مسلمانوں میں چھائی ہوئی ہے وہ دور ہو اور اس ذریعہ سے وہ اپنے دوسرے صوبہ کے مسلمان بھائیوں کی کارروائیوں سے واقف ہوں اور ان کے ساتھ چل کر اپنی خفتہ قوتوں کے بیدار کرنے میں ساعی ہوں۔ میں اس موقع پر اپنے دو ممتاز اور گرامی قدر دوستوں کا نام لینا ضروری خیال کرتا ہوں، جنہوں نے میرے خیال کی تائید کی اور ہمدردی کا اظہار فرمایا۔ نہ صرف ہمدردی کی بلکہ ہر قسم کی مدد و استعانت کا وعدہ کیا۔

مسلمانان گجرات کے جدید علمی دَور کی جب کبھی تاریخ لکھی جائے گی تو اس میں جناب محمد قادر شیخ بی اے اورینٹل ٹرانسلیٹر گورنمنٹ بمبئی کا نام روشن حروف میں نظر آئیگا ابتدائے کار سے انجام کار تک اس مقصد میں ان کی مصروفیت یکساں طور پر نظر آتی تھی وہ اُن لوگوں سے ہیں جو قول سے پہلے عمل کی کوشش میں مصروف رہتے ہیں مقصد مذکور میں میرے اور شیخ صاحب کے دست و بازو میرے مکرم دوست آنریبل خان بہادر سیٹھ ابراہیم ہارون جعفر صاحب رئیس پونہ تھے۔ ۳ اگست ۱۹۱۱ء کو جو خطبہ بحیثیت صدر اجلاس بمبئی پریسیڈنسی کانفرنس پونہ میں نے پڑھا تھا اس میں ایک جگہ خان بہادر موصوف کی نسبت اپنا ناچیز خیال اس طرح پر ظاہر کیا تھا،

"میں ذاتی تجربہ کی بنیاد پر اس کی تصدیق کرتا ہوں کہ آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے خادموں نے آنریبل خان بہادر سیٹھ ابراہیم ہارون جعفر صاحب کو ہمیشہ اپنی ہمدردی اور مدد پر آمادہ پایا ہے اور خادمان مذکور پونا کو ایک ایسا مقام جانتے ہیں جہاں سے مدد ملنے کا اُن کو پورا وثوق رہتا ہے چنانچہ اس سال بھی آل انڈیا کانفرنس کے اجلاس سالانہ کا جو منصوبہ ہے اس کے لئے ابھی سے ہم خان بہادر صاحب کی ہمدردی کے ممنون ہو چکے ہیں"

الحمدللہ کہ جو اہم مقصد منصوبہ کے لفظ سے چھ مہینے پیشتر تعبیر کیا گیا تھا وہ اب حقیقت کی صورت میں آشکارا ہوا، اور جس مدد کی میں نے اپنے مکرم دوست سیٹھ ابراہیم ہارون جعفر صاحب سے توقع باندھی تھی وہ ان کے مستقل ارادہ کی وجہ سے ظہور میں آئی۔ سورت کے اجلاس کی کامیابی میں جو حصہ ان کی کوششوں کا ہے وہ واقف کاروں کی نظر سے پوشیدہ نہیں۔ غرض جن دوستوں نے میری خواہش کی تائید میں مدد کا وعدہ کیا تھا، اس وعدہ کو ایک دن بھی نہ گذرا تھا کہ بمبئی پریسیڈنسی کانفرنس کے اجلاس کی تیسری نشست میں میرے مکرم دوست نواب زادہ محمد نصراللہ خاں صاحب جنرل سکرٹری بمبئی پریسیڈنسی محمدن ایجوکیشنل کانفرنس نے سورت میں آل انڈیا محمدن ایجوکیشنل کانفرنس کے انعقاد کی ضرورت کو بہ شکل ریزولیوشن پیش کیا جس کو تمام حضار مجلس نے بالاتفاق پاس کیا اور اس طرح اپنے وعدہ کو دائرہ عمل کی پہلی قسط سمجھکر ادا کرنے کی کوشش کی۔ اس کے بعد ایک مہینہ بھی پورا نہ گذرنے پایا تھا کہ بمبئی پریسیڈنسی کانفرنس کے ارکان کی طرف سے دعوت نامہ آیا جس میں مجھ سے خواہش ظاہر کی گئی تھی کہ میں اس دعوت نامہ کو آل انڈیا کمیٹی کی خدمت میں پیش کر کے ممبران کمیٹی سے سفارش کروں کہ وہ کانفرنس کے بتیسویں سالانہ اجلاس کا شہر سورت میں منعقد ہونا منظور فرمائیں۔ ضابطہ کی کارروائی کے بعد حسب خواہش جناب محمد قادر صاحب شیخ مولوی انوار احمد صاحب کو پونا اور بمبئی روانہ کر دیا گیا تاکہ وہ مقامی اصحاب کو مدد دیں اس عرصہ میں انفلوانزا کی بیماری نے دفعتاً خطرناک صورت اختیار کر لی۔ اس بیماری کا آغاز سب سے پہلے بمبئی، پونا اور سورت میں ہوا جس کی وجہ سے انتظامات جلسہ کے متعلق کوئی کارروائی نہ ہو سکی۔

۱۰ ار نومبر کو سورت میں ریسپشن کمیٹی کے عہدہ داروں اور ممبروں کے انتخاب کا جلسہ ہوا جس میں پونا اور بمبئی کے اصحاب بھی اکثر شریک ہوئے تھے۔ ممبروں کی

تعداد کو چھوڑ کر جو کئی سو پر مشتمل تھی باقی دیگر عہدہ داروں کی تفصیل حسب ذیل فہرست سے معلوم ہوسکتی ہے۔ یہاں اس امر کا ظاہر کرنا بھی خالی از دلچسپی نہ ہوگا کہ وائس پریسیڈنٹ صاحبان نے ایک ایک سو روپیہ کا اور بعض نے اس سے بھی زیادہ ڈونیشن ریسیپشن کمیٹی کو دیا تھا اور ممبران نے پانچ پانچ روپیہ کا۔

فہرست عہدہ داران ریسپشن کمیٹی

آنریبل صالح بھائی کریم جی بڑودہ والا	چیرمین ریسیپشن کمیٹی
نواب سردار سید مظفر حسین خاں صاحب رئیس سورت	وائس چیرمین
سر فاضل بھائی کریم بھائی رئیس بمبئی	〃
سیٹھ قاسم پیپرڈی تاجر راندیر	〃
سید ابوبکر عیدروس ڈپٹی مجسٹریٹ بھڑوچ	〃
نواب میر صدر الدین حسین صاحب رئیس بڑودہ	〃
مسٹر ایم۔ کے دہلوی بیرسٹرایٹ لا دیوان ریاست پالن پور	〃
سیٹھ موسیٰ میر صاحب سورت	〃
جناب داؤد جی پٹیل صاحب کولمبہ اسٹیٹ بڑودہ	〃
جناب سیٹھ سلیمان دادا بو صاحب	〃
جناب قاسم سلیمان میر صاحب	〃
جناب سیٹھ حاجی ابراہیم حاجی اسمٰعیل ترادا صاحب	〃
جناب طیب بھائی علی بھائی صاحب	〃
جناب محمد اسمٰعیل دادا بھائی صاحب	〃
جناب سیٹھ حاتم بھائی غلام حسین صاحب	〃

جناب محمد حاجی احمد بیابا صاحب
جناب سیٹھ غلام حسین اعظم صاحب تاجر و رئیس راندیر — وائس چیرمین
کمیٹی کے جنرل سکرٹری نواب زادہ محمد نصر اللہ خاں صاحب بیرسٹرایٹ لا
رئیس بمبئی جن کی قومی خدمات اور تعلیم قومی سے انہماک محتاج بیان نہیں قرار پائے۔
نواب زادہ میر حفیظ الدین احمد خاں اور شیخ علی باعکظہ صاحب جائنٹ سکرٹری
اور جناب محمد قادر صاحب تیج بی اے خزانچی مقرر ہوئے۔
شیخ علی باعکظہ صاحب سورت کے مسلمانوں کے ایک قدیم گھرانے کے رکن ہیں
انہوں نے ابتدا سے کانفرنس کے انعقاد سورت سے دل چسپی اور ہمدردی کا اظہار فرمایا
اور اپنے عہدہ کے لحاظ سے ہر کام میں مدد دی۔
ریسیپشن کمیٹی نے اپنے ماتحت اور کئی کمیٹیاں قایم کی تھیں، مثلاً پنڈال کمیٹی، فوڈ
کمیٹی وغیرہ۔ ہر کمیٹی اور اس کے کارکن لگاتار دو مہینے تک اپنے اپنے کاموں میں مصروف
رہے اور ہر شخص نے بقدر اپنی طاقت اور محنت کے کانفرنس کو کامیاب بنانے میں حصہ لیا۔
انتخاب صدر کی کارروائی حسب مشورہ ریسیپشن کمیٹی کی گئی اور بالاتفاق آنریبل
سر ابراہیم رحمت اللہ صاحب ممبر ایگزیکیٹو کونسل گورنمنٹ بمبئی عہدہ صدارت
کے واسطے منتخب کئے گئے۔

جو اصحاب موصوف کے علم و فضل، حب قومی اور ان کی اخلاقی خوبیوں سے واقف
ہیں وہ جانتے ہیں کہ موصوف قوم میں کس پایہ اور عظمت کے بزرگ ہیں۔ ایسے ممتاز علم
دوست اور گرامی قدر ذات کا صدارت کانفرنس کے لئے منتخب ہونا خود ایک تعلیمی مجلس
کی کامیابی کی دلیل تھی۔ شبانہ روز تین دن تک جس انہماک اور دلچسپی کے ساتھ موصوف
نے صدارت کے فرائض کو انجام دینے کی کوشش کی، ان کی یہ خدمت قومی، سورت
کے اجلاس کانفرنس کے ساتھ ہمیشہ ہمیشہ طور یادگار باقی رہے گی۔ بحیثیت صدر مجلس

سکے جیسا عالمانہ اور معلومات سے مملو خطبہ انہوں نے دیا وہ ہماری تعلیمی رہنمائی کے واسطے ایسی چیز ہے جس پر قوم کو توجہ کرنے کی اور عمل کرنے کی ضرورت ہے۔

موصوف کا استقبال جس شاندار طریقہ سے سورت کے ریلوے اسٹیشن پر کیا گیا ایسی گرم جوشی اور خیر مقدم کا اظہار کانفرنس کے پیشرو صدر نشینوں کے حصہ میں بہت کم آیا ہوگا۔ ہزارہا آدمیوں نے اس رسم میں حصہ لیا تھا، مجمع کی یہ کثرت تھی کہ ریل سے اترنے کے بعد محترم صدر کی سواری چار گھنٹے میں ان کے قیام گاہ تک پہونچ سکی۔ جلوس کی شان اور خلقت کے انبوہ نے مسلسل پانچ چھ گھنٹے تک سورت کے بازاروں کے تمام کاروبار بند کر دیے تھے۔

تقریباً سات سو ڈیلیگیٹس باہر سے آکر ریسیپشن کمیٹی کے مہمان ہوئے۔ مہمانوں کی قیام گاہ اور ان کی آسایش کے اسباب کا فراہم کرنا حکیم احمد سعید صاحب ممبر ریسیپشن کمیٹی کے ذمہ تھا جنھوں نے پوری محنت اور تکلیف گوارا کرکے اپنی ذمہ داری کو نہایت خوبی کے ساتھ ادا کیا۔ دعوت طعام کا اعلان بہت پہلے سے آنریبل صالح بھائی کریم جی بڑودہ والا کی طرف سے جو ریسیپشن کمیٹی کے چیرمین تھے ہو چکا تھا۔

آنریبل موصوف کی طرف سے پانچ روز تک جس فراخ دلی کے ساتھ انواع و اقسام کے کھانے مہمانوں کو دیے گئے، ان کو دیکھکر شاہانہ دعوت کا دھوکہ ہوتا تھا۔ پنڈال کانفرنس کے قریب ڈائننگ ہال قایم کیا گیا تھا۔ صبح کو ناشتہ اور دو وقت صبح و شام کو لذیذ کھانے پیش کئے جاتے تھے۔

کھانے کے منتظم بوا ہیر قوم کے ممبر تھے۔ جس حسن اخلاق کے ساتھ وہ مہمانوں کی خدمت میں مصروف نظر آتے تھے، اس کو دیکھ کر مسلمانوں کی قدیم مہماں نوازی کا نمونہ سامنے آجاتا تھا۔

سنہ ۱۹۱۸ء ہندوستان کی تاریخ میں گرانی اجناس کے لحاظ سے تاریخی سال شمار ہوگا ایسے وقت میں آنریبل صالح بھائی کی اس فراخ دلی کے ساتھ مہمان داری کو نیز تعلیمی حمایت کے فرض کے ساتھ ان کے نام نامی کو قوم عزت کے ساتھ یاد رکھے گی۔

آنریبل صالح بھائی کے پہلو بہ پہلو نواب سردار میر مظفر حسین خاں صاحب اور اُن کے فرزند سعید نواب زادہ میر حفیظ الدین احمد خاں صاحب کا ذکر کرنا بھی میرا خوش گوار فرض ہے۔ نواب صاحب موصوف کا گھر سورت کے مسلم ایوان حکومت کی یادگار ہے۔ زمانہ کانفرنس میں ان کا نواب پیلیس، ان کا گھر باقی نہ رہا تھا، بلکہ وہ گھر تمام مسلمانان ہند کے مجموعی خاندان کا نمونہ نظر آتا تھا، جس میں ہر صوبہ کے مسلمان اس طرح بے تکلف رہتے نظر آتے تھے جیسے اپنے گھر میں۔ نواب صاحب اور اُن کے صاحبزادہ کی حیثیت مثل خادموں کے تھی جو ہمہ وقت مہمانوں کی مدارات میں بہ نفس نفیس پیش پیش رہتے تھے۔

امرا کے طبقہ میں اور پشتینی امیرزادوں کے سلسلہ میں نواب صاحب کی سادہ زندگی، روشن خیالی ان کا عمدہ اخلاق، مہماں نوازی اور حب قومی موجودہ نسل کے لئے سبق آموز ہے۔ نواب زادہ میر حفیظ الدین احمد خاں ریسیپشن کمیٹی کے عہدہ داروں میں سکرٹری کی حیثیت بھی رکھتے تھے۔ اُنہوں نے اپنے اس فرض کو جس قابلیت، مستعدی اور دلی ذوق و دلچسپی کے ساتھ ادا کیا وہ اس تعلیم و تربیت کا نتیجہ تھا جو نواب محسن الملک مرحوم کی زیر نگرانی آٹھ سال تک مدرسۃ العلوم کے انگلش ہاؤس میں بطور ایک طالب علم کے حاصل کی تھی اور غالباً وہ پہلے طالب علم تھے جو سورت سے علیگڈھ میں تعلیم پانے آئے تھے میری دعا ہے کہ یہ خاندان علمی اور قومی خدمت کے لحاظ سے اپنے اسلاف کی شہرت اور اعلی صفات کو برقرار رکھنے میں کامیاب ہو۔

آل انڈیا محمدن ایجوکیشنل کانفرنس کے قایم کرنے سے ایک غرض یہ بھی تھی کہ ہندوستان کے تمام صوبوں کے مسلمان سال بھر میں ایک موقع پر باہم ملاقات کر کے تبادلۂ خیالات

کریں اور اپنے صوبہ کی تعلیمی ضروریات سے دوسرے صوبہ کے مسلمانوں کو واقف کر کے ان سے مشورہ اور مدد چاہیں اور قوم کی تعلیمی اغراض کو ایک پالیسی قرار دے کر جس مدد کی ضرورت گورنمنٹ سے ہو وہ اس سے چاہیں اور جو کام خود اپنے کرنے کا ہو عملاً اس کو انجام دینے کی سعی کریں۔ اور اس طرح سے بکھری ہوئی قوتوں کو ایک مرکز پر سمیٹ کر متحدہ قوت اور متحدہ مشورہ سے قومی تعلیم کا اہتمام کریں۔ گو بجائے خود سورت میں کانفرنس کے شریک ہونے والوں کا مجمع اس طرح پر آپس کے میل ملاقات کا مجمع تھا تاہم مکانوں کی کم یابی کی وجہ سے ایسا موقعہ نہیں مل سکا کہ تمام مہمان ایک احاطہ یا کمپونڈ کے اندر قیام کر سکتے، اسلئے فاصلہ فاصلہ سے مہمان فروکش ہوئے اور ان کو ایک مقام پر سب سے ملنے جلنے میں دشواریاں تھیں سب سے پہلے اس مقدم ضروریات کو **نواب زادہ میر حفیظ الدین احمد خاں** صاحب نے محسوس کیا اور اُنھوں نے تمام ڈیلیگیٹس کو اپنے عالی شان پیلس میں ایوننگ پارٹی دی، جس میں مہمانان کانفرنس کے علاوہ ہندو، پارسی، انگریز جنٹلمین آکر شریک ہوئے تمام مہمانوں کی مختلف قسم کے فواکہ چا، کافی وغیرہ سے تواضع کی گئی۔ ۲۸ر دسمبر کی شام کے تین چار گھنٹے باہمی میل ملاقات میں نہایت دلچسپی کے ساتھ گزرے۔

اس کے بعد ۲۹ر دسمبر کی شب کو **عالی جناب ملا سید سیف الدین طاہر صاحب** نے جو قوم بوا ہیر کے پیشوا اور نہایت روشن خیال عالم ہیں اور جن کی بزرگی و عظمت کی مثال اہل علم اور اہل بصیرت کے لئے لائق تقلید ہے تمام مہمانان کانفرنس کو دعوت طعام دی اور ایک نہایت پُر فضا اور خوش منظر کوٹھی میں جلسۂ دعوت ترتیب دیا۔

جن اصحاب نے جناب ملا صاحب کے دربار کی ترتیب اور تہذیب اور ان کے حلقہ بگوشوں کی عقیدت کو برا العین ملاحظہ کیا ہو گا وہ اس منظر کو کبھی نہ بھولیں گے غور کرنے والوں کے لئے اس مجمع میں بہت سی حقیقتیں پوشیدہ تھیں۔ اے کاش! ہماری قوم کے اصحاب اس کیفیت و حقیقت پر غور کریں اور دیکھیں کہ ان کی دوسری قومی

جماعتوں برادریوں اور فرقوں کا ایک قوت اتحادی سے منتشر کر دینے سے اب کیا حال ہے اور وہ شیرازہ اخوت جس پر کبھی اسلام کو ناز اور فخر کا موقعہ حاصل تھا کن کن اسباب سے منتشر ہو کر پراگندہ اور برباد ہو گیا، اور وہ قوت اتحاد جس کی طاقت کے سامنے حکومتیں تک سر جھکاتی تھیں کس طرح سے فنا ہو گئی۔

برادران بوا ہیر کی جمعیت جہاں تک مجھ کو معلوم ہوا ہے ڈیڑھ لاکھ نفوس سے بھی کم سنی گئی ہے لیکن ان کا قانون برادری، ان کا ضابطہ رسم و رواج، ان کی معاشرت ان کی دینداری، ان کا کسب معاش میں انہماک، ان کی قومی فراغت، ان کے باہمی مساوات اور تعلقات اور ان تمام مختلف حالتوں کا ایک مرکز پر رجوع ہونا، اور اس مرکز کو ملا صاحب کی ذات قرار دینا، یہ تمام نظام برادری جو دنیوی اور روحانی ترقیوں سے وابستہ نظر آتا ہے اس قابل ہے کہ قوم کے دیگر افراد اور فرقے ان کیفیات کا غور سے مطالعہ کر کے اپنی اپنی برادریوں کے اصلاح حال کی فکر کریں۔

تمام ارکان آل انڈیا کانفرنس جناب ملا صاحب کی اس روشن ضمیری اور قومی ہمدردی کے ہمیشہ مداح رہیں گے جنہوں نے نہایت فراخ دلی کے ساتھ مسلمانان ہندوستان کی تعلیمی جماعت سے عملاً ہمدردی اور دلچسپی کا اظہار فرمایا، اور اس طرح اپنے شہر اور اپنے مرکز میں شان دار طریقہ سے ان کا خیر مقدم کیا۔ امید ہے کہ ملا صاحب کی روشن خیالی اور توجہ اپنے حلقہ بگوشوں میں دینی علوم کی نگہداشت کے ساتھ علوم جدیدہ کی طرف مائل کرنے میں بھی جلد کامیاب ہو گی اور جہاں برادران بوا ہیر کی جماعت تجارتی کاروبار اور لین دین میں اپنی قوت اور ثروت کا اضافہ کرتی ہوئی نظر آتی ہے، وہاں ان علوم کے سیکھنے کی طرف بھی مائل ہو گی جو ثروت حاصل کرنے کا اصلی سرچشمہ ہیں، تاکہ تجارت کے جس میدان عمل میں ان کو دیگر اقوام سے مقابلہ کرنا ہے کہیں وہ ان سے پیچھے نہ رہ جاویں۔

پنڈال کانفرنس مسلمانوں کی آبادی کے وسط میں خوش نما طریقہ پر تیار کیا گیا تھا۔ پنڈال کی تیاری اور اس کی آرایش میں سیٹھ حاجی احمد غلام بھابا صاحب کی محنت اور دلچسپی کا کافی حصہ تھا جس میں ڈہائی ہزار نشستوں کا بندوبست تھا۔ ہر وقت کے اجلاس میں کم و بیش دو ہزار سامعین کا مجمع پنڈال کانفرنس میں رہتا تھا اور جس وقت علما کا وعظ ہوتا تھا تو یہ تعداد اور بہی زیادہ بڑہ جاتی تہی۔

کانفرنس کی کارروائیوں اور مختلف رزولیوشنوں کے متعلق گفتگو اور تقریر کرنے میں مسٹر محمد اکبر نذر علی حیدری بی اے ہوم سکرٹری دولت آصفیہ حیدرآباد و مسٹر علی محمد خاں دہلوی بیرسٹرایٹ لا دیوان ریاست پالن پور، خان بہادر آنریبل سیٹھ ابراہیم ہارون جعفر صاحب رئیس و تاجر پونہ، قاضی کبیرالدین احمد صاحب بیرسٹرایٹ لا بمبئی، شیخ محمد عبداللہ صاحب بی اے ایل ایل بی آنریری سیکرٹری شعبہ تعلیم نسواں کانفرنس، مولوی سید طفیل احمد صاحب ٹرسٹی ایم اے او کالج علی گڈہ، سیٹھ اسمٰعیل موسیٰ صاحب تاجر بمبئی، مولوی عبدالحق صاحب بی اے آنریری سکرٹری شعبۂ ترقی اُردو و مہتمم تعلیمات صوبہ اورنگ آباد متعلق دولت آصفیہ مسٹر سید عطاء اللہ شاہ بیرسٹرایٹ لا سیالکوٹ، مولوی غلام محمد صاحب شملوی، نواب زادہ میر حفیظ الدین احمد خاں صاحب رئیس سورت، مسٹر عبدالحافظ صاحب باگلکوٹ، مسٹر غلام محمد صاحب منشی بیرسٹرایٹ لا راجکوٹ و پروفیسر نواب علی صاحب بڑودہ کالج نے نمایاں طور پر حصہ لیا۔

لیکچراروں اور واعظوں میں مولانا سید سلیمان اشرف صاحب پروفیسر دینیات مدرسۃ العلوم علی گڈہ، اور مولوی عبدالباری صاحب ندوی اسسٹنٹ پروفیسر فارسی و عربی فرگسن کالج پونا کے وعظوں اور تقریروں نے اجلاس کانفرنس کی کامیابی میں کافی مدد دی۔

مولوی عبدالباری صاحب کے لیکچر کا عنوان (مذہب اور عقلیات) تھا جس

خوبی، فصاحت زبان اور تحقیقات علمی کے ساتھ یہ تقریر کی گئی اور جن دقیق مسائل کو انہوں
نے عام فہم بنانے کی کوشش کی اس کے لحاظ سے یہ تقریر ہمیشہ یادگار رہے گی۔ چونکہ یہ لکچر نہایت
مفید اور پُر معنی ہے، انشاء اللہ صدر دفتر کانفرنس کے اہتمام سے جلد شائع کر کے اہل ذوق
کے سامنے پیش کیا جاوے گا۔ شعرائے قوم میں سے جناب سید غلام بھیک صاحب
نیرنگ بی اے۔ ایل ایل بی، رئیس انبالہ نے اور جناب نیاز فتح پوری نے پنجاب اور صوبہ
ممالک متحدہ آگرہ سے شرکت کانفرنس کر کے اپنے کلام سے حاضرین اجلاس کو متاثر کیا
تھا قوم کے مفید جذبات کو برانگیختہ کرنے میں شاعری جو طاقت اور اثر رکھتی ہے ہمارے
دونوں عنایت فرماؤں کے کلام نے پورے طور پر اس کا ثبوت دیا

جب سے حضرت حالی مرحوم نے کانفرنس کی مسند شاعری خالی کی سورت
کانفرنس کے اجلاس میں میر نیرنگ کی نظم (آہنگ عمل) نے حضرت حالی کی یاد کو تازہ
کر دیا۔ یہ نظم جس درد دل کے ساتھ لکھی گئی تھی خدا کرے اس کا اثر بھی ایسا ہی ہو اور
ہمارے مکرم دوست کی آواز مسلمانان گجرات کے لئے عملی آواز ثابت ہو۔

یہ نظم بھی انشاء اللہ صدر دفتر کانفرنس کے اہتمام سے جلد شائع کی جاویگی
اور ذوق سخن سے گزر کر شوق عمل پیدا کرنے کی باعث ہوگی۔

کانفرنس کی کارروائی میں نہایت ضروری تجویز اور عام دلچسپی کی تجویز بصورت
میں ایک مسلم ہوسٹل کے قیام کی تجویز تھی۔

یہ تجویز حقیقت میں ہمارے معزز دوست مسٹر محمد قادر شیخ بی اے اور یئنٹل
ٹرانسلیٹر کے دماغ کا نتیجہ تھی جنہوں نے تجویز کے خیال کے ساتھ ساتھ مہینوں پہلے
سے عملی تدبیروں پر بھی توجہ کی تھی جس وقت سے اس تجویز کو بشکل رزولیوشن
ہمارے قابل دوست مسٹر علی محمد خاں دہلوی دیوان ریاست پالن پور نے خوش آیند
تقریر کے ساتھ حاضرین کے سامنے پیش کیا تو چاروں طرف سے تائید کے لئے ہاتھ

اوسکے اور چندہ کی بوچھار ہونے لگی تقریباً پچاس ہزار روپیہ نقد جلسہ میں وصول ہوا معطیان چندہ کی فہرست میں اولیت کا فخر جناب محمد بھائی زندی والے ڈاکٹر عبدالقادر صاحب عیدروس اور جناب داؤد پٹیل صاحب کے حصے میں ہمیشہ رہے گا اوّل الذکر صاحب نے پندرہ ہزار روپیہ اور دوسرے دو عزیز بزرگوں نے دس دس ہزار روپیہ کی رقوم یکمشت عطا فرمائیں۔

کام کرنے والوں کی مخلص جماعت قایم ہوگئی ہے جو چندہ کی تعداد بڑھانے میں مصروف ہے اس کمیٹی کی جان شیخ صاحب کی ذات ہے جو مقصد کی کامیابی میں مصروف ہے اور خدا کی مدد سے پوری توقع ہے کہ مسلمانان گجرات کی شان کے موافق سورت میں جلد سے جلد نقط ہوسٹل کا ہی نہیں بلکہ اس کے ساتھ مسلم ماڈل ہائی اسکول کا بھی افتتاح ہوگا۔

کانفرنسوں کے اجلاسوں کی کارروائی کے بعد نواب سردار سید مظفر حسین خاں صاحب نے اپنا ایک عالی شان مکان جو لب دریا نہایت پرفضا مقام پر واقع ہے اس زمانہ تک کے واسطے جبکہ خود ہوسٹل کی عمارت تعمیر ہو جاوے بغیر کسی معاوضہ کے دینا منظور کیا ہے۔

سورت کانفرنس کی اجلاس کی ایک دوسری کامیابی اس شکل میں ظاہر ہوئی کہ جناب سیٹھ اسمٰعیل حاجی موسیٰ صاحب تاجر بمبئی نے مبلغ دس ہزار روپیہ کا ایک چک اس غرض سے خاکسار کے حوالے کیا، کہ گجرات کے ان ہونہار مسلمان طالبعلموں کو جو اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے مدرستہ العلوم علی گڑھ کو بھیجے جاویں بوساطت خاکسار دفتر کانفرنس سے وظائف دیئے جاویں میں اس موقعہ پر اپنے مکرم نوجوان دوست کی فیاضی اور روشن خیالی کا بدل ممنون ہوں اور خدا سے دعا کرتا ہوں کہ جس مقصد سے اُن کی یہ فیاضی ظہور میں آئی خدا اس میں کامیابی بخشے اور وہ گجرات

کے مسلمانوں میں تعلیم کے ثمر شیریں جلد سے جلد دیکھیں۔

اسی طرح ایک دوسرے فیاض ہمدرد قوم جناب صالح بھائی طیب جی نے مبلغ چار ہزار روپیہ کا چک اس غرض سے عنایت فرمایا کہ اس روپیہ سے محمڈن کالج علی گڈھ کے احاطہ میں ایک مکان تیار کیا جاوے جس کے کرایہ کی آمدنی سے احاطہ بمبئی کے اس طالب علم کو وظیفہ دیا جاوے جو عربی کا مضمون اپنے کورس میں لے۔ اس مختصر گزارش کے بعد صرف اس قدر عرض کرنا اب باقی ہے کہ جیسا خیال تھا خدا کا شکر اور اس کا فضل ہے کہ توقع اور امید سے زیادہ اجلاس کامیاب رہا۔ کیا بہ لحاظ انتخاب عہدہ صدارت کے کیا بہ لحاظ تعداد سامعین کے کیا بہ لحاظ ممتاز و سربرآوردہ اصحاب کی تعداد شرکت کے اور کیا بہ لحاظ عملی نتائج کے جو قیام ہوسٹل کی تجویز میں ظاہر ہوا۔ اور کیا بہ لحاظ تعلیمی امداد کے جو جناب سیٹھ اسمٰعیل موسیٰ کی ہمت مردانہ سے ظہور میں آئی قوم کے ان جملہ اصحاب کی توجہ سے بظاہر آثار قوی امید ہے کہ جو بیج سرزمین گجرات میں قومی بہبودی کی ترقی کا ڈالا گیا ہے وہ جلد سرسبز اور بارور ہوگا الحمد للہ ثم الحمد للہ۔

اجلاس کانفرنس سے قبل انجمن اسلام راندیر کے مخلص اصحاب کی کوشش مجکو راندیر بھی لے گئی یہ قصبہ سورت سے چار میل کے فاصلہ پر مسلمان تاجروں کی آبادی کا ایک مختصر مجموعہ ہے جو مختلف اور دور دراز ملکوں سے تجارت کرنے میں اپنی اولوالعزمی اور ثروت کے لحاظ سے مشہور روزگار ہے اور رطلانی اکان کے نام سے زبان زد خلایق ہے اہل قصبہ کی ثروت اور اُن کی دینداری کا ثبوت ان عالیشان مسجدوں کے دیکھنے سے معلوم ہو سکتا ہے جو لاکھوں روپیہ کے صرف سے اس چھوٹی سی آبادی میں نظر آتی ہیں جن کی آرایش اور زیبایش اور اہتمام میں زر کثیر صرف کیا جاتا ہے جن کے متعلق ہزار ہا روپیہ کی جائدادیں وقف ہیں اور جن کی تعمیر اور زرنگار زینت در و دیوار کو دیکھ کر

بادشاہوں کے محلوں کا دہوکہ ہوتا ہے۔

کیا اچھا ہوتا کہ اس کے ساتھ میں اپنے برادران راندہیر کو علمی اور تعلیمی جدوجہد میں بھی ایسا ہی اولوالعزم پاتا اور ان میں ایسے عالم موجود ہوتے جو دین پاک کی خدمت نہ صرف ہندوستان کے مسلمانوں میں ادا کرتے ہوئے نظر آتے بلکہ اور اقوام کو بھی اسلام کی حقانیت اور رحمت کا سبق دیتے۔

دولت اور ثروت جیسی قوت خدا نے اُن کے ہاتھ میں دی ہے جس کے صحیح استعمال سے وہ قوم کی نہایت مفید خدمت انجام دے سکتے ہیں ٹکنیکل اور انڈسٹریل اسکول کے قایم ہونے کی قوم میں بڑی ضرورت ہے اور اس ذریعہ سے مثل اپنے وہ قوم میں ثروت پیدا کرنے کا بہت بڑا ذریعہ بن سکتے ہیں۔ یاد رکھنے کی بات ہے اور اس مقصد کے اظہار میں ذرا بھی شبہ کی ضرورت نہیں کہ قوم سے پستی اور افلاس کا دور کرنا اور قوم کے ہر فرد میں کمانے کی قابلیت پیدا کرنا قوم کے اغنیا اور دولت مند اصحاب کا فرض ہے تاکہ وہ اپنی فیاضی اور دولت کے ایثار سے قوم کے سب حصے کو ابھارنے کی تدبیر کریں۔ اب ضرورت اس امر کی ہے کہ وہ قوم کے اسباب زوال پر توجہ فرمائیں اور اپنی دولت سے اس طرح پر قوم کو فائدہ پہونچائیں جس سے قومی افلاس اور پستی دور ہو کر قوم میں فیض علم کے ساتھ حقایق عالم اور موجودات عالم پر محنت کے ساتھ غور کرنے اور روپیہ پیدا کرنیکا حوصلہ ہو اس میں خودداری کی صفت ہو اور اپنی عزت حاصل کرنے کی خواہش پائی جائے۔ وہ اپنے اخلاق اور صفات کے لحاظ سے اسلام کی سچی پیرو سمجھی جاسکے۔

امید ہے کہ راندہیر کے مخیر اور ممتاز تاجر اپنی دولت و ثروت کے استعمال کا طریقہ اب ایسی شکل میں تبدیل کرنے کی کوشش کریں گے جن کی بدولت مذکورہ بالا اوصاف قوم میں پیدا ہوں۔

انجمن اسلام کے پرجوش ممبر محمد منصور صاحب نے راندہیر کے مسلمانوں میں سے بہت سے اصحاب کو کانفرنس کا ممبر بنایا اور کانفرنس میں شریک ہونے کی اُن کو ترغیب دی۔ اُن کی یہ توجہ قابل شکر گزاری ہے۔

خدا کا شکر ہے کہ راندیر کے متمول اصحاب کو اپنی درماندہ قوم کی ضروریات کا احساس ہو چلا ہے اور مجھے یہ معلوم کر کے نہایت مسرت ہے کہ وہاں کے مخیر بزرگ جناب سیٹھ حاجی غلام اعظم صاحب نے ایک اسلامی یتیم خانہ قایم کرنے کا فیصلہ کیا ہے جس کے ساتھ اعلیٰ درس گاہ کا قیام بھی مدنظر ہے اور اس کام کے لئے وہ ایک رقم خطیر تقریباً بیس پچیس لاکھ روپیہ کی وقف کر رہے ہیں۔ خدا کرے کہ فیاض معطی کا یہ ارادہ عملی شکل میں ظہور پذیر ہو کر قوم کے حق میں باعث برکت اور دوسرے ارباب دول کے لئے موجب تقلید ہو۔

خاکسار

حبیب الرحمن خاں شروانی

آنریری جائنٹ سیکریٹری

آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس

آغاز کارروائی

۲۷ دسمبر ۱۹۱۶ء کو بعد نماز جمعہ جلسہ کی کارروائی کا آغاز کلام پاک کی تلاوت سے ہوا۔ سب سے اوّل آنریبل صالح بھائی کریم بھی صدر مجلس استقبالیہ نے انگریزی زبان میں اپنی تقریر پڑھی جس کا ترجمہ ذیل میں درج ہے:۔

تقریر منجانب صدر مجلس استقبالیہ

بزرگانِ قوم!

میں اسے بہت بڑی سعادت سمجھتا ہوں کہ حضراتِ سورت نے مجھے اپنی استقبالیہ کمیٹی کی طرف سے آپ جیسے اکابرِ قوم کا خیر مقدم کرنے کی قابلِ فخر خدمت سپرد کی جو سفر وغیرہ کی صعوبتیں اٹھانے کے بعد یہاں پر اس لئے تشریف لائے ہیں کہ مسلمانوں کی درماندہ قوم کی تعلیمی پستی کا علاج سوچیں۔ میں اس امر کو ایک نیک فال قرار دیتا ہوں کہ مسلمانوں کی سب سے بڑی تعلیمی کانفرنس نے اہل سورت کے درخواست پر اپنا سالانہ اجلاس یہاں پر منعقد کیا ہے جس شہر میں آج آپ جمع ہوئے ہیں اسے چند صدی پیشتر "باب المکۃ" کے مقدس نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ دہلی کی طرح جہاں ہمارے ہم قوم اور دیگر برادرانِ وطن اس قومی ہفتہ میں دوسرے طریقوں سے ملک کی خدمت کرنے میں مصروف ہیں۔ یہ شہر بھی مسلمانوں کی تہذیب و شائستگی کا مرکز اور عرصۂ دراز تک ثروت و اقبال اور کمالات علمیہ و عملیہ کی کان رہا ہے۔ یہاں اب تک بہت سے علماء و فضلاء کے مقابر نظر آتے ہیں جو مسلمانوں کی تاریخی عظمت اور جاہ و جلال پر روحانی روشنی ڈال رہے ہیں۔ لیکن گزشتہ علوم و فنون کی گرم بازاری کو دیکھتے ہوئے موجودہ

کساد بازاری پر جس قدر بھی ماتم کیا جائے کم ہے۔ مگر مقام شکر ہے کہ گو دیر سے ہی ہم نے اپنے مرض کے علاج کا خیال کر لیا ہے اور اب کامل یقین ہے کہ آپ حضرات کے وسیع تجربہ اور تعلیمی مہارت کی رہنمائی میں ہم اس قابل ہو جائیں گے کہ اپنی موجودہ حالت میں معتدبہ اصلاح کر لیں اور اس تعلیمی جمود کو کسی حد تک زائل کر سکیں جو گزشتہ چند صدیوں سے ہم پر طاری ہے۔

حضرات! خدا کا شکر ہے کہ موجودہ جنگ یورپ میں جس نے لاکھوں عورتوں کو بیوہ، کروڑوں بچوں کو یتیم اور زرخیز علاقوں کو ویران بنا دیا ہے اور جس کے تباہ کن اثر سے دنیا کا کوئی کونہ تک نہیں بچا۔ ہماری انگریزی حکومت اور اس کے حلیف بعد کامیابی مظفر و منصور ہو گئے ہیں۔ جنگ کو کامیاب بنانے کے لئے ہم نے جو جو کام کئے ہیں ان پر ہمیں جائز طور سے فخر کرنا چاہیے۔ اسلئے کہ جو لوگ براہ راست جنگ میں مشغول نہ تھے، انہوں نے قحط اور دیگر مصائب کو نہایت خوشی سے برداشت کیا۔ یہ جنگ ہندوستان کی دیگر اقوام کے مقابلہ میں مسلمانوں کے لئے جس قدر صبر آزما رہی ہے اس کا حال آپ اچھی طرح سے جانتے ہیں۔ خلیفۃ الاسلام کی شرکت جنگ مسلمانوں کے لئے ابتدا ہی سے تکلیف دہ رہی ہے۔ اس لئے کہ ہمیشہ سے ہماری دلی خواہش یہ تھی کہ ٹرکی اور انگلستان ایک دوسرے کے حلیف بنے رہیں۔ اور اب جبکہ جنگ کا ایک گونہ خاتمہ ہو چکا ہے ہمیں بھروسہ رکھنا چاہیے کہ برٹش گورنمنٹ اپنے بہادر اور شریف دشمن ترکوں کے ساتھ بہادرانہ اور شریفانہ سلوک روا رکھیگی اور مسلمانان ہند کی علی وفاداری اور اُن کے مذہبی جذبات اور نیز ترکوں سے دوستی کی اپنی قدیم روایات کا لحاظ رکھتے ہوئے اُن سے ایسا طرز عمل برتے گی جو دنیائے اسلام کے لئے مسرت و اطمینان کا باعث ہو سکے۔

بدقسمتی سے ایسی بے مثال قوم جو مسلمانوں میں بہت مشہور رہی اور ساکھ اور استقلال اور قابل آدمیوں کی کمی ایک ضرب المثل ہو گئی ہے اور بدقسمتی سے جب کوئی ایسا شخص ہم میں سے نذرِ اجل ہو جاتا ہے تو مدتوں تک ہمیں جب بھی اس جیسا کوئی نظر نہیں آتا۔ گزشتہ چند سال سے مسلمانوں پر طرح طرح کے مصائب ٹوٹ رہے ہیں۔ اور وہ ہر طریقے سے موردِ بلا ہائے آسمانی بن رہے ہیں ؎

ہر بلائے کز آسماں آید گرچہ بر دیگرے قضا باشد
بر زمین نارسیدہ می پرسد خانۂ انوری کجا باشد!

چنانچہ امسال ہمیں ہندوستان کے دو قابل فرزندوں کی موت پر اشک بہانا ہے ان میں سے ایک بزرگ ہماری سب سے بڑی قومی درسگاہ یعنی علی گڑھ کالج کے آنریری سکرٹری نواب محمد اسحٰق خاں صاحب کی ناگہانی وفات ہے۔ مرحوم سچی حب قومی کا مجسم نمونہ تھے اور انہوں نے علی گڑھ کالج میں جو جو اصلاحیں کی ہیں ان سے ان کے تدبر اور سیاست پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ دوسرے قابل فرزند ڈاکٹر عبدالرحمٰن صاحب بجنوری کی اچانک وفات ہے آپ کا ہم سے اس طرح جدا ہو جانا اس لحاظ سے اور بھی زیادہ قابلِ افسوس ہے کہ آپ نے عین جوانی میں انتقال کیا مرحوم بھوپال میں ناظم تعلیمات تھے اور انہیں تعلیم سے بے انتہا شغف تھا۔ آپ ہی نے مسلم یونیورسٹی کا نظام قوانین مدون کیا تھا اور آپ ہی دہرہ دون کے مجوزہ کالج کی روح رواں تھے افسوس ہے کہ ظالم انفلوئنزا کی وجہ سے وہ وقت سے قبل رخصت ہو گئے اور اپنی کوششوں کا ثمر بھی نہ دیکھ سکے۔ لیکن مجھے کامل امید ہے کہ جس قوم کی وہ اتنے عرصہ تک خدمت کرتے رہے ہیں وہ اس وقت تک دم نہ لے گی جب تک کہ وہ دہرہ دون میں مجوزہ کالج کا باضابطہ قیام نہ دیکھ لے۔ ہماری دعا ہے کہ خداوند تعالیٰ دونوں کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے۔

صاحبان - اس امر کا بار بار اعادہ کیا جا چکا ہے کہ ہماری قوم تعلیم میں پسماندہ ہے۔ دوسری ہمسایہ اقوام سے تو ہم پست ہیں ہی لیکن جب میں یہ دیکھتا ہوں کہ ہم کن بزرگوں کی اولاد ہیں اور یہ کہ انہوں نے علوم و فنون کے پھیلانے میں کیا کیا مشقتیں اٹھائیں تو مجھے اپنی درماندہ قوم کو اُن سے نسبت دیتے ہوئے بھی جھجک معلوم ہوتی ہے۔ اس میں کچھ شبہ نہیں کہ ابتدائی مدارس میں مسلمان طلبہ کی تعداد ثانوی مدارس کے مقابلہ میں اچھی خاصی کہی جا سکتی ہے لیکن جوں جوں وہ اوپر چڑھتے جاتے ہیں، تعداد میں نمایاں کمی آتی جاتی ہے حتیٰ کہ اعلیٰ تعلیم کی درسگاہوں میں مسلمان محض خال خال رہ جاتے ہیں۔

یہ بدمذاقی اور کمی تعداد بلاشبہ سخت افسوسناک ہے اور ہمارا فرض ہے کہ ہم ان وجوہ کو دریافت کریں جو اس حالت کی ذمہ دار ہیں۔ سب سے اوّل ہمیں مفلسی کا دکھڑا رونا ہے جو ہندوستان کے تمام مسلمانوں پر یکساں طور پر اپنا غضب ڈھا رہی ہے۔ یہ وہ سدِّ سکندری ہے جس کی وجہ سے ہمارے بہت سے ہونہار بچے اعلیٰ تعلیم کے حصول سے محروم رہ جاتے ہیں۔ دوسرا سبب گرانباری فیس ہے جو ہندوستان جیسے غریب ملک کے لئے کسی طرح مناسب نہیں اور یہی وجہ ہے کہ اکثر والدین اسے برداشت نہیں کر سکتے۔ ممکن ہے کہ بعض صاحبِ حیثیت بزرگ اس بوجھ کو محسوس نہ کرتے ہوں مگر جو لوگ جن تک ہم تعلیم کو پھیلانا چاہتے ہیں، اس کے خیال ہی سے خوف زدہ ہو کے رہ جاتے ہیں اور بدیں وجہ اعلیٰ تعلیم سے اپنے بچوں کو بہرہ ور نہیں کر سکتے۔ اس بارے میں گورنمنٹ معقول حد تک ہماری امداد کر سکتی ہے۔ تیسری وجہ عوام کی وہ بددلی اور تعصبِ بیجا ہے جو اُن کے دلوں میں انگریزی علوم کی طرف سے بالکل جم گئی ہے۔ ایک اور بڑا سبب ہے جو مسلمان بچوں کو ابتدائی تعلیم سے آگے بڑھنے نہیں دیتا۔ یہ مشکل صوبجات متحدہ اور پنجاب وغیرہ میں نہ تھی مگر یہاں یعنی گجرات اور دکن میں موجود ہے یعنی یہ کہ یہاں تمام کے لڑکوں کو ابتدا میں صرف دو زبانیں پڑھنی پڑتی ہیں۔ حالانکہ ایک مسلمان بچے کو

اس کے علاوہ اُردو زبان بھی انہیں پڑھنی پڑتی ہے اس لئے کہ اس کے ذریعہ وہ اپنے مذہب سے واقفیت حاصل کر سکتا ہے جس سے واقف ہونے کا بظاہر اور کوئی ذریعہ نہیں۔ اگرچہ مذہبی اعتبار سے اُردو کی تحصیل ضروری ہے۔ لیکن اس کی وجہ سے بچہ پر ضرورت سے زیادہ بوجھ پڑ جاتا ہے اور اکثر حالات میں وہ اس کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ دوسری قوموں کے کم بوجھ اٹھانے والے بچوں کا رفتار میں مقابلہ نہیں کر سکتا۔ یہ پیچیدہ مسئلہ بے انتہا مشکلات کا باعث ہو رہا ہے اور آپ حضرات کی عمیق توجہ کا محتاج ہے۔

تعلیمی پستی کا علاج سوچتے وقت میں اپنے نوجوانوں کے وظائف کے قیام اور دارالاقامتوں کی تعمیر کو سب سے ضروری سمجھتا ہوں۔ گذشتہ سالوں میں اس قسم کے بعض وظائف قائم کئے جا چکے ہیں۔ اور اُن کی وجہ سے مفلسی کی سختیاں بہت کچھ کم بھی ہوگئی ہیں تاہم ابھی ہمیں بہت کچھ کرنا باقی ہے۔ ہزارہا نہیں تو سینکڑوں وظائف مقرر کرنے چاہئیں اس سے پیشتر کہ کوئی ترقی حاصل ہو۔ جہاں ہندوستان کے مختلف حصص میں ہوسٹل قایم ہونے چاہئیں وہاں ہمارا مقصد یہ بھی ہونا چاہیے کہ ہر ضلع میں اپنے نوجوان طلباء کے لئے دارالاقامت کھول دیں۔ اس مقام پر میں قوم کی طرف سے بمبئی گورنمنٹ کا اور بالخصوص آنریبل مسٹر ایچ ایس لارنس کمشنر سندھ کا شکریہ ادا کرتا ہوں جن کی مساعی جمیلہ کی بدولت گورنمنٹ نے صوبۂ سندھ کے مسلمانوں کی ثانوی اور اعلیٰ تعلیم کے لئے ایک لاکھ روپیہ کی مستقل گرانٹ عطا کی ہے۔ لیکن گورنمنٹ کی امداد کے علاوہ ہمیں اپنی کوششوں کے ذریعہ بھی بہت کچھ کرنا چاہیے اور چنانچہ میں اپنی قوم کے مخیر صاحبان سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ اس شعبہ میں جو کچھ بھی کر سکتے ہیں کریں۔

دوسرا علاج یہ ہے کہ مسلمانوں کے لئے مخصوص اسکول اور کالج کھولنے چاہئیں تاکہ مسلمان طلباء کو داخلہ میں کسی قسم کی دقت پیش نہ آئے جیسی کہ آجکل انھیں گورنمنٹ اور

پرائیویٹ درسگاہوں میں جگہ کی قلت کی وجہ سے اتفاقی پڑتی ہے۔ میں طالبوں کے لیے علیحدہ اسکولوں اور کالجوں کے قیام کا بہت زبردست موید نہیں ہوں؛ اس لئے کہ ایک ہی درسگاہ میں دیگر دوسری اقوام کے طلبا کے ساتھ تعلیم حاصل کرنے سے انتہا فوائد مترتب ہوتے ہیں۔ لیکن جب تک کہ ان درسگاہوں میں جن کے دروازے ہر مذہب و ملت کے لڑکوں کے لیئے کھلے ہوئے ہیں مسلمانوں کے لئے جگہوں کا تعین نہ کر دیا جائیگا اس وقت تک علیحدہ مدارس کھولنے کی ضرورت باقی رہیگی۔

حضرات! اس سلسلہ میں سر حاجی محمد یوسف صاحب کے آٹھ لاکھ روپے کے گرانبہا عطیہ کی طرف اشارہ کرنا بے محل نہ ہوگا جو بمبئی میں اسلامیہ کالج کے قیام کے لئے دیا گیا تھا۔ یہ رقم خطیر بغیر کسی مصرف کے پڑی ہوئی ہے۔ آنریبل مسٹر جسٹس عبدالرحیم صاحب نے بمقام پونہ ۱۹۱۵ء میں اپنے صدارتی ایڈریس میں یہ مشورہ دیا تھا کہ اس رقم سے رہائشی کالج تعمیر کیا جائے۔ اس رقم کے ذریعہ مسلمانوں میں بہت کچھ تعلیمی روح پھونکی جا سکتی ہے۔ اور اس لئے اب وقت آگیا ہے کہ ہم گورنمنٹ سے پُر زور درخواست کریں کہ وہ عطیہ کو اس کار خیر میں صرف کرے جس کے لئے معطی نے اُسے عنایت کیا ہے۔

صاحبان! ہم لوگ صنعتی تعلیم میں بھی اپنی دیگر ہمسایہ اقوام سے بہت کچھ گرے ہوئے ہیں اور اس کے لئے ضروری ہے کہ ہم چند ہونہار طلبا کو ولایت میں صنعتی تعلیم حاصل کرنے کے لئے بھیجیں۔ اس بارے میں ہمیں جاپان کی صنعتی ترقی سے سبق لینا چاہیئے جو ۴۰ سال پیشتر کچھ بھی نہ تھی۔ آج وہاں جو کچھ دکھائی دے رہا ہے وہ ان نوجوانوں کی جدوجہد کا نتیجہ ہے جو جاپان سے غیر ممالک میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے گئے تھے، اور واپس آنے پر جنہوں نے حاصل کردہ علوم کو اپنے ملک کی خدمت میں صرف کر دیا۔ ان سب باتوں میں ہمیں خود اعتمادی کی ضرورت ہے۔ خدا تعالیٰ انکی مدد کرتا ہے جو آپ اپنی مدد کرتے ہیں اور جب تک کہ ہم خود اپنی ٹانگوں پر کھڑے ہونے

پیدا ہونگے تو ہم اس شاندار مقصد تک کبھی نہیں پہونچ سکتے جو ہمارے مطمح نظر ہے۔

تجارتی تعلیم کے بارے میں بھی میں کچھہ عرض کرنا چاہتا ہوں اگرچہ تجارت کے لحاظ سے یہ صوبہ تمام ہندوستان میں بڑھا ہوا ہے۔ تاہم یہ ضروری ہے کہ ہمارے طلبا مستقل مضمون کی حیثیت سے مطالعہ کریں، اور ساتھ کے ساتھ عملی تجربہ بھی حاصل کریں اور محض اپنی فرصتوں میں روزمرہ کی دکانداری کو کافی نہ سمجھیں۔ بمبئی میں ایک تجارتی کالج موجود ہے، اور جو گریجویٹ وہاں سے پاس کرکے نکلتے ہیں ان کی ہر جگہہ مانگ رہتی ہے اس سے صاف طور پر معلوم ہو سکتا ہے کہ عام ضروریات کو پورا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اس قسم کے کالج اور بھی کھولے جائیں۔

حضرات! ہمیں مذہبی تعلیم کو بھی فراموش نہ کرنا چاہیئے۔ دنیاوی تعلیم کے ساتھ ساتھ مذہبی تعلیم بھی ہونی چاہیئے اس لئے کہ اس کے بغیر ہمارے گریجوایٹوں میں وہ اعلی اسپرٹ پورے طور پر پیدا نہیں کیجاسکیگی جو صرف اسلامی علم الاخلاق اور اسلام کی شاندار تاریخ کے مطالعہ سے پیدا ہو سکتی ہے۔

بزرگان قوم! میں آپ کی توجہ اس حقیقت کی طرف مبذول کرنا چاہتا ہوں کہ ہماری کوششوں کا رخ صرف ایک ہی جانب نہ ہونا چاہیئے۔ زمانہ کے بدلنے اور جنگ یورپ کے باعث جدید حالات پیدا ہونے کی وجہ سے یہ ایک بالکل قدرتی امر ہے کہ ہماری توجہ باشندگان ہندوستان کی سیاسی ترقی میں حصہ لے لیکن ہمیں یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ تاوقتیکہ ہم قابل نوجوانوں کی ایک ایسی جماعت کے پیدا کرنے پر پوری طاقت نہ صرف کردینگے جو توسیع یافتہ کونسلوں اور دیگر انتظامی اسامیوں میں مدعم اپنی جائز جگہہ کو حاصل کرنے کی کوشش کرتی رہے (اس لئے کہ جدید اصلاحات کی رو سے باشندگان ہند کو ملکی حکومت میں زیادہ دخیل کیا گیا ہے) اس وقت تک ہم قابل اور

تربیت یافتہ آدمیوں کی کمی کا الزام اپنے سوا کسی اور پر نہیں رکھ سکیں گے۔ کیونکہ ان کی عدم موجودگی میں ہمیں اپنی جائز جگہ نہیں مل سکتی لہٰذا ہمیں اپنے تئیں پورے طور پر اس مقابلہ کے لئے تیار کر لینا چاہئے جو آیندہ ہمارے سامنے آنے والا ہے۔

حضرات! کانفرنس کے اجلاس سورت کی یہ سب سے بڑی خوش نصیبی ہے کہ اسے میرے معزز دوست آنریبل سر ابراہیم رحمت اللہ جیسا قابل اور ہمدرد قوم صدر ملا ہے۔ یہ انتخاب ہر لحاظ سے موزوں ہے اور اس پر میں کارکنان کانفرنس کو مبارکباد دیتا ہوں حقیقت میں یہ ایک خوش قسمتی کی بات ہے کہ انہوں نے اپنی بیشمار مصروفیتوں کے باوجود محض قومی ہمدردی کی وجہ سے قوم کے انتخاب پر لبیک کہکر کرسی صدارت کو زیب دینا قبول فرمایا ہے۔ میرے خیال میں ان کا صدر ہو جانا ہی اس جلسہ کی نمایاں کامیابی ہے اور میں یہ خیال کرنے کی جرأت کرتا ہوں کہ ان کی رہنمائی میں اُن بہت سی مشکلات کا حل معلوم ہو جائیگا جو مسلمانوں کے مسئلہ تعلیم سے وابستہ ہیں اور جن کا انھوں نے خاص طور پر مطالعہ کیا ہے۔

صاحبان! مجھے قوی امید ہے کہ آپ اس مختصر تقریر سے ناراض نہ ہونگے بحیثیت چیرمین استقبالیہ کمیٹی کے میرا فرض اتنا تھا اور ہے کہ میں اس شہر کی جانب سے اور نیز مجلس استقبالیہ کی طرف سے آپ کا جوش آمیز استقبال کروں اور ایسی حالت میں مجھ سے یہ جرأت نہو سکتی تھی کہ ان مسائل کا ذکر کروں جن کے متعلق ہمارے محترم صدر اپنی رائے کا اظہار کریں گے پھر آپ کی تکالیف کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنہیں آپ حضرات نے خوشی سے برداشت کرکے یہاں تک قدم رنجہ فرمایا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ اپنی کارروائیاں نہایت متانت اور سنجیدگی کے ساتھ انجام دینگے جیسا کہ میں کہہ چکا ہوں قومی کام کے لئے وسیع میدان موجود ہے اور اگر ہم سچے طور پر گزشتہ مسلمانوں کے اہل بننا چاہتے ہیں تو ہمارا فرض ہونا چاہئے کہ ہم انکی اسپرٹ کی تقلید کریں اور اپنی طاقت علم و ہمت سے پورا پورا کام لیں — اب آخر میں میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ اپنے معزز پریسیڈنٹ کا باقاعدہ انتخاب کرکے جلسہ کی کارروائی شروع کریں۔

صاحب صدر جلس استقبالیہ کی تقریر کے بعد مسٹر محمد اکبر نذر علی حیدری صاحب بی اے
جوائنٹ سیکرٹری گورنمنٹ نظام باقاعدہ نے موزوں الفاظ میں انتخاب صدر کی تحریک پیش
کی جس کی تائید میں نواب زادہ نصراللہ خاں صاحب بیرسٹرایٹ لا۔جناب نواب سید
منظر حسین خاں صاحب رئیس سورت و قاضی کبیرالدین صاحب بیرسٹرایٹ لا بمبئی نے یکے
بعد دیگرے تقریریں کیں اور جناب سرابراہیم رحمت اللہ صاحب کے ذاتی اوصاف علمی و
عملی قابلیت اور قومی و ملکی خدمات کا مناسب طور پر ذکر کیا۔ جملہ حاضرین نے اس تحریک
کا بہت خوشی کے ساتھ خیر مقدم کیا اور نعرہائے مسرت کے ساتھ آنریبل ممدوح نے
کرسی صدارت کو زینت بخشی۔

جناب صدر نے اپنا خطبہ صدارت زبان انگریزی میں مؤثر لہجہ اور دل آویز طرز ادا کے
ساتھ پڑھا جس کا ترجمہ ذیل میں درج ہے خطبۂ صدارت پڑھنے سے قبل تمام اہل سورت کا
اور بالخصوص پارسی اور ہندو برادران وطن کا اوس شان دار اور پرجوش استقبال پر شکریہ
ادا کیا جو آنریبل موصوف کا سورت پہنچنے پر کیا گیا تھا۔

خطبۂ صدارت آنریبل سرابراہیم رحمت اللہ صاحب
سی آئی ای صدر اجلاس کانفرنس ۱۹۱۸ عیسوی

حضرات! میں آپ صاحبان کی اس عزت افزائی کا نہایت مشکور ہوں کہ آپ نے
مجھے اس جلسہ کا صدر مقرر فرمایا ہے۔ یہ آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس عرصہ تیس سال سے
اسلامی تعلیم و تربیت کی تمام ہندوستان میں اشاعت کرتی رہی ہے۔ اس مشن کے آغاز کے
وقت جبکہ ۳۲ برس گذر گئے ہیں مسلمانوں کی تعلیمی حالت سخت اندوہناک تھی۔ اس طویل
عرصہ میں اس کی مساعی جمیلہ کی بدولت بہت کچھ مفید اور مستقل ترقی ہوئی ہے۔ تاہم

پس ماندگی کا دھبہ ابھی تک مسلمانوں کے دامن پر ہے۔ اور اس سے پیشتر کہ کانفرنس کا مقدس مشن پورا ہو اور مسلمان اس ملک کی دیگر ہمسایہ قوموں کے دوش بدوش کھڑے ہونے کے قابل ہو سکیں۔ ہمیں ابھی تعلیم کے میدان میں بہت کچھ ترقی کرنی باقی ہے۔ آج ہمارے اس جگہ مجتمع ہونے کی صرف یہی غرض ہے کہ ہم حتی المقدور اس پسندیدہ مقصد کے حصول کے لئے بہترین کوشش کریں۔ ہندوستان کی تمام اطراف و جوانب سے آپ احباب اس قوم کی تعلیمی پستی کے داغ کو مٹانے کے لئے تشریف لائے ہیں (اور آپ کا یہ طرز عمل ایثار کی اعلیٰ مثال ہے) جو کسی زمانہ میں محفل دنیا میں تہذیب و تمدن کی شمع فروزاں سمجھی جاتی تھی۔ اس کار خیر میں شرکت کی درخواست کا میں بہت ممنون ہوں اور آپ کی اس عین عنایت کا شکریہ ادا کرنے سے میں بالکل قاصر ہوں۔

جیسا کہ آپ بخوبی جانتے ہیں یہ جلسہ خاص اہمیت رکھتا ہے۔ ابھی ابھی دنیا کی سب سے بڑی جنگ ختم ہوئی ہے جو عرصہ دراز سے جاری تھی اور خدائے تعالیٰ نے ان اقوام کو فتح و نصرت بخشی ہے جو حریت اور نیکی کی دلدادہ ہیں۔ دنیا نہایت سرعت کے ساتھ ترقی کر رہی ہے اور جمہوریت کی لہر دن بدن زبردست ہوتی جا رہی ہے۔ ایک طرف ہمیں اس کامیابی پر جو اتحادی طاقتوں کو حاصل ہوئی ہے کمال مسرت ہے اور ان اغراض و مقاصد کی نصرت پر دلی امتنان ہے جس کی خاطر انہوں نے جنگ کی تھی۔ دوسری طرف ہمارا فرض ہے کہ ہم اس دنیا سے ترقی میں وہ جگہ لینے کی سر بکف کوشش کریں جس کے ہم حقدار ہیں کیونکہ اس عظیم الشان لڑائی کا ایک لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ ہر قوم کو اس کی حیثیت کے مطابق جگہ دی جائیگی اس جگہ کو حاصل کرنے کے لئے مسلمانان ہند کے سامنے صرف ایک ہی طریقہ ہے اور یقیناً آپ میری رائے سے اتفاق کریں گے کہ ہمارے حصول مدعا کا ذریعہ وسیع معنوں میں تعلیم ہی ہے۔ ہماری مہربان گورنمنٹ نے اعلان کر دیا ہے کہ ہندوستان میں انگریزی حکومت کا مطمح نظر خود اختیاری گورنمنٹ ملنا ہے اور اصلاحات کی اسکیم بھی شائع کی جا چکی ہے تاکہ اس ملک کو

یا جنس سے مناسب موقعہ کے اندر اپنے مقصود تک پہنچ جائیں۔ لہذا ضروری ہے کہ مسلمانان ہند تحصیل علم کے لئے جان توڑ کوشش کریں تاکہ آزاد اور خود مختار ہندوستان میں وہ اپنا حق صرف قابلیت و اہلیت کی بنا پر حاصل کرنے میں کامیاب ہو سکیں۔ دوسرے کے سہارے کی ہمیشہ توقع رکھنا سخت موجب ذلت ہے۔ لہذا ہم میں سے ہر ایک شخص کی یہ خواہش ہونی چاہئے کہ وہ اس ملک کی پبلک زندگی میں جلد سے جلد اس پوزیشن پر پہنچ جائے جس کی آپ کی قوم جائز طور سے مستحق ہے۔

اسلام و علم

مجھے ہمیشہ اس بات کی فکر دامنگیر رہی ہے کہ میں ان اسباب کو معلوم کروں جو ملمانوں کی دوامی تعلیمی پستی کے ذمہ دار ہیں۔ گزشتہ چند سالوں میں بہت کچھ ترقی ہوئی ہے اور اس کا ذکر میں ان اعداد کے ضمن میں کروں گا جنہیں میں نے جمع کیا ہے۔ لیکن بلاشبہ وہ صورت حالات کی نزاکت اور ضروریات کے کسی طرح مطابق نہیں ہیں ضرور کچھ وجوہ ہیں جن کے باعث معقول ترقی نصیب نہیں ہوئی اور یہ لازمی ہے کہ ہم ان اسباب کے معلوم کرنے کی کوشش کریں تاکہ ان کا سد باب اور آئندہ ترقی یقینی طور پر ہو سکے۔ میری رائے میں یہ امر ایک لمحہ کے لئے بھی تسلیم نہیں کیا جا سکتا کہ مسلمانان ہند دیگر ہمسایہ اقوام سے مقابلہ میں ذہنی قوت کے اعتبار سے کمتر ہیں۔ چنانچہ کوئی وجہ نہیں کہ اہل اسلام ویسی ہی ترقی نہ کر سکیں جیسی کہ اور اقوام عالم کر رہی ہیں۔ اب یہاں پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا کوئی مذہبی امر تعلیمی ترقی کا مانع ہے۔ سالہا سال سے میرے سننے میں یہ بات آ رہی ہے کہ اکثر اشخاص کا اعتقاد ہے کہ اجنبی زبانوں میں تعلیم دینا درحقیقت مذہب اسلام کے منافی ہے۔ انہی وجوہ پر ان کے قول کے مطابق کچھ ملاؤں نے انگریزی علوم کے مطالعہ کی سختی سے مخالفت کی ہے خدا کا شکر ہے کہ اس قسم کے وعظ و نصیحت کے خراب اثرات بتدریج زائل ہو رہے ہیں لیکن

مجھے اندیشہ ہے کہ ابھی بہت سے لوگ اسی عقیدہ پر اڑے ہوئے ہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ اس جلسہ میں اس کی نسبت ذرا وضاحت سے بحث کروں۔ مسلمان راسخ الایمان ہیں ان کا یہ شک رفع کرنا لازمی ہے کہ اجنبی زبانوں کی تعلیم کا اسلام مخالف نہیں بلکہ نہایت شدومد سے یہ بات ہمارے فرائض میں داخل کر دی گئی ہے کہ ہم ہر ایک مقام پر علم حاصل کریں جہاں کہیں وہ حاصل کیا جا سکتا ہے۔ آپ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس مشہور حدیث سے واقف ہیں کہ علم حاصل کرنے کے لئے اگر چین بھی جانا پڑے تو جانا چاہئے۔ جن اصحاب نے اس مضمون کا کافی مطالعہ کیا ہے انہیں کامل یقین ہے کہ یہ کہنا کہ اسلام اجنبی علوم کی ترویج میں حارج ہے اس کی بہت بڑی توہین ہے۔ اگر اس حدیث سے یہ مراد لیجائے جیسا کہ بعض جگہ لیجاتی ہے کہ اس سے محض مذہبی تعلیم مقصود ہے تو چین کی طرف اشارہ کرنا لایعنی ہے۔ آں حضرت (صلعم) کی حین حیات میں مذہبی علوم عرب کے ایک محدود حصہ میں پڑھائے جاتے تھے اور اس لئے مسلمانوں سے چین جا کر مذہبی تعلیم کے حاصل کرنے کی توقع رکھنا بالکل بے سود تھا۔ واضح رہے کہ اس زمانہ کا سفر سخت مصیبت ناک تھا اور اس لئے چین جیسے دور دراز ملک کا نام لیکر خاص طور پر وضاحت کرنے سے دراصل یہ بتانا مقصود تھا کہ مسلمان محض تحصیل علوم کے لئے جہاں کہیں بھی وہ حاصل کئے جا سکیں طرح طرح کی صعوبتیں اٹھا کر جائے۔ میرے خیال میں اُن لوگوں کے عقیدہ کا یہ دندان شکن جواب ہے جو ابھی تک یہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم (صلعم) کی حدیث سے فقط مذہبی تعلیم مراد ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ حدیث مقدس کی ایسی محدود تاویل بالکل ناقابل پذیر ہے۔ سچ ہے کہ جو شخص مسلمان کہلاتا ہے اس کے لئے مذہبی تعلیم حاصل کرنا لازمی ہے اور آگے چلکر میں اس شعبہ پر بھی بحث کروں گا۔ فی الحال اتنا کہدینا کافی ہے کہ اصول اسلام اس امر کے مقتضی ہیں کہ نہ صرف مذہبی بلکہ دنیاوی علوم بھی حاصل کئے جائیں جس توہین کا اوپر حوالہ دیا گیا ہے اس کا قطعی جواب جناب رسالت مآب (صلعم) کے زمانہ مبارک سے کے

واقعات اور آپ کے صحابۂ کرام کی تواریخ میں پایا جاتا ہے جس کی مابعد کی صدیوں میں مختلف ممالک میں تقلید کی گئی تھی۔

محقق جے جے پول اپنی کتاب "اسلام پر ایک نظر" میں لکھتا ہے:-

"جہاں اسلام پیغمبر عرب (صلعم) کا اور شعبوں میں اس قدر رہین منت ہے وہاں اس میں بھی ممنون احسان ہے کہ انہوں نے قرآن کریم کے ذریعہ سے علم ادب میں ایک جدید طرز کی بنیاد ڈالی اور پاک خیالات اور اعلیٰ حقایق کے مطالعہ کا شوق پیدا کیا۔

"تمام اہل علم اس بات پر متفق ہیں کہ قرآن مجید ادبی خوبیوں کے لحاظ سے ایک حیرت انگیز کتاب ہے اور گزشتہ سالوں میں میں نے غور سے جو اس کا مطالعہ کیا ہے تو میں اس کی بلاغت۔ الفاظ کی شان و شوکت اور جملوں کی شاندار روانی سے حیران رہ گیا ہوں اور تعلیم اسلام کا ذکر درکنار میں حضرت محمد (صلعم) کا گرویدہ ہو گیا ہوں ...... بلاشبہ کلام پاک کی مہتم بالشان بلاغت اور خیالات کی بلند پروازی نے ممالک اسلام کی تمام تصانیف مابعد پر بے انتہا اثر ڈالا ہے"

"رسول اکرم (صلعم) کی وفات کے بعد ہی جنگ اور جنگ کے اندیشوں نے علم ادب کی اشاعت میں رکاوٹ پیدا کی تاہم تعلیم و تصنیف کا شوق لوگوں کے دلوں میں برابر امڈا کیا اور خصوصاً حضرت علی (رض) کو اس قدر دلچسپی تھی کہ ان کے متعلق روایت ہے کہ انہوں نے اپنے عہد خلافت میں قومی مصنفوں کا نہ صرف تحفظ کیا بلکہ انہیں تصنیف کی ترغیب بھی دی حضرت علیؓ خود بھی ایک بڑے ادیب تھے اور ان کے نصائح اور مواعظ کا مجموعہ ایک کتاب "اقوال علی" کی صورت میں شایع بھی ہو چکا ہے۔ یہ ایک عظیم الشان کتاب ہے اور اہل یورپ کو اس کا اور زیادہ مطالعہ کرنا واجب ہے"

اس سے معلوم ہو گیا ہو گا کہ اگرچہ جنگ و جدال نے ترویج علم میں رکاوٹ پیدا کی تاہم خاتم النبیین (صلعم) کی وفات کے بعد علم کا شوق بہت زیادہ تھا اور علم کے متعلق آنحضرت کے

ارشادات اپنا ثمر لا رہے تھے۔ دوسرا اقتباس جو میں آپ کو سنانے کی جرأت کرتا ہوں ڈریپر کی کتاب "معرکہ مذہب و سائنس" سے لیا گیا ہے۔

"اس طویل عرصہ میں عیسائی ممالک کے لوگ زیادہ تر باری تعالیٰ کی ذات کے مباحث میں مصروف رہتے تھے اور دینی فوقیت کے حاصل کرنے کے لئے جدوجہد کرتے رہتے تھے پادریوں کا رسوخ اور یہ عام عقیدہ کہ ان کی آسمانی کتابوں میں تمام علوم موجود ہیں قوانین قدرت کی تحقیق میں مانع تھا۔ اگر اتفاقاً کوئی شخص ہیئت کے کسی مسئلہ پر سوال کرتا تھا تو فوراً اس کے جواب میں آگسٹین اور لیکٹین ٹی آس کی کتابوں کا حوالہ دیدیا جاتا تھا اور مظاہرات سماوی بالکل نظر انداز کر دیے جاتے تھے۔ مذہبی تعلیم کو دنیاوی تعلیم پر اس درجہ ترجیح دیدی گئی تھی کہ ۱½ ہزار سال کے طویل عرصہ میں عیسائی ایک ہیئت داں بھی پیدا نہ کر سکے۔

"مسلمانوں نے اس سے کہیں زیادہ ترقی کی۔ ان کے یہاں علم طبعی کی اشاعت ۶۳۸ء سے شروع ہو جاتی ہے جب کہ انہوں نے اسکندریہ کو فتح کیا تھا یعنی رسول عرب (صلعم) کی وفات سے فقط ۶ سال بعد۔ دو صدی کے اندر اندر وہ یونانی مصنفین علم طبعی سے نہ صرف واقف ہو گئے تھے۔ بلکہ ان کی تصانیف کا اندازہ کرنے کی قابلیت حاصل کر چکے تھے۔ جیسا کہ ہم ابھی ذکر کر چکے ہیں خلیفہ المامون نے میکائیل ثالث سے عہدنامہ کے بموجب بطلیموس کی کتاب "علم ہیئت" کا ایک نسخہ بھی طلب کیا تھا اور اس کا فوراً عربی میں ترجمہ بھی کرایا تھا۔ اس کتاب پر عربوں کا علم ہیئت تمام و کمال مبنی ہے۔ اس کے ذریعہ سے عربوں نے چند اہم مسائل طبعی حل کئے انہوں نے زمین کا طول و عرض دریافت کیا۔ اور تمام اجرام فلکی کی جو انہیں دکھائی دیتے تھے ایک ترتیب وار فہرست مرتب کی اور ان میں سے بڑے تاروں کے وہ نام رکھے جو اب تک ہمارے نقشوں اور کروں پر لکھے ہوئے ہیں۔ انہوں نے سال کی وسعت کا صحیح اندازہ کیا اور اجرام فلکی کی شعاع میں جو کجی پیدا ہوتی ہے وہ معلوم کی اور لنگر والی گھڑی ایجاد کی ستاروں کی تصویر اتارنے کے فن کو ترقی دی ہوا میں روشنی کی شعاعوں کا ٹیڑھا

ماسے معلوم کیا متوازی الافق آفتاب اور ماہتاب کے مظاہرات کے اسباب دریافت کئے اوران کے قبل از طلوع وقبل از غروب مشاہدہ کے اسباب بیان کئے۔ کرہ ہوا کی بلندی ناپی اور اسے ۵۸ میل قرار دیا۔ شفق کا صحیح مسئلہ معلوم کیا۔ تاروں کے جھلملانے کے وجوہ دریافت کئے۔ انہوں نے سب سے پہلے یورپ میں رصدخانہ تعمیر کیا۔ ان کے مشاہدے اس درجے تک صحیح اُترے ہیں کہ موجودہ زمانہ کے قابل ترین مہندس ان کے نتائج استعمال کرتے ہیں۔ چنانچہ لیپ لیس نے اپنی کتاب "نظام عالم" میں ابتجبنی کے مشاہدات کا حوالہ دیا ہے اور لکھا ہے کہ مصنف موصوف کا مشاہدہ اس امر کا قطعی ثبوت ہے کہ مدار ارض کی گولائی بڑھتی جاتی ہے۔ لیپ لیس نے ابن یونس کے نتائج متعلقہ کجی مدار شمس کا اپنے مباحث میں استعمال کیا ہے اور ساتھ ہی زحل و مشتری کی زیادہ تفاوت کے مسئلہ کا حوالہ بھی دیا ہے جسے ابن یونس نے دریافت کیا تھا۔

"یہ عرب ہیئت داں کی وسیع خدمات کا محض ادنیٰ نمونہ ہیں جو انہوں نے ماہیت عالم کے مسئلہ کے حل کرنے میں بنی نوع انسان کے لئے انجام دی ہیں۔"

اس اقتباس سے اس ترقی کا کچھ کچھ اندازہ کیا جا سکتا ہے جو پیغمبر خدا (صلعم) کی وفات کے بعد تقریباً دو سو سال کے عرصہ میں مسلمانوں نے سائنس اور علم ادب میں کی۔

میں اب آپ کی توجہ گبن کی مشہور تاریخ موسوم بہ "زوال دولت رومۃ الکبریٰ" کے چند اقتباسات کی طرف مبذول کرنا چاہتا ہوں:-

"حکمائے دنیا کے سچے ستارے واضعان قوانین ہیں۔ اگر وہ دنیا کی رہنمائی نہ کریں تو بنی نوع انسان از سرنو جہالت و گمراہی میں پڑ جائیں خلفائے بنی عباس نے المامون کی اجتہاد اور وسیع علمی دلچسپی کی قدم بہ قدم پیروی کی۔ ان کے ہمعصر یعنی خاندان بنی فاطمہ کے شاہان افریقہ اور بنی امیہ کے سلاطین اندلس اسی طرح مصنفین کے مربی بنے رہے جیسے کہ وہ دراصل دین کے حامی تھے۔ ان کے خود مختار عاملان صوبجات نے بھی انہی

شاہی حقوق اور مراعات کو قایم و برقرار رکھا اور ان کی قدردانی کا یہ نتیجہ نکلا کہ سمرقند اور بخارا سے لے کر فیضان اور قرطبہ تک سائنس کا چرچا پھیل گیا۔ صرف ایک ہی سلطان کے وزیر (نظام الملک) نے دو لاکھ اشرفیاں بغداد میں (نظامیہ) کالج بنانے کے لئے عطا کیں اور اس کے علاوہ پندرہ ہزار دینار کی سالانہ آمدنی کی املاک وقف کیں۔ اس دارالعلوم میں مختلف اوقات میں چھ ہزار تک طلبا درس لیا کرتے تھے اور ان میں امرا سے لے کر معمولی صناعوں تک کے لڑکے شامل تھے۔ غریب طلباء کے لئے کافی سرمایہ مہیا کیا گیا تھا اور معلمین کی قابلیت اور سعی کا معاوضہ نہایت فیاضی سے دیا جاتا تھا۔ ہر شہر میں علم کے دلدادہ عربی کتابوں کی نقل کرتے اور انھیں جمع کرتے تھے اور امراء کی خودنمائی اس شوق کے لئے تازیانہ ہوتی تھی۔ ایک طبیب نے سلطان بخارا کی دعوت نامنظور کر دی تھی اس لئے کہ اس کی کتابوں کی بار برداری کے لئے چار سو اونٹوں کی ضرورت تھی۔ بنی فاطمہ کے بادشاہوں کے کتب خانہ میں ایک لاکھ قلمی کتابیں تھیں جو اعلیٰ خط میں لکھی ہوئی تھیں اور جن کی شاندار جلدیں تھیں اور جو قاہرہ کے طلباء کو بشکل تمام مستعار دی جاتی تھیں۔ لیکن یہ کتب خانہ اس کتب خانہ کا مقابلہ نہیں کر سکتا جو بنی اُمیہ کے سلاطین نے اندلس میں قایم کیا تھا اور جہاں چھ لاکھ کتابیں جمع کی گئی تھیں اور جس کی فہرست ۴۴ جلدوں میں تھی۔ بنی امیہ کے دارالسلطنت قرطبہ اور اطراف کے شہروں ملاگا۔ المیریا اور مرسیا میں تین سو سے زیادہ مصنفین پیدا ہوئے اور مملکت اندلس میں ۷۰ سے زیادہ کتب خانے عوام کے لئے قایم کئے گئے۔ عربوں کی علمی شان و شوکت پانچسو سال تک قایم رہی اور مغلوں کے زبردست حملے کے بعد زوال پذیر ہوئی۔ اور یہ وہی زمانہ ہے جبکہ یورپ میں تاریکی اور کاہلی چھائی ہوئی تھی۔ لیکن جب سے مغرب میں سائنس کا آفتاب طلوع ہوا ہے اس وقت سے مشرقی علوم بظاہر تنزل پذیر ہو گئے ہیں......

حکماے یونان کی تصانیف کا ترجمہ عربی میں کیا گیا اور ان کی بنیاد پر اور کتابیں بھی تصنیف کی گئیں اور اگرچہ اصل زبان (یونانی) کی بعض کتابیں مفقود ہو گئی ہیں تاہم وہ مشرقی کتابوں

کی صورت میں دستیاب ہو گئی ہیں۔ اور مشرقی دنیا میں ارسطو۔ افلاطون۔ اقلیدس۔ بطلیموس بقراط اور جالینوس کی تصنیفات موجود تھیں اور وہاں ان کا مطالعہ کیا جاتا تھا۔"

میں آپ کی توجہ خاص طور پر اس تاریخی حقیقت کی جانب منعطف کرتا ہوں کہ حکمائے یونان مثل ارسطو۔ افلاطون۔ اقلیدس۔ اپولونی ئس۔ بطلیموس۔ بقراط۔ اور جالینوس کی تصنیفات کا ترجمہ عربی زبان میں کیا گیا تھا اور اُن کی بنیاد پر اور کتابیں تصنیف کی گئی تھیں واضح رہے کہ یہ عمل ناممکن تھا تا وقتیکہ وہ یونانی زبان بخوبی تحصیل نہ کر چکے ہوں اور یونانی زبان ان کے لئے ایک اجنبی زبان تھی۔

ذیل کا اقتباس جس کے سننے کی میں آپ کو تکلیف دیتا ہوں وہ اسٹین لے لین پول کی کتاب "اندلس میں موروں کی حکومت" سے لیا گیا ہے:۔

"اگرچہ قرطبہ کے محلات و باغات خوش نما تھے لیکن دار السلطنت کے موجب افتخار اور اسباب بھی ہیں۔ روح ایسی ہی خوش نما تھی جیسا کہ جسم۔ اس کے معلمین اور مدرسین نے اسے یورپ کی تہذیب کا مرکز بنا دیا تھا۔ تمام اکناف یورپ سے طلبا ر وہاں وہاں کے مشہور حکما سے سبق لینے کے لئے آتے تھے اور راہبہ ہیروس وتھا جو گانڈر شیم کی خانقاہ میں رہتی تھی مقدس یولوجیس کی شہادت کا ذکر کرتے ہوئے قرطبہ کی تعریف کا گیت گانے سے باز نہ رہ سکی اور اسے "دنیا کے نہایت شاندار خطہ" کے نام سے موسوم کیا۔ سائنس کے ہر ایک شعبہ کا مطالعہ کیا جاتا تھا اور علم طب میں جالینوس کی وفات کے بعد سے جس قدر اضافہ اندلس کے طبیبوں اور جراحوں نے کیا اتنا اس سے پہلے کسی نے نہیں کیا تھا۔ ابو القاسم گیارہویں صدی عیسوی کا مشہور جراح ہے اور اس کے بعض ایجاد کردہ اعمال جراحی موجودہ طریقوں کے مطابق ہیں۔ ابن ظہر نے کچھ عرصہ بعد طب اور جراحی میں چند قابل یادگار اور بہت اہم ایجادات دریافت کیں۔ ابن بیطار نے جو علم الاشجار کا بہت بڑا ماہر تھا طبی پودوں کے حاصل کرنے کے لئے تمام مشرقی ممالک میں سفر کیا اور ان کے متعلق ایک جامع کتاب

لکھی اور فیلسوف ابن سینا نے اپنی کتابوں کے ذریعہ سے قدیم یونان اور یورپ کے عہد وسطیٰ کے فلسفہ کو باہم مربوط کیا۔ قرطبہ کے مدارس میں نہایت ذوق اور شوق سے علم ہیئت۔ جغرافیہ۔ کیمیا اور علم حیوانات پڑھایا جاتا تھا۔ باقی رہی علم ادب کی ترقی تو یورپ میں کبھی کوئی زمانہ ایسا نہیں آیا جبکہ ہر ایک شخص منظوم گفتگو کرتا ہو جیسا کہ اس زمانہ میں ہر طبقے کے افراد دہری کی نظمیں تصنیف کرتے تھے جن کی ہسپانیہ۔ پراونس اور اٹلی کے گویئے اپنے اپنے راگوں میں نقل اُتارتے تھے۔"

"مصنوعات۔ علوم اور تہذیب کے لحاظ سے اہل عرب کا آباد کیا ہوا شہر قرطبہ بلا شبہ دنیا کا سب میں عظیم الشان مرکز تھا۔"

مذکورہ بالا اقتباسات میں نے صرف یہ ظاہر کرنے کے لئے پیش کئے ہیں کہ ان دنوں میں آپ ہی کے ہم مذہبوں نے مختلف علوم و فنون سائنس اور علم ادب کو درجۂ کمال تک پہنچا دیا تھا۔

مجھے معلوم نہیں کہ آیا آپ ان اقتباسات کے سننے سے بے چین ہو گئے ہیں لیکن اگر آپ مجھے ایک اور اقتباس پڑھنے کی اجازت دیں گے جو دراصل اسلامی حکومت کے تمام تعلیمی کارناموں کا خلاصہ ہے تو مجھے یقین ہے کہ آپ میری سمع خراشی کو نظرانداز کریں گے اس اقتباس کو پیش کرنے کی مجھے نہ صرف اس لئے جرأت ہوئی ہے کہ اس میں مسلمانوں کے کارناموں کو مختصر پیرایہ میں بیان کیا گیا ہے بلکہ اس لئے بھی کہ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مسلمانوں نے ہندوستان میں علوم و فنون اور علم ادب کو ترقی دینے کے لئے کیا کچھ کیا۔ یہ مسز بیسنٹ کے ایک لکچر "اسلام تھیوصوفی کی روشنی میں" سے لیا گیا ہے **وھو ھذا**:۔

"بحیثیت مذہب کے اس پر اکثر ناجائز طور پر حملے کئے گئے ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ رسول مقبول کی بزرگی اور دنیا کو جو تعلیمات آپ نے دی ہیں ان کی شرافت کو بالکل

غلط پیرایہ میں سمجھا گیا ہے۔ بسا اوقات مغربی ممالک میں اسلام کے خلاف اس بنا پر حملے کئے جاتے ہیں کہ وہ سخت متعصب ہے اور مانع ترقی ہے۔ اس بنا پر کہ اسلام میں عورت کو وہ پوزیشن حاصل نہیں جو اسے ملنی چاہیئے تھی۔ اس بنا پر کہ وہ علم سائنس اور ذہنی طاقتوں کو نشوونما دینے کے خلاف ہے۔ یہ وہ تین اعتراض ہیں جو اہل مغرب عام طور پر اسلام پر کیا کرتے ہیں۔ میں اپنی تقریر کے آخر میں آپ کو یہ دکھاؤں گی کہ نہ صرف آنحضرت صلعم کی تعلیم ان کی تکذیب کرتی ہے بلکہ اسلام نے جو وسیع خدمات دنیا کے لئے انجام دی ہیں۔ ان سے مذکورہ بالا اعتراضات کی خود بخود تردید ہو جاتی ہے یہ سچ ہے کہ آج اسلام دنیا میں اعلیٰ علوم و فنون اور اعلیٰ ذہنی کوششوں کا مظہر نہیں رہا۔ مگر یہ اس کی تعلیم کا قصور نہیں۔ بلکہ اس پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے یہ حالت ہو گئی ہے۔ دنیا کے دوسرے مذاہب کی طرح سے اسلام کو بھی نقصان پہنچا ہے اس لئے کہ اس کے پیرو اس کے بانی کے اہل نہیں رہے۔

".....حضرت رسالت پناہ اُمی تھے اور علم کا جو کچھ مفہوم دنیا سمجھتی ہے اس اعتبار سے وہ عالم نہ تھے۔ بار بار آپ اپنے تئیں "اُمی" لکھکر پکارتے ہیں اور اسی وجہ سے آپ کے پیرو قرآن مجید کو ایک دائمی معجزہ سمجھتے ہیں اور اسے آپ کے دعوۂ نبوت کے ثبوت میں پیش کرتے ہیں۔ اس لئے کہ وہ نہایت بلیغ عربی میں لکھا گیا ہے۔ لیکن اگرچہ آپ اُمی تھے آپ نے سب چیزوں سے بڑھ کر حصول علم کی تاکید فرمائی ہے۔ آپ ارشاد فرماتے ہیں۔

"علم حاصل کرو اس لئے کہ جو اسے خدا کے لئے حاصل کرتا ہے۔ وہ نیکی کا کام کرتا ہے جو علم کے بارے میں بات چیت کرتا ہے وہ گویا خدا تعالیٰ کی تعریف کرتا ہے جو اسکی حصول کے لئے سعی کرتا ہے خدا تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے۔ جو علم کی اشاعت کرتا ہے وہ گویا زکوٰۃ دیتا ہے اور جو اس کا صحیح استعمال کرتا ہے وہ خدا کی پرستش کرتا ہے۔ علم نیکی و بدی میں تمیز کرنی سکھاتا ہے۔ وہ خدا تک پہنچنے کے لئے روشنی کا کام دیتا ہے۔ وہ صحرا میں ہمارا رفیق ہے اور تنہائی میں ہمارا مونس ہے۔ وہ خوشی کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور مصیبت

کے دونوں میں ہمت برقرار رکھتا ہے۔ دوستوں کی موجودگی میں وہ ہماری تزئین کا باعث ہے اور دشمنوں کے خلاف وہ ڈھال کا کام دیتا ہے۔ علم کے ذریعہ سے انسان نیکی کے اعلےٰ منازل تک پہنچ سکتا ہے اور دنیا میں اچھی پوزیشن حاصل کر سکتا ہے۔ اس دنیا میں عالم کو بادشاہوں کی صحبت نصیب ہوتی ہے اور دوسری دنیا میں اُسے خوشی اور امن ملتا ہے۔

"ایک اور موقع پر آنحضرت (صلعم) جن کی خاطر اتنے آدمیوں نے اپنی جانیں دی ہیں کیا صحیح فرمایا ہے :-

'عالم کی سیاہی شہید کے خون سے زیادہ قیمتی ہے'

"مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ اپنے ہر قایم کردہ اسکول پر اس فقرے کو سنہری حرفوں میں لکھ کر لگا دیں۔ اس لئے کہ فرزندان اسلام ہمیشہ سے خوشی خوشی شہادت حاصل کرنے کے لئے تو دوڑتے ہیں۔ لیکن گزشتہ چند صدیوں سے (اور واقعات جلد جلد بدل رہے ہیں) اُنھوں نے علمار کی بہت کم عزت روا رکھی ہے۔

"حضرت علیؓ نے بھی علم کی نہایت اعلیٰ تعریف کی ہے :-

"علم کا جوہر قلب کی روشنی ہے۔ سچائی اس کا بڑا مقصد ہے الہام اس کا حقیقی رہنما ہے عقل اسے قبول کرتی ہے خدا تعالیٰ اس کا ملہم ہے اور انسانی الفاظ اسے ادا کرتے ہیں"

"علم کی قدر و قیمت کے متعلق یہ وہ بلند خیالات ہیں جنھوں نے ایک طرف تو عربوں کے فلسفہ کی بنیاد ڈالی اور دوسری طرف موروں کو علوم و فنون کے حصول پر آمادہ کیا جب اسلام پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ وہ مانع ترقی ہے۔ یہ کہ اس کے پیرو علمیت کے اعتبار سے دوسری اقوام سے پیچھے رہ جاتے ہیں تو اس وقت معترضین (بشرطیکہ وہ تاریخ کو نظرانداز نہ کر دیں) کو چاہیئے کہ وہ اس پستی اور جمود کو جو چند صدیوں سے مسلمانوں پر طاری ہے۔ کسی اور سبب کا نتیجہ قرار دیں۔ اس لئے کہ وہ حضرت علیؓ ہی تھے جنھوں سید المرسلین کی قایم کردہ بنیاد پر علم کی عمارت تعمیر کی اور جنھوں نے باقاعدہ علم کی

ترویج کی جو بالآخر عرب میں ایک سو سال تک خاموش ترقی کرنے کے بعد یکایک یورپ میں روشنی کی صورت میں جلوہ گر ہوا اور جس نے موروں کے ذریعہ سے اسپین میں آنے کے بعد عیسائی ممالک میں علم کا چرچا پھیلا دیا۔ اسلام ہی تھا جس نے جدید فلسفہ و افلاطونیہ ورثہ کو سنبھالا اور قاہرہ اور بغداد۔ مصر اور عرب کے کالجوں میں اس کا درس دیا حالانکہ ہائی پیشیا کے قتل کے بعد عیسائی اسے رد کر چکے تھے اور اس کے مطالعہ کو کفر خیال کرتے تھے مسلمانوں نے علم کی اس بے بہا دولت کو بچایا اور بعد میں یورپ کے استعمال کے لئے اُسے دوسروں کے سپرد کر دیا۔ آنحضرت (صلعم) کے ارشادات کے مطابق علم کی قدر دانی ہی وہ شے تھی جس نے آپ کے پیروؤں کی ایک جماعت کو عرب میں علوم فنون کے مطالعہ کا گرویدہ بنا دیا اور دوسری جماعت کو فاتح تلوار کے ساتھ مشرق و مغرب میں روانہ کر دیا جس کی وجہ سے اسلام کی طاقت زبردست ہوگئی۔ ایک طرف طلبا فلسفہ اور سائنس کا نہایت سرگرمی سے مطالعہ کرتے تھے اور دوسری طرف اس کے جانباز رفتہ رفتہ اسے طاقتور بناتے جاتے تھے یہاں تک کہ فاتح تلوار کے سایہ میں علم کی روشنی جلوہ گر ہوتی گئی اور فاتح کے نقش قدم پر فلسفہ اور سائنس کا رواج ہوتا گیا سب سے پہلے اسلام کی افواج افریقہ کے شمالی حصص میں لڑتی رہیں اور بالآخر اپنا علم نصب کرنے میں کامیاب ہوگئیں۔ اس کے بعد افریقہ سے اسپین میں گئیں اور وہاں جا کر عربوں کی حکومت کی بنیاد ڈالی۔ یونیورسٹیاں پیدا ہونی شروع ہوگئیں جہاں یورپ کے تمام حصص سے طلبا جوق جوق آتے تھے۔ اس لئے کہ عیسائی ممالک میں سائنس کو کوئی نہیں جانتا تھا۔ علم ہیئت اور علم ریاضی مفقود ہو چکے تھے اور کیمسٹری (علم کیمیا) مصری مقبرہ سے باہر نہیں نکلی تھی۔ فاتح عرب علم کو اپنے اپنے ساتھ ساتھ لائے اور پاپائے اعظم سلوسٹر ثانی نے بھی اپنی نوجوانی میں قرطبہ کی درسگاہ میں تعلیم پائی اور وہیں علم ہندسہ اور ریاضی کے ابتدائی اصول سیکھے اور یہ وہ بات تھی جس کی وجہ سے اس زمانہ کے

جاہل پادری ان کے خلاف ہو گئے تھے۔ میں نے کسی اور مقام پر اس مضمون کے متعلق بحث کرتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ

"مسلمان ہندوؤں اور یونانیوں سے علم حساب لیتے ہیں۔ وہ جبر و مقابلہ میں دوسرے درجہ کی مساوات معلوم کرتے ہیں۔ پھر اس کے بعد کواڈریٹک مساوات بھی دریافت کر لیتے ہیں۔ پھر بائی نومیل تھیوریم معلوم کرتے ہیں۔ وہ علم المساحت میں سائین اور کوسائین کو بھی معلوم کرتے ہیں۔ وہ پہلی دوربین ایجاد کرتے ہیں۔ وہ ستاروں اور سیاروں کا مطالعہ کرتے ہیں۔ وہ زمین کی جسامت کو ناپتے ہیں۔ وہ جدید قسم کا فن تعمیر نکالتے ہیں۔ وہ علم موسیقی میں ایجاد کرتے ہیں۔ وہ سائنٹفک طریقہ سے کاشت کرتے ہیں۔ اور مصنوعات کو خوبصورتی کی انتہا تک پہنچا دیتے ہیں۔"

"یہ سب باتیں صرف یورپ ہی میں رواج پذیر نہیں ہوئی تھیں۔ بلکہ ہندوستان میں بھی جہاں مسلمانوں کی بنائی ہوئی بعض نہایت شاندار عمارتیں ابھی تک موجود ہیں۔ اور جن کے بہ نسبت بجا طور پر یہ کہا گیا ہے کہ وہ

'دیووں کی طرح عمارت بناتے تھے اور جوہریوں کی طرح نفیس و پاکیزہ کام کرتے تھے'

"بعض نہایت حیرت انگیز عمارتیں مسلمانوں کی یادگار باقی رہ گئی ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ ان کے وجود نے ہندوستان کو زیادہ مالدار بنا دیا ہے اور یہ سب خزانے ہندوستان کی گود میں اُس کے مسلمان فرزند لائے تھے۔ ان کی صنعت کا اثر ہندوؤں کے فن عمارت پر بھی پڑے بغیر نہ رہا اس لئے کہ کوئی فن کسی خاص مذہب یا نسل کی حدود میں مقید نہیں کیا جا سکتا۔ انہی صدیوں میں اسلام نے فلسفہ مابعد الطبیعات کے بعض نہایت قابل حکما اور ماہر پیدا کئے جو دنیا میں اپنا جواب نہیں رکھتے۔"

اگر اُس زمانہ میں اسلام نے بعض ایسے قابل ترین حکما اور ماہر پیدا کئے جو

اپنا جواب نہیں رکھتے تھے یا تو پھر اس کی کوئی وجہ نہیں دکھائی دیتی کہ آج کل کے
مسلمان بھی علوم و فنون سائنس اور علم ادب میں ویسی ہی حوصلہ مندی نہ دکھا سکیں اور
اسی اعلیٰ بلندی پر نہ پہنچ جائیں جو ان کے بزرگوں نے ظاہر کی تھی جس بات کی اب
ضرورت ہے وہ عزم بالجزم اور سخت محنت و مشقت ہے۔ ان تاریخی واقعات کے ہوتے
ہوئے یہ کہنا بالکل لاطائل ہے کہ اسلام علوم کی ترقی کا حامی نہیں ہے۔ حضرت رسالت
پناہ علیہ صلوات اللہ کے فصیح و بلیغ الفاظ جنہیں اوپر نقل کیا گیا ہے ہمارے لئے مزید
ترقی کا باعث ہونے چاہئیں جیسا کہ وہ قدیم مسلمانوں کے لئے تھے جنہوں نے صدیوں
تک علم کی شمع کو فروزاں رکھا۔ ایسے مذہب کے متعلق ایک منٹ کے لئے خیال نہیں
کیا جا سکتا کہ وہ تعلیم کی راہ میں مانع ہو سکتا ہے۔ بعض کہنہ ملاؤں نے اپنے مفاد کی خاطر
تعلیم کو نقصان پہنچانے کی جو کوششیں کی ہیں۔ انہیں مذکورہ بالا واقعات کی روشنی میں
اپنی کشمکش سے باز رہنا چاہیئے۔ کیا یہ امید کرنا ضرورت سے زیادہ ہے کہ ہر شخص کو اس امر
کی کوشش کرنی چاہیئے کہ وہ اپنے بچوں کو جہالت کی بجائے تعلیمی آب و ہوا میں نشوونما
دے اور انہیں تعلیم یافتہ شہری بنائے مسلمانوں کی سب سے بڑی دشمن جہالت ہے
اور ہر شخص کے دل میں ہمارے برگزیدہ پیغمبر (صلعم) کے حسب ذیل الفاظ سے ایک
خاص جوش پیدا ہو جانا چاہیئے۔ "جو شخص علم کے متعلق گفتگو کرتا ہے وہ گویا خدا کی حمد و ثنا
کرتا ہے۔ جو علم کے حاصل کرنے کی جستجو کرتا ہے وہ خدا کی تعریف کرتا ہے جو علم کی
اشاعت کرتا ہے وہ خیرات دیتا ہے جو اس کا صحیح استعمال کرتا ہے وہ رب اکبر کی
پرستش کرتا ہے"

تعلیم یافتہ مسلمانوں کا مذہبی عقیدہ

اگر دلیل مزید کی ضرورت ہو تو وہ اس واقعہ سے مل سکتی ہے کہ ابھی تک ہندوستان

ہیں ہمارا انگریزی داں مسلمان ایسے موجود ہیں جن میں سے اکثر تلاش علم میں کئی سال
تک انگلستان میں رہ چکے ہیں اور جو ابھی تک ایسے ہی خوش اعتقاد ہیں جیسے کہ ہم میں
سے بعض پکے مسلمان۔ کیا عملی تجربہ اس ادعا کے غلط ہونے کا کافی و شافی جواب نہیں
ہے کہ غیر زبانوں کا مطالعہ مسلمانوں کو جادۂ مذہب سے گمراہ کر دیتا ہے! میں نہیں جانتا
کہ آیا جو لوگ کمال متانت و سنجیدگی سے اس مسئلہ کو پیش کرتے ہیں۔ یہ محسوس بھی کرتے
ہیں یا نہیں کہ وہ ایسا کہنے سے اسلام کو در پردہ کس قدر نقصان پہونچا رہے ہیں۔ وہ
اپنے اس طرز عمل سے دوسری اقوام میں یہ احساس پیدا کر رہے ہیں کہ اسلام ایسا تنزل
پذیر مذہب ہے اور اس کا اثر اس قدر سطحی ہے کہ جونہیں اس کے پیرو موجودہ زمانہ کی
روشنی سے متاثر ہوتے ہیں۔ وہ اپنے مذہب سے دست بردار ہو جاتے ہیں۔ بلاشبہ اسلام
کو دوسرے مذاہب کے نام لیواؤں کے غلط الزامات سے بہت کچھ صدمہ پہنچا ہے اور
اس حالت میں اسے یہ امید تھی کہ خود اس کے دلدادگان ایک زندہ اور روشن مذہب
کی حیثیت سے اس کے محاسن اور اس کی خوبیوں کی قدر کریں گے۔ جو شخص بھی اس کی
اصلی خوبی سے واقف ہے وہ فوراً یہ یقین کر سکتا ہے کہ ہمارے نبی کریم (صلعم) کی تعلیم
کس قدر اعلیٰ اور پاکیزہ ہے۔ یہ یقین کرنا بھی لغو ہے کہ جس کسی مسلمان نے اپنے مذہب
کا مطالعہ کیا ہے کبھی وہ اپنا مذہب تبدیل کر سکتا ہے۔ اسلام کی سب سے بڑی خوبی
یہ ہے کہ اس کے پیرو مستقل مزاج ہوتے ہیں اور وہ زندگی بھر جادۂ وفاکیشی پر ثابت
قدم رہتے ہیں۔ اگر اب بھی بعض حلقوں میں اس مسئلہ کے متعلق شکوک باقی رہ گئے ہیں
تو میں درخواست کروں گا کہ وہ اس پوائنٹ کے بارے میں پوری طور پر مطالعہ کریں
اور شکوک کے باطل اثرات کو دل سے نکال دیں اور تعلیم اور روشنی پھیلانے کے مقدس کام
کو نہایت استقلال اور سنجیدگی سے شروع کر دیں۔ اگر ہم سب اس اعلیٰ مشن کی اسپرٹ پر
عمل درآمد شروع کر دیں۔ تو ہم نہ صرف تعلیمی پستی کا دھبہ دور کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے

... اسلام کے مقصد کو بھی فائدہ پہنچائیں گے اور اس درجہ کے اہل ہو سکیں گے جس کا آنحضرت
صلعم نے مندرجہ بالا الفاظ میں ذکر کیا ہے۔

اعداد دربارۂ تعلیم

آپ پر یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ جو کام ہمارے سامنے درپیش ہے وہ کس قدر عظیم الشان
ہے اس سے پیشتر کہ ہم جہالت کو کلی طور پر زائل کرنے کے مقصد میں کامیاب ہوں۔ میں
مسلمانوں میں تعلیم کی موجودہ حالت کا نقشہ آپ کے روبرو پیش کرنا چاہتا ہوں۔ اب اس
امر پر افسوس کرنا کہ ہم پہلے یہ تھے اور ہم کو کیا بننا چاہئے تھا فضول ہے

مسلمان تاریخ عالم میں مختلف علوم و فنون کے شعبوں میں نمایاں کارناموں کے ذریعہ
ایک سنہری ورق چسپاں کر چکے ہیں اور میں علوم و فنون۔ سائنس اور علم ادب کی ترقی کے
ضمن میں دکھا چکا ہوں کہ ماضی میں مسلمانوں کے کارنامے کیسے عظیم الشان تھے۔ اب بھی کوئی
قوت مانع نہیں ہے بشرطیکہ ہم میں اسی بلندی پر پہنچنے کا عزم بالجزم ہو۔ موجودہ صورت حالات
حقیقتاً نہایت افسوسناک ہے اور اس لئے ہمارا فرض ہونا چاہئے کہ ہم اس کی مدافعت کی
موثر اور قاطع علاج دریافت کریں۔ یہ کہ ہماری تعلیمی پستی کس قدر افسوسناک ہے حسب
ذیل اعداد سے معلوم کی جا سکتی ہے سنہ ۱۸۸۶ء میں سے لے کر اب تک ہر پانچ سال کے
اعداد و شمار میں نے جمع کئے ہیں اور سنہ ۱۸۸۶ء وہ سال ہے جبکہ ہماری کانفرنس
معرض وجود میں آئی تھی۔ میں نے یہ اعداد اس لئے منتخب کئے ہیں کہ اس سے اچھی طرح
سے پتہ لگ جائیگا کہ ہم نے کہاں تک ترقی کی ہے اور کیا کرنا باقی رہ گیا ہے۔

ابتدائی تعلیم

ابتدائی تعلیم کو اگر ہم پہلے لیں تو معلوم ہوگا کہ سنہ ۱۸۸۶-۸۷ء میں ابتدائی مدارس میں

مسلمان طلباء کی مجموعی تعداد ۴۰۰۵۰۹۴ تھی اور کل طلباء ۲۳۸۱۲۱۷ تھے یعنی مسلمان ۱۸
فی صدی تھے۔ تعداد سنہ ۱۹۱۶ء میں ۵۴۸۰۹۰۳ تک پہنچ گئی ہے اور تمام طلباء ۳۰۴۸۸۱۴
ہیں۔ اگرچہ مسلمان طلباء کا تعداد میں اضافہ بڑھ کر ہوا ہے لیکن ان کی تعداد فیصدی کچھ ہی
زیادہ یعنی ۱۸ فیصدی ہے۔ ظاہر ہے کہ اہل اسلام نے تیس سال کے عرصے میں فقط اپنی پوزیشن
قایم رکھی ہے اور جو اضافہ ہوا ہے وہ نسبتاً اسی قدر ہے جو اور قوم کے افراد نے اپنی تئیں
حاصل کیا ہے۔ لیکن اگر یہ اعداد اس لحاظ سے دیکھے جائیں کہ مسلمان طلبا کی نسبت کل تعداد
طلبا سے وہی ہے جو مسلمانوں کی کل آبادی کی دیگر اقوام کی تعداد سے ہے تو نتیجہ تسکین
بخش ہے۔ برٹش ہندوستان میں مسلمانوں کی تعداد تقریباً ۶ کروڑ ہے اور اگر اسکول میں
جانے کے قابل بچوں کی تعداد ۱۵ فی صدی ہو جیسا کہ شمار کی گئی ہے تو اسکول کے جانے
والے بچوں کی مجموعی میزان ۹۰ لاکھ ہونی چاہئے اس میں سے فقط ۱۳۱۰۰۰۰ لڑکے برٹش
ہندوستان کے ابتدائی مدارس میں پڑھتے ہیں اور باقی ۲۹۰۰۰۰۰ بچے ایسے رہ جاتے
ہیں جو جہالت میں نشو و نما پاتے اور تعلیمی سایہ سے بالکل محروم رہتے ہیں۔ میں اب آپ سے
یہ سوال کرتا ہوں کہ یہ غریب بچے بڑے ہونے پر کس قسم کے مسلمان بنیں گے جو اپنی مادری
زبان کی۔ الف۔ بے۔ تے سے بھی واقف نہیں اسکول جانے والے بچوں میں سے
فقط ۱۵ فیصدی بچے اپنی مادری زبان میں پڑھے لکھے ہوں گے اور ۸۵ فی صدی محض جہالت
میں نشو و نما پائیں گے۔ میں معترف ہوں کہ مسلمانوں کے والدین اس صورت حالات کے
ذمہ دار نہیں ہیں۔ اس ملک میں پرائمری مدارس کی تعداد بہت کم ہے۔ ممکن ہے کہ جو والدین
اپنے بچوں کو ابتدائی تعلیم دینا چاہتے ہیں ان کو حصول مقصد کے لئے سہولت میسر نہیں
آتی۔ یہ مسلم امر ہے کہ تمام شایقین ابتدائی تعلیم کے حصول مدعا کے لئے مدارس کی تعداد میں
اضافہ کرنا پڑے گا۔ یہ امر موجب مسرت ہے کہ جناب لارڈ ولنگڈن کے عہد حکومت میں
یکم اگست سنہ ۱۹۱۸ء کو من جانب گورنمنٹ بمبئی حسب ذیل اعلان در بارہ ابتدائی تعلیم کیا

۔۔۔۔۔ ڈسٹرکٹ لوکل بورڈ کی صورت میں بہت کچھ ترقی کی ضرورت ہی اور گورنمنٹ کا منشاء ہی۔۔۔۔۔ کہ آنریبل مسٹر اپسانی کی قرارداد قبول کرے جس میں سرکار سے استدعا کی گئی ہی کہ ہر ایک گاؤں میں جس کی آبادی ایک ہزار یا اس سے زیادہ ہو حتی المقدور ایک ابتدائی مدرسہ کھولا جاوے یہ اول قدم ہی جو گورنمنٹ دیہاتی مقامات میں ابتدائی تعلیم کی ترویج کی خاطر لینا چاہتی ہی۔۔۔۔ جب وقت تمام دیہات میں جن کی آبادی ایک ہزار یا اس سے زیادہ ہی مدارس قایم ہو چکیں گے تو سرکار دوسرا قدم اٹھانے کی کوشش کریگی۔ تاکہ اُن دیہات میں بھی جنکی آبادی پانسو نفوس یا زائد ہو ایک ایک ابتدائی درسگاہ بنائے۔ ایسے دیہات جنکی آبادی ایک ہزار یا اس سے زائد ہو کل ایکہزار ایکسو چالیس اور جہاں تاحال مدارس موجود نہیں ہیں اور ایسے دیہات جنکی آبادی ایک ہزار اور پانسو نفوس کے درمیان ہی اور جہاں مدارس نہیں ہیں تین ہزار چار سو ہی آنریبل مسٹر اپسانی کے ریزولیشن پر عمل درآمد کرنے کے بعد دوسرا قدم ان ۳۴۰۰ دیہات میں کم از کم ایک ابتدائی مدرسہ بنانے کے واسطے اُٹھایا جائیگا گورنمنٹ کا منشا یہ نہیں ہی کہ اسکے بعد اور کچھ نکریں۔ جائے رہائش۔ ساز و سامان اور ضروری بندوبست استادوں کے ٹرین کرنے کے لئے خاطر خواہ طور پر مہیا کرنے کے بعد جس پر گورنمنٹ غور کر رہی ہے گورنمنٹ کا ارادہ یہ ہے کہ مدارس کی تعداد میں متواتر اضافہ کیا کرے۔ میرا مقصد یہ ہے کہ میں کھلے الفاظ میں اس امر کو بیان کر دوں کہ گورنمنٹ اس مسئلہ پر غور کر رہی ہے کہ ہر ایک گاؤں میں جہاں کافی تعداد طلبار کی جمع ہو سکے ایک ایک اسکول کھولدے

ظاہر ہے کہ اس صوبہ کی گورنمنٹ ابتدائی تعلیم کے لئے وسیع پیمانہ پر سہولتیں بہم پہنچانے کا ارادہ کر چکی ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ ابتدائی تعلیم کے مسئلہ پر کشور ہند کے تمام صوبجات میں غور کیا جا رہا ہے اور یہ مصیبت کہ بعض والدین کافی سرمایہ مہیا نہیں کر سکتے اور اپنے بچوں کو ابتدائی تعلیم نہیں دے سکتے تھوڑے عرصے میں گئی گذری بات ہو جاوے گی میں امید کرتا ہوں کہ مسلمان بچوں کے والدین ان مزید سہولتوں سے مستفید ہونے کی کوشش کرینگے اور اسکو بخوبی یاد رکھیں گے کہ اپنے بچوں کو کم سے کم مادری زبان کی تعلیم دلانا اُن کا فرض ہے۔

ثانوی تعلیم

اب ہم ثانوی تعلیم سے بحث کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ اس صیغہ میں مسلمانوں کی کیا حالت ہے۔ ۸۷-۱۸۸۶ عیسوی میں ثانوی مدارس میں ۴۴۲۰۷ مسلمان لڑکے پڑھتے تھے اور ۱۷-۱۹۱۶ عیسوی میں یہ تعداد بڑھ کر ۱۰۲۳۹۲ تک پہنچ گئی ہے۔ ان اعداد سے ہی ترقی کا پتہ چلتا ہے۔ مگر مجموعی مردم شماری کا لحاظ رکھتے ہوئے وہ بہت ہی کم ہیں ثانوی مدارس میں حاضر ہونے والے مسلمان طلباء اور ایسے مدارس میں جانے والے عمر کے مسلم طلباء کے باہمی وسیع فرق کو دکھانا نہیں چاہتا اس لئے کہ یہ توقع نہیں کیجا سکتی کہ ثانوی تعلیم پانے کے قابل ہر مسلمان لڑکا اسکول میں داخل ہی ہو۔ اسی طرح اس امر کی بھی توقع نہیں کیجا سکتی کہ ہر مسلمان انگریزی میں لکھ پڑھ ہی سکتا ہو۔ اس لئے اچھی قسم کا تقابل یہ ہے کہ مسلمان طلباء کا مقابلہ دوسری ہمسایہ قوموں کے طلباء کے ساتھ کیا جائے ۱۷-۱۹۱۶ء میں ثانوی اسکولوں میں تمام قوموں کے طلباء کی مجموعی میزان ۱۱۸۶۳۳۵ تھی اگر آبادی کی بناپر ۲۰ فی صدی مسلمانوں کی تعداد سمجھی جائے تو ثانوی مدارس کے مسلمان طلبا کی مجموعی تعداد ۲۳۷۲۶۰ ہونی چاہئے۔ درآں حالیکہ اصلی تعداد صرف ۱۰۲۳۹۲ ہے یعنی اصلی تعداد کی ۷۰ فی صدی اصل فرق اس سے بدرجہا زیادہ ہے اس لئے کہ مجموعی آبادی جس کی بنا پر ۱۱۸۶۳۳۵ کا شمار کیا گیا ہے اچھوت ذاتوں پر بھی مشتمل ہے جو ہند میں آباد ہیں اور جن کی محض ایک برائے نام تعداد ثانوی اسکولوں میں تعلیم پاتی ہے اس لئے ثانوی مدارس میں مسلمانوں کی تعداد اور دوسری اقوام کے طلباء کی تعداد کا باہمی فرق اور زیادہ ہو جاتا ہے ان اعداد سے ظاہر ہے کہ مسلمانوں کی ثانوی تعلیم کی صورت میں کس قدر کمی پوری کرنی ہے تاکہ اپنی ہمسایہ اقوام کے دوش بدوش چل سکیں۔

اعلیٰ تعلیم

جب کالج کی تعلیم کے بارے میں اعداد و شمار دیکھے جاتے ہیں تو یہ فرق اور نمایاں ہو جاتا ہے۔ ۱۸۸۶-۸۷ء میں ہندوستان کے تمام آرٹس کالجوں میں مسلمان طلبا کی مجموعی تعداد فقط ۳۴۶ تھی اور ۱۹۱۶-۱۷ء میں اس میں ایک قابل ذکر اضافہ ہوا ہے اور تعداد بڑھ کر ۴۹۲۱ تک پہنچ گئی ہے۔ یہاں پر میں پھر بھی کہوں گا کہ ترقی خاصی کر لی گئی ہے اور پوچھوں گا کہ کیا دوسری اقوام کی ترقی سے اسے کچھ نسبت ہو سکتی ہے؟ ۱۸۸۶-۸۷ء میں آرٹس کالجوں میں طلبا کی مجموعی تعداد ۸۰۰۶ تھی جو ۱۹۱۶-۱۷ء میں ۴۷۱۳۵ تک پہنچ گئی ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ جہاں مجموعی تعداد میں ۳۹۰۰۰ طلبا کا اضافہ ہوا ہے۔ وہاں مسلمانوں کی تعداد میں فقط ۴۵۰۰ کی بیشی ہوئی ہے۔ تعلیمی پستی کا دھبہ مٹانے کے لئے صرف اتنا ہی ضروری نہیں کہ جتنے زیادہ طلبا ہمسایہ قومیں کالجوں میں تعلیم پانے کے لئے بھیج رہی ہیں ہم بھی اسی نسبت سے زیادہ مسلمان طلبا بھیجیں بلکہ اس سے کہیں زیادہ تعداد میں طالب علموں کو کالجوں میں بھیجنا چاہئے تاکہ قدیمی کمی پوری ہو سکے۔ اگر اعداد اسی معیار کے مطابق جانچے جائیں تو حسب ذیل نتیجہ نکلے گا۔ ۱۸۸۶-۸۷ء میں اسی ۲۰ فی صدی تعداد کے مطابق کالجوں میں ۱۶۰۰ مسلم طالب علم ہونے چاہئیں تھے حالانکہ ان کی تعداد تقریباً ۳۵۰ تھی یعنی اس وقت [illegible] طلبا کی کمی تھی۔ ۱۹۱۶-۱۷ء میں تمام طبقوں کے طلبا کی مجموعی تعداد (جیسی کہ بیان کی جا چکی ہے) ۴۷۱۳۵ تھی یہاں بھی ۲۰ فی صدی آبادی کے اصول کے مطابق ۹۴۲۷ طلبا ہونے چاہئیں تھے حالانکہ موجودہ تعداد صرف ۴۹۲۱ ہے یعنی ۴۵۰۰ طلبا کی اب بھی کمی باقی رہ گئی۔ اگرچہ فی صدی کے مطابق مسلمان طلبا میں خفیف سی ترقی ہوئی ہے لیکن باہمی فرق پہلی نسبت زیادہ ہے۔ چونکہ اچھوت ذاتوں کی کروڑہا آبادی میں سے خال خال نوجوان آگے کالجوں میں تعلیم پا رہے ہیں اس لئے یہ تفاوت اور بھی زیادہ ہو جاتا ہے۔ ہماری قوم کہ صوبہ

...... کی کمی پوری کرتی ہے بلکہ مزید فرق کو بھی پورا کرنا ہے جو اچھوت خاتون کے میدان میں آنے کی وجہ سے پیدا ہو گیا ہے نیز اس مقام پر یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ حصول تعلیم میں ہماری ہمسایہ اقوام ہاتھ پر ہاتھ دھر کر نہیں بیٹھ گئیں۔ جو اعداد کہ دیئے جا چکے ہیں ان سے ان کے مستقل بتدریج ترقی کا پتہ لگ سکتا ہے جو ثانوی اور اعلیٰ تعلیم میں وہ برابر حاصل کر رہی ہیں اسلئے مسلمانوں کو نہ صرف فرق پورا کرنے کے لئے سر توڑ کوشش کرنی پڑے گی بلکہ نسبتاً زیادہ طلباء بھی بھیجنے پڑیں گے تاکہ دونوں شعبوں میں ایک معقول عرصہ کے اندر حسب دلخواہ ترقی ہو سکے۔

تعلیمی بیداری

یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ ہماری قوم فی الحقیقت اس کمی کو پورا کرنے کی سنجیدگی سے کوشش کر رہی ہے اور بعض شعبوں میں حتی الامکان جلد سے جلد ترقی کرنے کی سخت جدوجہد کی جا رہی ہے۔ بیشمار حلقوں میں بیداری کے آثار پیدا ہو گئے ہیں اور ہم میں سے بعض بہترین اشخاص نے جو تعلیم کی طرف توجہ مبذول کرنی شروع کر دی ہے۔ وہ مستقبل کے لئے اچھی علامت ہے۔ آل انڈیا ایجوکیشنل کانفرنس بتدریج اپنے مشن کو پورا کر رہی ہے جو اس نے ۴۰ سال قبل اپنے ذمہ لیا تھا اور ہندوستان کے مختلف اقطاع سے اتنے قابل اور ماہر تعلیم اشخاص کی موجودگی موجودہ اجلاس کانفرنس کی کامیابی کا پورا ثبوت ہے اور اس سے آیندہ کے ترقی کی بھی امید بندھتی ہے۔ اس لئے یہ بالکل مناسب موقع ہے کہ ہم آپس میں ان تجاویز پر غور کریں جو ہمارے جائز مقاصد کے حصول کے لئے ضروری ہیں تاکہ مسلمان تعلیم اور تہذیب کے لحاظ سے زیادہ بلند ہوں اور ملک کی پبلک لائف میں اپنی جائز پوزیشن حاصل کرنے کے قابل ہو سکیں۔

کسی قوم یا ملت نے صرف گزشتہ عروج کے افتخار سے دوبارہ کمال حاصل نہیں

ہماری قوم نے ہمیشہ ایام امن میں بہت بڑی ترقی کی اور صدیوں تک معراج کمال ان کے دست تصرف میں تھا۔ کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی ہے کہ زمانہ حاضرہ کے اہل اسلام اپنا مستقبل ایسا ہی شاندار بنانے سے قاصر رہیں عظیم الشان ماضی ہمارے دل کو شکستہ نہیں کر سکتی بلکہ اس کو ہماری ہمت افزوں کرنا چاہیے۔ اگر زمانہ حاضرہ کے مسلمان اپنے مذہب اور گزشتہ عروج سے سبق لیں اور قوم کی اعلیٰ ترقی کے لیے سعی عاقلانہ کریں تو یقیناً وہ راستہ ہموار کر سکیں گے اور متاخرین کے اجتہاد کے واسطے عمدہ نظیر چھوڑ جائیں گے تاکہ وہ اصل مقصد حاصل کر سکیں۔ زمانہ موافق نظر آرہا ہے۔ عرصہ دراز تک امن کے قیام کے آثار نمایاں ہیں مسلمانان ہند حقیقتاً خواب سے بیدار ہو کر مشغول جد و جہد ہیں۔ علی گڑھ میں قیام مسلم یونیورسٹی کے تحریک نے ایک موقع پر بہت بڑا جوش پیدا کیا تھا اور متعدد انقلابات کے بعد یہ خبر سنکر مجھے نہایت خوشی ہوئی ہے کہ یہ مسئلہ ایک مستقل درجہ تک پہنچ گیا ہے اور یونیورسٹی کے قیام کی غرض سے عنقریب قانون وضع ہونے والا ہے۔ مجوزہ یونیورسٹی تعلیم و تحقیق کا وسیع میدان شایقین کے لئے بہم پہنچائیگی۔ اور بہی خواہان قوم کے واسطے سب قسم کی سہولتیں مہیا کرے گی۔ اس دور بین اور وطن پرست کا منصوبہ جس نے اپنی زندگی قوم میں تعلیم پھیلانے کی غرض سے وقف کر دی تھی یعنی سر سید احمد خاں کی مراد آج بر آنے والی ہے۔ ہز اگزالٹیڈ ہائینس حضور نظام والئی دکن نے جو علم کے بڑے مربی ہیں ایک یونیورسٹی حیدرآباد میں قایم کی ہے۔ تمام کشور ہند میں عمدہ کالجوں اور اسکولوں کے بنانے کی تحریک جاری ہے۔ یہ تمام آثار حقیقی ترقی کے ہیں دیکھنا یہ ہے کہ ہماری قوم کے افراد ان سہولتوں سے کیا فائدہ اٹھائیں گے۔

مذہبی تعلیم

مسلمان بچوں کے والدین اپنی اولاد کی مذہبی تعلیم کو بیجا طور پر اہمیت کی نگاہ سے

دیکھتے ہیں یہ بجا ظاہر ہے کہ مختلف اقوام کو مذہبی تعلیم کا اپنے آپ بندوبست کرنا [illegible]
یہ توقع نہیں رکھی جا سکتی ہے کہ گورنمنٹ عام سرکاری مدرسوں میں اس قسم کی تعلیم کا
بندوبست کرے بعض مقامات میں قرآن کریم کی تعلیم کا انتظام اس غرض سے کیا گیا
ہے کہ مسلمانوں کے بچوں کے دلوں میں ابتدائی تعلیم کی رغبت پیدا ہو۔ اس رعایت کے
ہم عین مشکور ہیں اور ہم کو معلوم ہے کہ اس کی وجہ سے ابتدائی مدارس کے مسلمان طلبہ
کی تعداد میں اضافہ بھی ہوا ہے تاہم یہ ماننا پڑے گا کہ رعایت مذکور کسی طرح سے کافی
نہیں ہے۔ ان بچوں کے والدین اس امر کے فطرتاً خواہاں ہیں کہ ان کی اولاد اصول مذہب
سے پورے طور پر واقف ہو۔ اس وضع کی تعلیم گھروں میں یا مسلمانوں کے خاص معابد میں
دی جا سکتی ہے۔ دوبارہ عرض ہے کہ سرکاری مدارس جن کی آبیاری خزانۂ عامرہ سے ہوتی
ہے مذہبی تعلیم دینے سے قاصر ہیں۔ چنانچہ لازم ہے کہ متعدد مسلم ہائی اسکول اور کالج
قلمرو ہند میں قایم کئے جائیں۔ قوم میں جو اشتیاق اصلی تعلیم کا علی گڈھ کالج نے پیدا کیا ہے
وہ اسی قسم کے اور معابد قایم کرنے والوں کے لئے ہمت افزا ہے۔ ہم سب کو سلطانیہ
کالج کے قیام کی تجویز کا خیر مقدم کرنا چاہئے۔ ہر ہائینس بیگم صاحبہ بھوپال نے اپنے
طویل عہد حکومت میں مسلمانوں کی تعلیم کے مسئلہ کی ہمیشہ تائید کی ہے اور یہ عین مناسب
ہے کہ یہ کالج آپ کے محترم اسم سے نامزد ہو۔ کیا ہی اچھا ہو اگر تجویز مذکور جلد معرض شہود
میں آئے اور علی گڈھ ثانی کی ملک کے ایک اور حصہ میں بنیاد قایم ہو۔ صوبہ بمبئی کے
مسلمانوں نے ترویج تعلیم کے لئے روپیہ فراہم کرنے میں کوتاہی نہیں کی ہے ہم سب
کو ہز ہائینس سر آغا خاں کا شکریہ ادا کرنا چاہئے کہ آپ کی تحریک دربارہ قیام مسلم
یونیورسٹی اس قدر ثمر ور ثابت ہوئی کہ اس صوبہ سے ایک گرانبار رقم دستیاب ہوئی
آپ سب کو علم ہے کہ سر محمد یوسف صاحب نے آٹھ لاکھ روپیہ کی کثیر رقم [illegible]
میں ایک مسلم کالج بنانے کے لئے عنایت فرمائی ہے۔ آپ کی توجہ اس [illegible]

بھی مبذول کرنا چاہتا ہوں کہ سر فاضل بھائی کریم بھائی نے تین لاکھ روپیہ کی بڑی رقم ایک ہائی اسکول پونہ میں قایم کرنے کے لئے دی ہے بعض اور طریقوں سے تعلیم کی ترویج جاری ہے لیکن ان کا ذکر اس موقع پر بے سود ہے۔ فقط اس قدر عرض کرنا کفایت کریگا کہ تعلیم کے بارے میں وہ بیداری جس کا تذکرہ پیشتر کر چکا ہوں قوت سے عمل میں مبدل ہو چلی ہے اور روز افزوں ترقی ہو رہی ہے۔ یہ امید بیجا نہیں ہے کہ وہ کمی جو اعداد و شمار سے ظاہر ہے اس وسیع بیداری کے طفیل پوری ہو جائے گی اور یہ کہ اہل اسلام نہ صرف تعلیمی پس ماندگی کے دھبّہ کو اپنے دامن سے دور کر سکیں گے بلکہ تمام تعلیمی امور میں علم بردار نظر آنے لگیں گے۔

ہند کے مسلمانوں کی تعلیمی ترقی کے مسئلہ پر جو کچھ میں نے غور کیا ہے اس نے مجھے جتا دیا ہے کہ مسلمانان ہند کس قدر اقتصادی پستی میں گرفتار ہیں۔ ہماری قوم میں بہتیرے شوقین طلبا ہیں جو بصد اشتیاق تدریس جاری رکھنا چاہتے ہیں لیکن ناداری سے تعلیم چھوڑنے پر مجبور ہیں۔ مجھے کامل اعتماد ہے کہ اگر قابل طلباء کی مالی امداد کے واسطے ایک اسکیم مرتب کی جائے اور وظائف کی صورت میں یہ امداد معقول طریقہ سے دی جائے تو قوم کی تعلیمی حالت بہت کچھ سدھر سکتی ہے۔ میں جانتا ہوں کہ چندہ جمع کرنا کس قدر مشکل ہے آپ صاحبان کو معلوم ہے کہ ہم سب کو کیا کیا ضروریات بہم پہنچانا لازم ہیں اور اگرچہ فیاض اشخاص نیک کاموں کے لئے ہمیشہ روپیہ دینے کو تیار پائے گئے ہیں تاہم ممکن ہے کہ کافی سرمایہ جمع نہ ہو سکے۔ ہمیں ناامید نہ ہونا چاہئے۔ ہر ایک صوبہ میں بہتیرے اوقاف ہیں جن کی کثیر آمدنی ہے جب میں نے اس صوبہ میں اوقاف کی نسبت قانون وضع کرنے کی تحریک شروع کی تھی تو مجھے تحقیق خبر معلوم ہوئی تھی کہ صرف شہر بمبئی میں مسلمانوں کے اوقاف کی سالانہ آمدنی ۲ کروڑ روپیہ سے زائد ہے اور اس کا کثیر حصہ بیکار پڑا رہتا ہے۔ بفرض اگر یہ اعداد مبالغہ آمیز ہیں پھر بھی اس سے عیاں

ہے کہ اوقاف کی آمدنی کا کس قدر روپیہ تمام سرزمین ہند میں موجود ہے اور اگر اس کا قلیل حصہ بھی قوم کی تعلیمی ترقی میں خرچ کیا جائے تو بہت سی مالی رکاوٹیں فوراً دور ہو جائیں گی۔ ہمارے مذہب کی رو سے تعلیم سے زیادہ اور کونسا عمل ثواب کا مستحق ہے اور کیا چیز اوقاف کے آمدنی کی مسلمانوں کی تعلیم سے زیادہ حقدار ہے ؟ یقیناً درسگاہیں بنانا اور جاری رکھنا اور مسلمانوں کو حصول تعلیم میں مدد دینا خواہ دینی تعلیم ہو یا دنیوی بموجب حدیث مصطفوی صدقہ اولیٰ ہے اور بہترین عبادت باری تعالیٰ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ایک انجمن اس غرض سے قایم کی جائے کہ اُمنا اوقاف سے التماس کرے اور اُن کو اگر تمام آمدنی نہیں تو کم از کم اس کے ایک حصہ کو مسلمانان ہند کی تعلیم کے مینے میں خرچ کرنے کے لئے آمادہ کرے۔ اگر اس بارہ میں تھوڑی سی بھی کامیابی حاصل ہوگئی تو مسلمانوں کی راہ تعلیم سے ایک سدّ عظیم کسی قدر دُور ہو سکے گی۔

ٹاٹا کے وظائف

وظائف کے زمرے میں آپ کی توجہ اس اسکیم کی طرف منعطف کرنا چاہتا ہوں جس کی بابت چند سال ہوے کہ ہز ہائینس سر آغا خاں اور اور احباب سے میں نے تذکرہ کیا تھا۔ کسی قوم کی پستی دور کرنے کے واسطے ایثار اور خدمت کی سچی اسپرٹ ہونا ہر فرد بشر میں لازم ہے اور اس کو ہر طرح سے اُبھارنا ضروری ہے۔ تاہم ہمکو انسانی فطرت کا لحاظ رکھنا ہوگا۔ اکثر طلبا ان پیشوں کو پسند کرتے ہیں جن میں آمدنی زیادہ ہے۔ اس لئے قرین مصلحت ہے کہ ایک ایسی تجویز اختراع کی جاوے جس میں دونوں خوبیاں ہوں یعنی قوم کی اعلیٰ خدمت اور عالموں کے لئے معقول معاوضہ۔ میری رائے میں ٹاٹا کی اسکیم جو اعلیٰ تعلیم کے وظائف سے تعلق رکھتی ہے ان دونوں فوائد سے مملو ہے۔ مجھے علم نہیں کہ آپ صاحبان میں سے اکثر اُن اصول سے واقف ہیں جن پر یہ اسکیم مبنی ہے اور

معلوم ہوتا ہے مگر اُس کے نمایاں خط و خال کا اس موقع پر ذکر کروں مسٹر جمشید جی ٹاٹا
نے جو عالی دماغ شخص تھا ایک اسکیم مرتب کی تاکہ ہونہار نوجوان تکمیل تعلیم کے لیے یورپ
جایا کریں اور مختلف پیشوں اور پبلک میں اعلیٰ عہدوں کی قابلیت حاصل کریں اس غرض سے
اس نے بہت بڑی رقم علیحدہ جمع کی اور اُس کے امین منجملہ دیگر اصحاب کے اس صوبہ
کے صیغۂ تعلیم کے سربرآوردگان کو مقرر کیا۔ امنا و وقف کا فرض ہے کہ تمام گریجوایٹوں
کی عرائض جانچیں جو اُن صیغوں میں ملازمت کرنے کے خواہاں ہیں جن کی بھرتی
انگلستان میں ہوتی ہے یا کسی علمی کاروبار میں مشغول ہونا چاہتے ہیں۔ چونکہ انتخاب کرنے
کے لئے تعداد بہت قلیل ہے اس لئے قابل ترین گریجویٹ منتخب کئے جاتے ہیں اور
اُن کو وظائف دیے جاتے ہیں۔ انگلستان بھیجنے سے پہلے اُن کا قرار واقعی طبی معائنہ
ہوتا ہے۔ وظیفہ کی مقدار معقول ہو اُن کی ضروریات کے لئے کافی ہے اور یہ تعلیم کا
خرچ اُن کو قلیل شرح سود پر قرض دیا جاتا ہے۔ انگلستان میں ٹاٹا کے وظائف پانے
والوں کی نگرانی کے لئے ناظر مقرر ہیں۔ جو وقتاً فوقتاً اُن کی تعلیمی ترقی کے نسبت خبر بھیجتے
رہتے ہیں اور اُن کو روپیہ بھی وہی ادا کرتے رہتے ہیں۔ ان تین سالوں کی تعلیم کا خرچ
(اور اس قدر قیام انگلستان قابلیت حاصل کرنے کے لئے لازم ہے) مع خرچ آمد و رفت تعلف
کی آمدنی سے ادا کیا جاتا ہے اور ان کو بطور قرض دیا جاتا ہے۔ ہندوستان میں واپس آنے
کے بعد اور روپیہ کمانے پر اصل رقم معہ سود بحساب تخمیناً چار روپیہ فیصدی معقول اقساط
میں واپس کرنا ہوتا ہے۔ اگرچہ قانون کے رو سے روپیہ کی ادائیگی جائز رکھنے کی کوشش
کی جاتی ہے لیکن منشا یہ نہیں ہے کہ مقروض پر مقدمہ چلایا جائے۔ یہ بات اس پر چھوڑ دی
جاتی ہے کہ وہ عزت نفس کا لحاظ رکھتے ہوئے جب ممکن ہوگا روپیہ معقول اقساط میں ادا
کر دے گا۔ اِس پر کوئی جبر نہیں کیا جاتا۔ بلکہ اس کی ہر طرح پر امداد کی جاتی ہے کہ اگر اسنے
کوئی اس طرح کی لائن پسند کی ہے تو وہ اپنے علمی پیشے میں نام حاصل کرلے اور مستحکم ہو جائے

یہ پالیسی اس عقیدہ پر مبنی ہے کہ وہ طالب علم جس نے فنڈ مذکور کی وساطت سے تعلیم اور اعلیٰ قابلیت حاصل کی ہے نہ صرف قرض ادا کرنے کے لئے تیار ہوگا بلکہ فنڈ کی مزید امداد کرے گا جس نے اس کی اس درجہ دستگیری کی ہے۔ اسکیم مذکور عرصہ سے اجرا پذیر ہے اور دوربین بانی کی تمام امیدیں پوری ہو چکی ہیں۔ بہتیرے طلبا تعلیمی اعزاز حاصل کرنے کے بعد ہندوستان واپس آچکے ہیں بعض امپیریل سروس مثل انڈین سول سروس وغیرہ میں ملازمت حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں اور بعض نے علمی پیشوں میں دسترس حاصل کی ہے۔ تمام کی حالت نہایت عمدہ ہے اور اس بانی کے حق میں دعائے خیر کرتے ہیں جس کی دانش اور دہش کے ذریعے ان کو بہبودی نصیب ہوئی۔ مجھے ایک شخص کی بھی ایسی مثال نہیں ملی ہے جس نے کل اصل رقم مع سود واپس نہ دے دی ہو۔ بلکہ تعجب ہوگا اگر ان میں سے بعضوں نے جو اپنی ملازمت یا پیشہ میں خاص طور پر کامیاب ہوئے ہیں کچھ زاید روپیہ بھی فنڈ مذکور میں نہ دیا ہو۔ امید ہی کہ آپ صاحبان محسوس کریں گے کہ یہ کار خیر کیسے دنیاداری کے طریقوں کے مطابق جاری ہے فنڈ پر بغیر بوجھ ڈالے ہوئے روز بروز ان طلبا کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے جو اس سے مستفید ہوتے ہیں۔ اصل رقم جو ٹاٹا نے علیحدہ جمع کی تھی اس سود کے اضافہ سے جو قرض کی ادائیگی پر ملتا ہے برابر بڑھتی چلی جا رہی ہے اور ممکنات سے ہے کہ وظائف کی تعداد میں اضافہ کیا جائے ان تمام فوائد کا بار خرچ جو طلبا حاصل کرتے ہیں انہی کے دوش پر رہتا ہے۔ اصل رقم لگاتار بڑھ رہی ہے اور کچھ عرصہ میں کثیر مقدار تک پہنچ جائے گی۔ یہ تمام روپیہ بہت زیادہ طلبا کے قابلیت حاصل کرنے اور بہتر شہری بنانے میں برابر صرف ہوتا رہے گا۔

صاحبان۔ مجھے اعتقاد کلی ہے کہ کشور ہند کے ہر ایک صوبہ میں اس قسم کے فنڈ کا قیام اس سہولت کو بہم پہنچا دے گا جس کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے واسطے اہل علم

بہت ضرورت محسوس کر رہے ہیں۔ اسکیم مذکورہ بالا کے جزئیات میں ایسی تبدیلیاں
کرنا ضروری ہیں جو ہماری قوم کے حالات کے مناسب ہوں۔ وظائف مثل ٹاٹا اسکیم کے
گریجویٹ ہونے کے بعد نہیں دینا ہوں گے بلکہ میٹرکولیشن یا ہائی اسکول لیونگ امتحان
پاس کرنے کے بعد۔ اس تبدیلی کے فوائد عیاں ہیں مالی اور دیگر اسباب کی وجہ سے بہت
سے مسلمان طلبا کالجوں میں تعلیم حاصل کرنے سے قاصر ہیں۔ اور ادنیٰ امتحان میں کامیاب
ہونے کے بعد اگر وظائف دیے جائیں گے تو اُن کو تحصیل تعلیم برابر جاری رکھنے کے لئے
قرار واقعی امداد ملے گی مزید فائدہ یہ ہوگا کہ اسنا رو قت طلبا کی نگرانی کالج میں تعلیم حاصل
کرنے کے وقت کر سکیں گے اور دریافت کر لیں گے کہ انتخاب سے بیشتر جو علمی فضیلت کی
امید طلبا نے دلائی تھی برابر قایم رہی ہے اور رہ سکتی ہے ڈگری حاصل کرنے کے بعد
آخری انتخاب بدیں نظر کیا جائے گا کہ طالب علم یورپ یا کسی اور ملک بھیجا جائے اور
اس موقع پر فیصل ہوگا کہ اس مخصوص طالب علم کا انتخاب اولیٰ برقرار رکھا جائے۔ دوسری
تبدیلی کا تعلق سرمایہ کے اسراف سے ہے ہر صوبہ میں یہ فیصلہ کرنا بھی لازمی ہوگا کہ اصل
رقم واپس لی جایا کرے یا فنڈ کے ازدیاد کی غرض سے کچھ زیادہ رقم طلب کی جائے
میری رائے میں کوئی نقصان عظیم نہیں ہوگا اگر اس زائد رقم کی ادائیگی جو ٹاٹا کی اسکیم
کے مطابق بحساب ۴ روپیہ فیصدی لی جاتی ہے طلبا پر چھوڑ دی جائے مجھے یقین ہے
کہ طالب علم کا احساس آبرو اس کو مجبور کرے گا کہ حتی الامکان اس فنڈ کو روپیہ واپس
دے جس کی بدولت آج اس درجہ کو وہ پہنچا ہے۔ یہ قاعدہ بھی وضع کرنا ہوگا۔ کہ
وظائف تعلیم صنعت وحرفت کے لئے بھی دیے جایا کریں۔ تجویز کے جزئیات کی نسبت
مفصل بحث لازمی نظر نہیں آتی ہے مجھے یقین ہے کہ اگر اس قسم کا فنڈ قایم کیا
جائے تو ہر ایک صوبہ میں ایسے قواعد وضع کئے جا سکیں گے جو اس کے مناسب
حال ہوں۔

اِس قسم کی تجویز کا ایک اور عمدہ نتیجہ یہ ہے کہ کثیر التعداد طلبا میں وظیفہ حاصل کرنے کے لئے قابلیت پیدا کرنے کی تحریک ہوتی ہے۔ جو امتحان میں نے تجویز کیا ہے وہ میٹرکولیشن یا ہائی اسکول لیونگ امتحان ہے۔ فقط یہ امر کہ وظائف حاصل کنندگان کو روپیہ بقدر ضرورت ہندوستان کے کالجوں میں حصول تعلیم کے لئے دیا جائے گا اور ڈگری کا امتحان پاس کرنے کے بعد ممالک غیر میں جانا ہوگا محرک اشتیاق پایا جائے گا اور ہائی اسکولوں میں بیش از بیش طلبا داخل ہوا کریں گے۔ مسلمانان ہند میں ترویج تعلیم انگریزی کے لحاظ سے یہ کچھ کم فائدہ نہوگا اور ممکن ہے کہ اس کے ذریعہ سے کالجوں میں بھی زیادہ طالب علم داخل ہونے لگیں۔ سامعین یقیناً آپ مجھ سے اتفاق کریں گے کہ خواہ تجویز مذکور کے یہ تمام فوائد میسر آئیں یا نہ آئیں اس قسم کے وقف کا مسلمانان ہند میں اعلیٰ تعلیم پھیلانے کی غرض سے محض قایم کرنا بے انتہا مفید ہے۔

مذہبی تعلیم کے ضمن میں میں اشارہ کرچکا ہوں کہ علی گڑھ جیسے ہائی اسکول کالج علاوہ ہند کے مختلف اقطاع میں قائم کرنا مناسب ہوگا۔ ان میں تمام اقوام کے طالبعلم داخل ہوسکیں گے اور وہاں مسلمان طلبا کو ضروری مذہبی تعلیم بھی دی جایا کرے گی اور ان میں مثل علی گڑھ کالج کثیر التعداد طلبا پڑھا کریں گے۔ ان تجاویز کے پیش کرنے کے وقت میں یہ امر فراموش نہیں کرچکا ہوں کہ ان سب کا اجرا روپیہ پر مبنی ہے بہت سی اہم تجویزیں مسلمانوں میں تعلیمی ترقی پیدا کرنے کے لئے بیان کی جاسکتی ہیں لیکن سب میں دشوار مسئلہ مالی مسئلہ ہے۔ یہ دو طرح حل ہوسکتا ہے: اول تو ہر طرح کی کوشش کرنی چاہئے تاکہ خیراتی اوقاف کی کثیر آمدنی قوم کی تعلیمی ضروریات مہیا کرنے میں صرف ہوا کرے۔ اس کا ذکر میں پیشتر بھی کرچکا ہوں اور آپ کا بیش قیمت وقت تقریر مضمون سے ضائع نہیں کرنا چاہتا ہوں۔ دوم سرگرم کوشش کرنا

چاہیے کہ اعلیٰ تعلیم کے محاسن کو بغیر بگاڑے ہوئے اس کے خرچ میں کمی ہو۔ موجودہ حالات میں اعلیٰ تعلیم نہایت گراں ہے اور اچھا ہوگا اگر ہم سوچیں کہ آیا اس کے اخراجات اس قدر کم ہو سکتے ہیں کہ ان کی مقدار معقول ہو جائے۔ اس ذمرے میں آپ کی توجہ اس طرف مبذول کرنا چاہتا ہوں کہ اہل ہنود نے اس مسئلہ کو کس طرح حل کرنے کی کوشش کی ہے۔ عرصہ ہوا کہ پونہ کے چند پرجوش اشخاص نے اعلیٰ تعلیم کے مسئلہ کو حل کرنے کا عزم کیا۔ ہماری طرح اُنہوں نے محسوس کیا کہ سرزمین ہند کی ترقی مغربی علوم کی وسیع اشاعت سے وابستہ ہے اور خدمت و ایثار کے زریں اصول کی بنا پر ایک تجویز اختراع کی اُنہوں نے ایک انجمن تعلیم قایم کی اور اُسکی رکنیت کی ایک شرط یہ قرار دی کہ ہر ایک ممبر کم سے کم پندرہ سال قلیل مشاہرہ پر تعلیم کی ترویج میں صرف کرے گا۔ جوش اس درجہ موجزن ہوا کہ بعض قابل گریجویٹ اصحاب نے دنیوی ترقی کو جو اُن کے قبضے سے دور نہ تھی خیرباد کہہ کر انجمن میں شامل ہو گئے۔ اس طریقہ سے وہ پروفیسروں اور لکچراروں کے کثیر مصارف یک قلم غائب ہو گئے اور عوام الناس میں بھی اعلیٰ تعلیم کی مقدرت پیدا ہو گئی۔ ہند کی تعلیمی ترقی کے واسطے اس خلوص نفس سے خدمت کرنا امداد اور پسندیدگی سے کب محروم رہ سکتا تھا؟ متمول اشخاص نے ان محبان وطن کی مالی امداد کی۔ چنانچہ اس امداد اور گورنمنٹ کے معطیات نے آج صوبہ بمبئی میں پونہ کو اعلیٰ علمی مرکز بنا دیا ہے۔ فرگوسن کالج ایثار نفس اور تعلیمی ترقی کی جیتی جاگتی یادگار ہے۔ پونہ ایجوکیشن سوسائٹی کے لئے یہ امر تسلی بخش ہے کہ ان کے اعلیٰ اصول عمل اور اشخاص کی نگاہوں میں بھی مستحسن ثابت ہو رہے ہیں اور اس کے قیام کے بعد کئی اور انجمنیں انہیں قواعد کے مطابق بنائی جا چکی ہیں تاکہ اعلیٰ تعلیم کا حلقہ اثر وسیع ہو سکے مجھے مطلع کیا گیا ہے کہ اس شہر میں بھی اسی طرح کی ایک سوسائٹی بنائی گئی ہے اور اس کی مساعی جمیلہ کے نتائج ایک ہائی اسکول اور سورت کالج ہیں۔

ان محبان وطن پر صد آفریں جنہوں نے مادر ہند کی ملی بہبودگی کے لئے اپنی زندگی نثار کردی کیا یہ توقع بے جا ہے کہ تعلیم یافتہ مسلمان اُن کی تقلید کریں اور ترویج تعلیم کی غرض سے انجمنیں قایم کریں؟ نہیں ہرگز نہیں! مجھے اعتماد کلی ہے کہ اگر ان سے اپیل کی جاوے گی تو کافی گریجویٹ یہ کام اپنے ذمہ لے لیں گے اور کم سے کم ایک ایسی انجمن فی صوبہ قایم ہو سکے گی۔ یقیناً آپ اعتراف کریں گے کہ مختلف اضلاع ملک میں اس قسم کی انجمنوں کا قیام شوق تعلیم کے لئے تازیانہ کا کام دے گا اور قوم کی تعلیمی ترقی پر عمدہ اثر ڈالے گا کیا میں جرات کر سکتا ہوں کہ آپ صاحبان سے اس مسئلہ پر اپنے اپنے صوبہ واپس جانے کے بعد غور کرنے کے لئے درخواست کروں اور کیا میں استدعا کر سکتا ہوں کہ آپ ان کے قیام کے لئے اپنے رسوخ کو کام میں لائیں ان انجمنوں کے قیام میں فوری کامیابی کے چند خاص وجوہ ہیں مسلمانوں ہند امور تعلیم سے اندنوں میں خاص کر دلچسپی رکھتے ہیں۔ ہماری قوم میں بہتیرے گریجویٹ ہیں جن میں پبلک کی خدمت بجالانے کی اسپرٹ اڈر ہی ہے۔ اُن کو صرف ایسے مواقع کی ضرورت ہے جہاں وہ ملک کی خدمت کرسکیں۔

اس سے زیادہ کیا مفید کام ہے کہ وہ زندگی کا بہترین حصہ تعلیم و تعلم میں صرف کریں بس فقط یہی وجوہ نہیں ہیں تعلیم یافتہ مسلمانوں کے اس اپیل کے قبول کرنے کا ایک اور خاص سبب ہے۔ کیا حضرت رسالت پناہ علیہ صلواۃ اللہ نے ہمیں درس تدریس کی نصیحت نہیں کی ہے؟ حدیث مصطفوی دوبارہ سناتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ جو شخص علم سکھاتا ہے گویا زکوٰۃ دیتا ہے اور جو شخص اس کو حقیقی معنوں میں صرف کرتا ہے عبادت خدا میں مشغول رہتا ہے۔ مجھے ہرگز شبہ نہیں ہے کہ اگر تعلیم یافتہ مسلمانوں سے اپیل کی جاوے کہ وہ خلوص نفس سے مذہب اور حب وطن کی خدمات بجالائیں تو وہ کبھی انکار کریں گے۔

جب ایسی انجمنیں قایم ہو جائیں گی تو مسلمانوں میں اعلیٰ تعلیم کی رفتار تیز ہو جائیگی۔ جو سرمایہ بصد کوشش جمع کرنا پڑتا ہے اس میں معتد بہ کمی ہو جائیگی۔ گورنمنٹ بھی سالانہ اور غیر مقررہ امداد دیگی جو بڑی حد تک حاجت روا کر سکتی ہے۔ آپ کو مطلع کر چکا ہوں کہ گورنمنٹ بمبئی نے ابتدائی تعلیم کی تعمیم کے بارہ میں جو پالیسی اختیار کرنا منظور کی ہے اس کا اعلان کر دیا ہے ثانوی تعلیم کی ترویج کا مسئلہ بھی زیر غور ہے کچھ عرصہ ہوا کہ ایڈیڈ کالجوں کو جس شرح سے مدد دی جاتی تھی اس پر نظر ثانی ڈالکر اس کو ترمیم کیا ہے اور اب زیادہ مقدار میں امداد ملا کریگی۔ اس امداد اور تعلیمی انجمنوں کے قیام سے یقیناً مسلمانوں کا مسئلہ تعلیم حل ہو سکتا ہے ہمیں جان توڑ کوشش کرنیکا عزم کرنا چاہیئے اور مردانہ وار ہمت کر کے کسی کی مدد کی توقع نہیں رکھنی چاہیئے۔ اگر ایسا ہوا تو بلاشبہ ہماری قوم میں علم ایسا ہی تارہ بن کر چمکے گا جیسا کہ سلف میں درخشاں تھا۔

حضرات! مزید طول کلام سے آپ کے صبر و تحمل کا امتحان لینا میرا مقصد نہیں ہے میں آپ صاحبوں کا ممنون و مشکور رہوں کہ آپ نے نہایت صبر سے میری تقریر کو سنا ہے۔ اب میں جملہ صاحبان سے جو قوم کے حقیقی بہی خواہ ہیں اپیل کرتا ہوں کہ آپ عزم بالجزم کریں کہ علم اور روشنی کے واسطے آپ اپنی جانیں لڑا دیں گے۔ اگر ہم ارادہ کر لیں کہ بغیر دوسرے کی امداد کے اپنا مقصد خود حاصل کریں گے تو اس اصول کے مطابق مسئلہ تعلیم کو بآسانی حل کر سکتے ہیں۔ ہم میں سے ہر ایک فرد بشر احیاء علوم کے نیک کام میں ہاتھ بٹا سکتا ہے جو متمول ہیں روپیہ دیکر حصول مدعا میں بڑی مدد دے سکتے ہیں بعض نصیحت اور تمثیل سے مدد کر سکتے ہیں جن کو یہ توفیق حاصل ہے وہ تعلیمی انجمنوں میں شامل ہو کر اپنی زندگی کا بہترین حصہ قوم کی بہبودگی کے لئے وقف کر سکتے ہیں۔ ان سب سے بڑھ کر یہ امر ہے کہ اگر کوئی شخص ان طریقوں سے مدد نہ کر سکتا ہو تو وہ اپنی اولاد کو مذہبی اور دنیوی تعلیم دے سکتا ہے تاکہ جہالت کا پردہ قوم کے منہ سے اٹھ جائے۔ مسلمانو! خدا عزوجل سے دعا مانگو کہ وہ ہر ایک مومن کو توفیق خدمت و ایثار بخشے تاکہ ہم سب قوم کی ترقی اور بہبودی کے نیک کام میں اپنی زندگی گزاریں۔ آمین!

صاحب صدر جب انگریزی زبان میں خطبہ صدارت سنا چکے، جس کو حاضرین نے کمال دل چسپی اور سکون کے ساتھ سنا اور جابجا نعرہائے مسرت کے ساتھ دل چسپی کا اظہار کیا، تو مسٹر عبد الحافظ صاحب باکلفہ نے ایڈریس مذکور کے ضروری حصّے اُردو زبان میں مطبوعہ اُردو ترجمہ سے پڑھ کر سنائے۔

اس کے بعد سب سے پہلے ہز اکسلینسی گورنر صاحب بمبئی کا ٹیلیگرام صاحب صدر نے پڑھ کر سنایا جس کا ترجمہ ذیل میں درج ہے۔

"بخدمت صدر اجلاس آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس سورت

مہربانی سے میرے اس تاسف کا اظہار حاضرین جلسہ سے کیجئے کہ میں آپ کی اہم مجلس تعلیمی کی شرکت سے معذور رہوں۔

ایسے زمانہ میں جبکہ دوسری اقوام ہند کے دوش بدوش مسلمان بھی نظام حکومت کی زیادہ وسیع ذمہ داریوں میں شریک ہونے والے ہیں ان کی تعلیم کا مسئلہ ایک خاص اہمیت رکھتا ہے پیروان اسلام کا علوم وفنون کی ترویج میں جو نمایاں اور ممتاز حصّہ رہا ہے اس کی یاد تمام مسلمانان ہند کے لئے اپنی قومی تعلیم کے ذرایع وسیع کرنے کے مہتم بالشان کام کی غرض سے باعث ترغیب ہونا چاہئے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ کی کارروائیوں کا نتیجہ ہندوستان میں مسلمانوں کی تعلیمی ترقی اور بہبودی پر مترتب ہوگا۔ (گورنر بمبئی)"

علاوہ ازیں دیگر اکابر بلیہ قوم مثلاً عالی جناب سالار جنگ بہادر حیدرآباد دکن کے تار پڑھ کر سنائے گئے جس میں کانفرنس کے ساتھ ہمدردی اور جلسہ کی کامیابی کی خواہش کا ذکر تھا۔

اِس قدر کارروائی کے بعد پہلا جلسہ ختم ہوا۔

کانفرنس گزٹ

حصّہ دوم

اخلاقی تعلیم

ماہرینِ فنِ تعلیم نے اِس فنِ شریف کو تین بڑے شعبوں میں تقسیم کیا ہی یعنی ذہنی تعلیم اور جسمانی تعلیم، اور اخلاقی تعلیم۔ اور یہ شعبے ایک دوسرے پر اس طرح موقوف و مبنی تصور کیے جاتے ہیں کہ کسی ایک کو باقی پر ترجیح دینا فلسفہ تعلیم کا معرکۃ الآرا مسئلہ رہا ہی۔ یونان کے نصاب تعلیم کا پلہ جسمانی ورزش اور آزمائی سپہ گری و تکمیل کو دکی طرف اسقدر جھکتا رہا کہ ذہنی و اخلاقی تعلیم سے اگر قطعاً بے اعتنائی نہیں کی گئی تو اُن کو دوسرے درجہ کی شے سے زیادہ بھی نہ سمجھا۔ روؔمۃ الکبریٰ، ذہنی تربیت اور فنونِ لطیفہ کی تحصیل و تکمیل کا اسقدر گرویدہ رہا کہ اُس کو اپنے صحتِ بدن اور درستیِ اخلاق کا ہوش بھی نہیں رہا۔ عصرِ جدید نے کمال بلند آہنگی سے اخلاقی تعلیم کی حمایت شروع کی ہی۔ ہربارٹ، پسٹالوزی، روسو، لاک اور دیگر اساطینِ فنِ تعلیم متفق اللفظ ہیں کہ تعلیم کا مقصود بالذات تہذیب اخلاق اور تزکیہ نفس ہی اور بس اُن کے نظریات بہت کچھ قوت

سے فصل میں آ چکے ہیں۔ چنانچہ انگلستان میں ڈاکٹر آرنلڈ نے اس نکتہ کو سب سے پہلے سمجھا اور اسکول کے قواعد وضوابط کی پابندی، بورڈنگ ہاؤسز کی رہائش مدرسہ کی انجمنوں اور کھیلوں کی شرکت کے ذریعہ، طلباء میں باہمی میل جول، مروت و محبت، ہمدردی و وفاداری، پابندیٔ اوقات اطاعت وغیرہ کے صفات پیدا کرنے کی کوشش کی۔ لیکن براہِ راست اخلاقی تعلیم کے متعلق کوئی کارروائی نہیں کی۔ ہاں اتوار کے دن گرجا کی حاضری طلباء کے لیے لازمی تھی۔

بیسویں صدی کے آغاز میں انگلستان کے بورڈ آف ایجوکیشن نے اخلاقی تعلیم پر خاص طور سے زور دیا اور اس کا نتیجہ اخلاقی تعلیم کا وہ نصاب ہے جو "مارل انسٹرکشن لیگ" انجمن تعلیم اخلاق کی اسپیشل کمیٹی نے مدید غور و خوض کے بعد تیار کیا ہے۔ اس کو ہم آیندہ مناسب موقع پر درج نظر کریں گے۔

فی زمانناروئے زمین کی تمام متمدن اقوام میں اخلاقی تعلیم نصابِ تعلیم کا عنصر غالب ہے۔ فرانس میں ۱۸۳۳ء و ۱۸۵۰ء میں اخلاقی و مذہبی تعلیم کی نسبت حکومت نے سخت قوانین نافذ کیے اور ۱۸۸۲ء میں اخلاقی و مدنی تعلیم کو فرانسیسی حکومت نے تمام مدارس پر سختی کے ساتھ فرض کر دیا۔ ہفتہ میں اتوار کے علاوہ ایک یوم اور مذہبی تعلیم کے لیے دیا جا سکتا تھا۔ لیکن اس کا انتظام طلباء کے سرپرستوں کا بار دوش تھا، گورنمنٹ کو اس سے کچھ سروکار نہ تھا، یہ شاید اخلاقی تعلیم اور مذہبی تعلیم کی باہمی جدائی کا سب سے پہلا قدم تھا۔

جرمنی کے پروفیسر اس کے خلاف اخلاق اور مذہب کی باہمد گر پیوستگی، گوشت و ناخن کی پیوستگی سے کم نہیں سمجھتے۔ درسی کتب کے صفحات میں مذہب کی علانیہ جھلک نظر آتی ہے۔ مدارس کا ضابطہ (ڈسپلن) بعض ناقدینِ فن کے نزدیک حد سے زیادہ سخت اور ناقابلِ برداشت ہے۔ لیکن اس میں جو کچھ غلو ہے وہ تربیتِ اخلاق کی رعایت سے ہے۔

سوئٹزرلینڈ اور ڈنمارک کو بھی اخلاقی تعلیم میں نہایت انہماک ہے اور اس معاملہ میں بالکل جرمنی کے نقشِ قدم پر چل رہے ہیں۔

امریکہ کا نصب العین چونکہ جمہوریت ہے، لہذا اسکول میں سیاسی تعلیم کو جائز تصور کرتے ہیں۔ اور ایک کامیاب شہری (سٹی زن) کے جو اندر خصوصیات ہونا چاہئیں! ان کے پیدا کرنے کا دوران تعلیم میں خاص اہتمام کیا جاتا ہے۔ تاکہ آیندہ زندگی کے پیچیدہ و پُر وزن فرائض بہ احسن وجوہ انجام دے سکیں۔

آسٹریلیا میں محکمہ تعلیمات نے اخلاقی تعلیم کا ایک مفصل نصاب تدوین کیا ہے، اس کے حسبِ مقامات اگر ضرورت ہوئی تو آیندہ کسی محل پر نقل کریں گے۔ آسٹریلیا کے تمام مقامات میں دیگر مضامین کے ساتھ اخلاقی اسباق بھی التزام کے ساتھ ہوتے ہیں۔

جاپان میں اخلاقی تعلیم کی داغ بیل اس شاہی فرمان سے پڑتی ہے جو ۱۸۹۰ء میں نافذ ہوا تھا اس میں درستیِ اخلاق پر بہت زور دیا گیا ہے۔ اس مقام پر فرمانِ مذکور کی نقل طوالت کے خوف سے قلم انداز کی جاتی ہے۔ جو لوگ جاپانیوں کی خصلت اُن کی اطاعت گزاری اور شاہ پرستی سے واقف ہیں وہ صحیح اندازہ کر سکتے ہیں کہ ایک جاپانی کے نزدیک شاہی فرمان اور حکم خدا میں کس قدر باریک حد فاصل ہے۔ چنانچہ جاپان نے اوّلاً کمال شفقت کے ساتھ چین کے معلم اخلاق کنفیوشس کی تصانیف کو حفظ کیا بعدازاں جب یورپ نے اخلاقی جواہر ریزے نہایت ارزاں قیمت پر فروخت کرنا شروع کر دیے تو جاپان نے اپنے جیب و دامن بھر لینے میں ذرہ برابر توقف نہیں کیا۔ آج جاپانی کتب خانوں میں اخلاقی تعلیم پر وافر لٹریچر موجود ہے اور مکاتب میں اخلاقی تعلیم مستقل اسباق کے ذریعے نہایت سرگرمی سے دی جاتی ہے۔

دنیا کا یہ اخلاقی خاکہ ہے جو اوپر کھینچا گیا۔ افراد کے پہلو سے قطع نظر کر کے اگر حکومت کے نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو صاف ظاہر ہوگا کہ اخلاقی جد وجہد کے اندر حکومت کے ذاتی اغراض پوشیدہ ہیں۔ حکومت کی نیکنامی و بدنامی زحمت و مشکلات اور سہولت کارملازمین کے دم سے ہے اگر ان کے اخلاق درست نہیں تو اس کا خمیازہ خود حکومت کو اُٹھانا پڑتا ہے۔ رشوت ستانی، دغابازی جعلسازی، غیبت، ظلم، مذلی، کاہلی، غفلت۔ یہ اس قبیل کے صدہا رذائل کا سرچشمہ

کیا ہے؟ اخلاقی تعلیم کا فقدان:-

اِسی وجہ سے حکومتوں نے رعایا کی اخلاقی تعلیم میں گہری دلچسپی لی ہے جس کا سطور بالا میں اجمالاً ذکر کیا گیا۔ لیکن کسقدر افسوس ناک بات ہے کہ ہندوستان کے مدارس کا نصاب اخلاقی تعلیم سے قطعاً عاری ہے۔ یوں ضمناً اسکول کے قواعد کی پابندی یا آپس کے میل جول سے مروت دہمدردی یا اطاعت وفرماں برداری یا مثل اِن کے دو ایک صفتیں پیدا ہو گئیں تو ان سے کیا ہوتا ہے، جب تک تمام فضائل کی فی نفسہٖ اچھائی اور تمام رذائل کی فی نفسہٖ برائی کا انکشاف روز روشن کی طرح ذہن پر نہ ہو جائے۔ جب تک اخلاق کی مجموعی تہذیب اور سیرت کی کما حقہٗ درستی نہ ہولے اُس وقت تک یہ حیوان ناطق اِس قابل نہیں سمجھا جاسکتا کہ حکومت کے جلیل القدر مناصب اور نازک ذمہ داریاں اس کے سپرد کی جائیں۔

ہماری گورنمنٹ اس سب کے جواب میں اختلاف مذہب کا عذر پیش کرتی ہے۔ اسکولوں کی دفعہ بندی، عیسائی، مسلمان، ہنود، پارسی وغیرہ وغیرہ مذاہب کے لڑکوں سے ہوتی ہے۔ پھر کس طرح اخلاقی تعلیم کامیابی کے ساتھ دی جاسکتی ہے؟

اِس عذر کی بنا اصلاً اس غلط فہمی پر ہے کہ اخلاقی اور مذہبی تعلیم ایک شے ہے۔ حالانکہ خالص اخلاقی تعلیم جدا شے ہے صداقت وکذب، رحم وبے رحمی، انصاف وظلم، کفایت، اسراف، ادب، بے ادبی، مستعدی وکاہلی، فضائل ورذائل کی ایک ایسی فہرست ہے جو ہر مذہب وملت میں مشترک ہے۔ اور ان پر اخلاقی اسباق مرتب کیے جاسکتے ہیں اور بلا وساطت مذہب یہ سبق طلبا کو دیئے جاسکتے ہیں۔

جرمنی میں ڈاکٹر ڈنیل پروفیسر دینیات (یونیورسٹی جینا) کے اثر سے مذہبی تعلیم کا بڑا زور شور رہا اور وہاں کے اکثر اساتذہ مذہب سے علیحدہ اب بھی اخلاقی تعلیم کے سخت مخالف ہیں۔ مسٹر اسپر جنرل سکرٹری "بین الاقوامی انجمن اخلاق" جب جرمنی تشریف لے گئے تھے تو اُن سے اس موضوع پر جرمن پروفیسوں سے بہت بحث رہی۔ سکرٹری موصوف خالص اخلاقی

تعلیم یعنی بلا وساطت مذہب کے حامی ہیں چنانچہ وہاں کے حالات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

"جن لوگوں سے میں ملا اُن میں ایک مثال بھی ایسی نہ تھی جس کو اصولاً یہ تسلیم نہ ہو کہ اخلاقی تعلیم مذہب کے وساطت کے بغیر دی جا سکتی ہے جب میں نے اس مسئلہ پر تفصیلی بحث کی اور اُن کو بتایا کہ انگلستان کی انجمن تعلیم اخلاق کا منشا اس طور کی تعلیم سے کیا ہے اور مذہب کے ذریعہ تعلیم اخلاق میں کتنا وقت ضایع ہوتا ہے۔ اخلاق کا کسقدر قلیل حصہ معرض بیان میں آسکتا ہے۔ مذہبی اسباق میں اصل اخلاقی تعلیم کے لیے کسقدر کم وقت بچتا ہے۔ انجیل میں جن تمدنی حالات کے جابجا تذکرہ ہیں وہ سب ہماری موجودہ تمدن سے کسقدر مختلف ہیں۔ اور کسقدر ضروری ہے کہ بچوں کے اندر محض نیکی کے جذبات ہی پیدا کر کے نہ چھوڑ دیئے جائیں بلکہ ان اکثر التعداد اور پیچیدہ مشکلات کا کہ جن کا ان کو آیندہ زندگی میں مقابلہ کرنا پڑیگا صحیح تصور دلایا جائے۔ اِس سے انکار نہیں کہ مذہبی تعلیم سے اخلاقی تعلیم کو مدد و قوت پہنچتی ہے (لیکن اوّل الذکر پر زور دینا اور آخر الذکر کو نظر انداز کرنا غلطی ہے) اِس گفتگو کے بعد میں نے دیکھا کہ کوئی معترض ایسا نہیں تھا جو خالص اخلاقی تعلیم کی آزمایش کے لیے آمادہ نہو گیا ہو اور بعض نے تو صاف صاف اقبال کیا کہ واقعی اخلاقی تعلیم مدارس کے نصاب میں ایک نہایت مُفید اضافہ ہے۔" (بین الاقوامی تعلیم و تربیت اخلاق پر رپورٹ جلد دوم صفحہ ۲۲۴)۔

ہر شخص جس کو ہندوستانی مدارس کا تجربہ ہے جانتا ہے کہ ان کی حالت ناگفتہ بہ ہے۔ انسپکٹر کے آفس سے آئے دن طویل فہرستیں آتی رہتی ہیں جو مدرسہ کے کم عمر مجرمین کے ناموں سے

سیاہ ہوتی ہیں اور جن میں معمولی گستاخیوں سے لے کر نہایت شرمناک جرائم کا ارتکاب و داخل
سزا مذکور ہوتی ہے جن کو خوش قسمتی سے اِن دردناک سرکاری کاغذات دیکھنے کا اتفاق نہیں
ہوتا ہے، وہ کم سے کم اخبارات میں سخت سے سخت جرائم کا اقدام اور قانون شکنی طلبا کی جانب
منسوب ہوتے ہوئے ضرور پڑھتے ہونگے۔

محکمۂ تعلیمات ممالک متحدہ کی پنج سالہ رپورٹ میں ہم پڑھتے ہیں:-

”اس میں شک نہیں کہ اکثر کم و بیش سنگین اخلاقی لغزشیں ظہور میں آتی ہیں لیکن خلاف
توقع نہیں کی جا سکتیں۔ بعض اوقات اس امر کی شکایت پہونچی ہے کہ ہندوستانی طالب علم
پہلا سا مؤدب و فرماں بردار نہیں رہا۔“

اِس موضوع پر ایک انسپکٹر لکھتا ہے:-

”جن لوگوں کو تعلیم ہند کا تجربہ اِس قدر ہے جس قدر کہ مجھے یعنی ایک پشت کا۔ وہ
ہندوستانی طالب علم کی اخلاقی حالت کی تبدیلی پر تاسف کیے بغیر نہیں رہ سکتے۔ طالب علموں
میں پہلی سی اطاعت و فرماں برداری اور تہذیب نہیں پائی جاتی۔ عقلمند والدین اس کا سبب
ہمارے مدرسوں کے ”دہری“ و غیر مذہبی تعلیم کو قرار دیتے ہیں لیکن میں اس فیصلہ سے اختلاف
کرتا ہوں۔ میرے خیال میں اس کی ذمہ داری رفتار زمانہ پر عاید ہوتی ہے اور یہ ایسا مضمون
ہے جس پر تفصیل کے ساتھ بحث کرنا مناسب نہیں معلوم ہوتا۔“

سرکاری کاغذات کے دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ منحوس سنہ ۱۹۰۶ء میں ۱۰۱ قیدی ۱۶ برس
سے کم عمر کے تھے۔ بد اخلاقی کے ایسے عبرتناک سین کے اسباب آخر کیا ہیں؟-

سر رولٹ کی رپورٹ اور بنگال کے ڈائرکٹر تعلیمات کی سالانہ رپورٹ متعلق
سنہ ۱۹۰۵ء سے ظاہر ہوتا ہے کہ انارکسٹ جماعت نے مدارس کی زمین ممبر بھرتی کرنے کے حق
میں نہایت زرخیز پائی۔ چنانچہ سڈیشن کمیٹی کی رپورٹ کے نقشہ (۱۲) میں ہم دیکھتے ہیں کہ بنگال
میں پولیٹکل جرائم کے مرتکبین میں طلبا کی تعداد سب سے زیادہ ہے۔ یعنی ۶۸ جب کہ دیگر پیشہ

کی تعداد مقابلۃً نہایت قلیل ہے۔

کیا ہندوستانی مدارس کی یہ اخلاقی حالت ابھی اسقدر ردی نہیں ہے کہ اس کی اصلاح کی جانب توجہ کی جائے؟ کیا اس کا انتظار ہے کہ یہ بداخلاقیاں طبیعت ثانیہ بنکر بالکل لاعلاج ہو جائیں؟ اگر ایسا نہیں ہے تو کیا وجہ ہے کہ طلبا کی اخلاقی تربیت سے اس قدر غفلت کی جائے؟

اِن امور کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہم گورنمنٹ عالیہ سے بصد ادب التجا کرتے ہیں کہ سرکاری مدارس میں اخلاقی تعلیم کو انگلستان کی "مارل انسٹرکشن لیگ" (انجمن تعلیم اخلاق) کے نقشۂ عمل کے مطابق رواج دیا جائے۔ اخلاقی اسباق پر رسائل جو انجمن مذکور کی طرف سے شایع ہوئے ہیں ہندوستان کے مناسب حال حذف و اضافہ کے بعد کام میں لائے جائیں۔

اب ہمارا خطاب پبلک کی جانب ہے۔ ممکن ہے بعض ناظرین مذہب کے بغیر اخلاقی تعلیم کے خلاف ہوں اور مذہب کو اخلاقی تعلیم کا ضروری جزو سمجھتے ہوں۔ ہم اُن کے اس اعتقاد کی مخالفت نہیں کرتے بلکہ ہماری صلاح ہے کہ جو مدارس اپنے زیر اختیار ہیں اس میں دینیات کا کورس لازمی کیا جائے۔ مذہبی تعلیم دی جائے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا سرکاری مدارس میں یہ ممکن ہے؟

علاوہ بریں فلسفۂ اخلاق کے عالم، سقراط کے معتقد بہ خوبی جانتے ہیں کہ تعلیم اخلاق کی آخر منزل یہی ہے کہ فضائل کی ذاتی خوبی، اور رذائل کی ذاتی بدی اس حد تک دل نشین ہو جائے کہ بھلائی سے رغبت اور بُرائی سے نفرت ایک فطری فعل بن جائے۔

آیندہ نمبر میں اخلاقی سبق کا نمونہ انشاء اللہ پیش کش ناظرین کیا جائے گا۔ اِس کے دیکھنے سے صحیح اندازہ ہو جائے گا کہ اخلاقی سبق سے ہماری کیا مراد ہے اور اِس کے بعد اُن کے دل میں جو وساوس و شکوک ہونگے امید ہے کہ رفع ہو جائینگے۔ (باقی آئندہ)

ظفر حسین خاں
گورنمنٹ ٹریننگ کالج، لکھنؤ

ہندوستان میں ترقیِ تعلیم

گزشتہ پانچ سال کی رفتارِ تعلیم یعنی ابتدائی و ثانوی مدارس کالجوں، طلبہ اور سائر توجہات تعلیم کے متعلق ذیل کے اعداد و شمار (جو سرکاری روئدادوں سے مقتبس ہیں) حامیانِ تعلیم کے لیے ضرور دلچسپی کا باعث ہونگے۔

گزشتہ پانچ سال میں کالجوں کی تعداد میں ۴ فی صدی ، ثانوی مدارس میں ۲۰ فی صدی اور ابتدائی مدارس میں ۱۵ فی صدی اضافہ ہوا ہی۔ اسی عرصہ میں طلبا کی تعداد کالجوں میں ۱۶ فی صدی، ثانوی مدارس میں ۲۰ فی صدی اور ابتدائی مدارس میں ۱۰ فیصدی بڑھ گئی ہی۔ جنگ کے شروع ہونے سے قبل ایک سال یعنی ۱۳-۱۹۱۲ء کے مقابلہ میں کالجوں کی تعداد ایک فی صدی کم ہو گئی ہی اور ثانوی و ابتدائی مدارس کی تعداد علی الترتیب ۱۲ اور ۸ فیصدی بڑھ گئی ہی۔ علیٰ ہذا القیاس طلبہ کی تعداد کالجوں میں ۲۴ فی صدی ثانوی مدارس میں ۱۰ فیصدی اور ابتدائی مدارس میں ۵ فی صدی بڑھی ہی۔

علاوہ ازیں ترقی تعلیم کا اندازہ غیر سرکاری اور امدادی پرائیویٹ و پبلک مدارس کی حالت کے مطالعہ سے بھی ہو سکتا ہی۔ گزشتہ پانچ سالوں میں "گورنمنٹ" اور بورڈوں کے مدارس کی تعداد میں علی الترتیب ۷، ۱۰ اور ۴۰ فی صدی کا اضافہ ہوا ہی۔ امدادی درسگاہیں ۱۲ فی صدی بڑھ گئی ہیں لیکن غیر امدادی مدارس ۲ فی صدی کم ہو گئے ہیں جس کی ایک وجہ یہ بھی ہی کہ اِن میں سے امدادی مدارس کے زمرہ میں شامل ہو گئی ہیں۔

گزشتہ پانچ سال میں مختلف اقوامِ ہند میں ترقی کی رفتار مختلف رہی ہی بیروانِ مذہب نے سب سے زیادہ نمایاں ترقی حاصل کی ہی۔ پارسیوں نے (۱) سب سے کم۔ بدھ طلبہ کی تعداد میں ۲۳ فی صدی۔ یورپین اور انگلو انڈین حضرات کی تعداد طلبہ میں ۲۲ فی صدی۔ ہندوستانی عیسائیوں اور مسلمان طلبہ کی تعداد میں مساوی طور پر ۱۷ فی صدی اور ہندو طلبہ کی تعداد میں

[illegible] آمدنی سے اونچے گا [illegible]

[illegible]

مسلمانانِ پنجاب کی تعلیمی حالت

ذیل میں چند اعداد "زندہ دلانِ" پنجاب کی تعلیمی حالت کے متعلق درج کیے جاتے ہیں۔ اس سے اندازہ ہوگا کہ باوجود اس سرگرمی اور جدوجہد کے جو تقریباً نصف صدی سے تعلیمی ترقی کے بارہ میں کی جا رہی ہے صوبہ پنجاب میں ہماری کیا حالت ہے اور تعلیم کے میدان میں ہمیں کیا کچھ کرنا باقی ہے۔

صوبہ کی آبادی میں ہماری نسبت تقریباً ۵۵ فیصدی ہے۔ تعلیم کے مختلف شعبوں میں جو اوسط ہے وہ مندرجۂ ذیل اعداد سے ظاہر ہوگا۔

	اوسط فیصدی
۱- پرائمری - (ابتدائی)	۴۲
۲- مڈل	۳۳
۳- ہائی	۲۸
۴- کالج	۲۴

ہندو اور سکھ برادرانِ وطن کے مقابلہ میں ہماری قوم کے طلبا کی تعداد [illegible] ذیل کے نقشہ سے معلوم ہوگی۔ اور یہ بھی ظاہر ہوگا کہ بہ نسبت سال [illegible] میں ہماری کیا حالت ہے۔

نام امتحان	سنہ ۱۹۱۶ء — تعداد کامیاب طلبہ	سنہ ۱۹۱۶ء — مسلمان	سنہ ۱۹۱۸ء — تعداد کامیاب طلبہ	سنہ ۱۹۱۸ء — مسلمان
ایم اے	۴۳	۷	۵۶	۱۲
ایم ایس سی	۱۴	۱	۱۴	۱
بی اے	۵۲۴	۸۵	۶۳۰	۱۷۶
بی ایس سی	۳۱	۲	۵۳	۳
بی ایل	۶۹	۹	۸۴	۱۰
ایم بی	۱۶	۱	۲۲	۱
بی ٹی	۴۰	۱۳	۵۳	۱۸
میزان	۲۳۷	۱۱۸	۹۱۱	۲۲۱

ثانوی تعلیم کے اعداد بھی خوشگوار آئندہ نتیجہ ظاہر نہیں کرتے۔ گزشتہ سال میٹرکولیشن کا امتحان میں ۳۱۹۳ طلبہ کامیاب ہوئے۔ جن میں مسلمان طلبہ کی تعداد ۷۸۱ تھی یعنی ۲۴ فیصدی۔

اس سے زیادہ افسوسناک اور آئندہ ملکی و انتظامی تغیرات کے لحاظ سے خطرناک حالت ابتدائی تعلیم کی ہے۔ اوپر کے نقشہ سے واضح ہوگا کہ بمقابلہ سنہ ۱۶-۱۹۱۵ء کے سنہ ۱۷-۱۹۱۶ء میں تمام سرکاری و غیر سرکاری مدارس کے مسلمان طلبہ کی تعداد میں ۶۲۸۱ طلبہ کی کمی واقع ہوئی، بجائے کے ہندو اور سکھ طلبہ کی تعداد میں معتدبہ اضافہ ہوا۔ گویا مسلمانوں نے ترقی معکوس کی

قیاس کن زگلستان من بہار مرا

سرکاری رپورٹ اس تنزل پر کوئی روشنی نہیں ڈالتی۔ مسلمانوں کی پسماندگی کی

وجہ افلاس قرار دی جاتی ہے۔ اعلیٰ اور ثانوی تعلیم کا مانع افلاس ہو لیکن ابتدائی تعلیم کے لیے یہ وجہ قرار دینا واقعات اور حالات سے چشم پوشی کرنا ہے۔ اصلی سبب یہ ہے کہ قوم میں حصولِ تعلیم کا ولولہ اور جوش نہیں۔ قوم کے ذی اثر حضرات اور تعلیم یافتہ اصحاب کو اِلّا ماشاء اللہ اس طرف توجہ نہیں۔ اِس میں شبہ نہیں کہ صوبۂ پنجاب کے متعدد اضلاع میں اسلامیہ اسکول قائم ہیں اور وہ اپنے اپنے مقام پر مفید کام انجام دے رہے ہیں لیکن عام طور سے اُس کثیر التعداد طبقہ میں جس کی بدولت ہماری آبادی کی نسبت (۵۵) فیصدی تک پہنچتی ہے تعلیمی جدوجہد کی روح پہونچنے کا کوئی ذریعہ نہیں۔ کاش بزرگانِ پنجاب اِن حالات پر توجہ فرمائیں۔ ہر ضلع میں اشاعت تعلیم کے لیے لوکل کمیٹیاں قائم ہوں جن کا تعلق صوبہ کی انجمن یا کانفرنس سے ہو اور یہ کمیٹیاں اپنے اپنے ضلع میں مسلمانوں کو سرکاری و امدادی مدارس کی تعلیم سے فائدہ اُٹھانے اور حصولِ تعلیم میں جو موانعات ہوں اُن کے رفع کرنے کا انتظام کریں۔ اِس طرح اُمید ہے کہ چند سال کی جدوجہد سے مفید نتائج مترتب ہوں۔

(ایڈیٹر)

نمبر ۹ و ۱۰
جلد ۱

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دسمبر ۱۹۱۳ء و جنوری ۱۹۱۴ء

کانفرنس گزٹ

حصہ سوم

سائنس یا علوم جدیدہ

آنریری ایڈیٹر
شیخ فیروز دین مراد، ایم، ایس سی پروفیسر علم طبیعات علی گڑھ

فہرست مضامین

شذرات

(الف) مسلمان اور تعلیم سائنس

آج سے تین چار سال قبل مدرسۃ العلوم علی گڑھ میں طلبائے سائنس کی تعداد موجودہ تعداد سے بہت زیادہ ہوتی تھی۔ فرسٹ ایر کلاس (کالج کی پہلی جماعت) میں بالعموم پچاس ساٹھ طالب علم سائنس پڑھتے تھے۔ امسال اس جماعت میں صرف چالیس کے قریب طلبا کا داخلہ ہوا تھا اور موجودہ تعداد تیس سے بھی بہت کم ہے۔ پہلے تقریباً سو سوا سو عرضیاں فرسٹ ایر سائنس میں داخلہ کے لئے آتی تھیں اور ان میں سے پرنسپل صاحب انتخاب کر کے پچاس ساٹھ طلبا کو داخل کرتے تھے۔ اب حالت یہ ہو گئی ہے کہ ایک بھی عرضی نہیں کی گئی تاہم فرسٹ ایر میں طلبائے سائنس کی تعداد سابق سے نصف بلکہ اس سے بھی کم ہے فرسٹ ایر کلاس (سائنس) کی اہمیت عیاں ہے۔ اعلیٰ جماعات سائنس کی ترقی اور رونق تمامتر اسی پر ہے۔ یہ مثل بنیاد کے ہے جس پر مستقبل میں سائنس کی عمارت تعمیر کی جائے گی۔ بی۔ ایس۔ سی اور ایم۔ ایس۔ سی جماعات میں طلبا کی تعداد مستقل طور پر زیادہ جب ہی ہو سکتی ہے کہ ابتدائی جماعتوں میں نونہالانِ قوم جوق در جوق سائنس پڑھنے آئیں۔

طلبائے سائنس کی تعداد میں کمی کے دوش بدوش یہ امر قابل لحاظ ہے کہ ہمارے مرکزی قومی کالج کے معامل سائنس یعنی معملِ علم الطبیعات اور معملِ علم الکیمیا بفضلہ تعالیٰ ہر ایک حیثیت سے بہت اعلیٰ ہیں اور ہندوستان کی چیدہ لیباریٹریوں میں امتیاز کے ساتھ شمار کئے جا سکتے ہیں۔ کیا بلحاظ تعداد آلات اور کیا بلحاظ وسعت اور مکانیت کے ہمارے ہاں خدا کے فضل سے کوئی کمی نہیں ہے۔ اساتذۂ سائنس ملک کے بہترین پروفیسر اور سائنس داں ہیں بلکہ یہ کہنا بجا ہے کہ مسلمانوں میں ہمارے پروفیسرانِ فزکس و کیمسٹری سے بہتر پروفیسر ہندوستان بھر میں ملنے ناممکن ہیں۔ ڈاکٹر ولی محمد صاحب ایم۔ اے

[illegible]ڈی اور محمد حمید خاں صاحب بی، ایس، سی (الٰہ آباد و لندن و کیمبرج) مسلمانوں کی پس ماندہ قوم کے لئے مایۂ افتخار ہیں۔ پس اگر اساتذۂ سائنس کی قابلیت اور معامل کی آراستگی اور ہر ایک طرح سے قابلِ اطمینان حالت پر غور کیا جائے تو طلبائے سائنس کی حوصلہ شکن کمی بہت ہی افسوس ناک ہے۔ تمام ہی خواہانِ کالج اور حامیانِ سائنس کا فرض منصبی ہے کہ جہاں تک ممکن ہو نونہالانِ قوم کو مدرسۃ العلوم علی گڑھ میں داخل ہو کر تعلیم سائنس حاصل کرنے اور ان بیش از بیش آسائیوں سے متمتع ہونے کے لئے آمادہ کریں جو مدرسۃ العلوم کے معامل سائنس میں طلبا کو حصولِ تعلیم میں دی جاتی ہیں۔

ہماری سائنٹفک پس ماندگی یہیں تک محدود نہیں ہے۔ ابھی تک ہمارے ہاں سائنس کو ہر دلعزیز اور دلچسپ بنانے کی خاطر کوئی عملی وسائل اختیار نہیں کئے گئے۔ انفرادی کوششوں کو چھوڑ کر من حیث القوم ہم نے سائنس کے ہر دلعزیز بنانے کی طرف مطلقاً توجہ نہیں کی۔ ابھی تک کوئی سائنٹفک رسالہ اردو زبان میں شائع نہیں ہوتا۔ اطرافِ ہند میں کہیں بھی مباحثِ سائنس پر اردو میں دلپذیر پبلک لکچر نہیں دئے جاتے۔ مسلمانوں نے ابھی تک کسی سائنس داں کی بحیثیت ایک سائنس داں کے قدر افزائی نہیں کی۔ ہماری واحد تعلیمی کانفرنس کے سالانہ اجلاس میں بھولے سے بھی سائنس کا نام نہیں لیا جاتا۔ غرضیکہ طول و عرضِ ہند میں مسلمانوں کے ہاں کہیں بھی سائنس کا چرچا نہیں ہے۔ علمی تحقیقات اور صنعتی انکشافات کی توقع تو ابھی قبل از وقت ہے رونا تو یہ ہے کہ مستقبل میں بھی ان کے حصول کے لئے تیاری شروع نہیں کی گئی۔ تا وقتیکہ بہت سے مسلمان نوجوان مختلف ممالک یورپ سے سندِ تکمیل حاصل نہ کریں گے اور جاپان کی علمی اور صنعتی ترقی کا باستعجابِ نظر مطالعہ نہ کریں گے۔ مسلمان سائنٹفک تحقیقات اور صنعتی ایجاد و انکشاف کی گرم بازاری سے ہمیشہ تہیدست رہیں گے۔ گذشتہ دس بارہ برس میں صرف ایک مسلمان جرمنی اور انگلستان سے علم طبعیات میں منتہی بن کر آیا ہے اور صرف دو یا تین نوجوان

نے کیمسٹری کی تعلیم یورپ میں جاکر پایۂ تکمیل کو پہنچائی ہے۔ ریاضی ان دونوں علوم سے زیادہ خوش بخت ہے۔ علم الحیات (بیالوجی) میں جہاں تک ہمیں معلوم ہے صرف ایک مسلمان یورپ کا تعلیم یافتہ ہے۔

جب تک ہم اپنی اعلیٰ تعلیمی ضروریات کو خود پورا نہ کر سکیں گے یعنی جب تک ہم اپنے قدموں پر کھڑا ہونا نہ سیکھیں گے ہماری قومی درسگاہیں غیروں کی منت کش رہیں گی اگر ہم باوجود ایں ہمہ ادعائے ترقی اپنے گھر کو خود نہ سنبھال سکیں اور دوسروں کی مدد کے بغیر اپنے قومی مدارس اور کالج نہ چلا سکیں تو ہماری حالت واقعی قابلِ رحم ہے۔ اسلامیہ کالج لاہور نے ایک انگریز پرنسپل کی ماتحتی میں جس قدر نمایاں ترقی کی ہے وہ اس کی سابقہ ردی حالت کے مقابلہ میں عبرتناک اور حیرت انگیز ہے۔ اگر مسلمانوں میں بھی مسلّمہ قابلیت کے "اعلیٰ تعلیم یافتہ" اصحاب بکثرت موجود ہوتے تو ہمیں کم از کم معاملاتِ تعلیم میں غیروں کی احتیاج باقی نہ رہتی۔ چونکہ اس وقت یورپ علوم جدیدہ کا سرچشمہ تسلیم کیا جاتا ہے اور یورپ کی درسگاہیں ہماری درسگاہوں کے لئے نمونہ ہیں اس لئے "اعلیٰ تعلیم" کی تکمیل زائرِ یورپ بنے بغیر ممکن نہیں ہے۔ ہندوستانی یونیورسٹیوں کا قابل ترین تجربہ کار گریجوایٹ بالعموم کیمبرج یا آکسفورڈ کے نوآموز معمولی بی اے سے ہر حالت میں کیا بلحاظ استعداد علمی اور کیا بلحاظ انتظامی قابلیت کم پایہ خیال کیا جاتا ہے۔ پھر کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ قومی سرمایہ سے لایق اور ہونہار گریجوایٹوں کو وظائف دے کر تکمیل تعلیم کے لئے یورپ کیوں نہ بھیجا جائے۔ اگر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے خوابِ گراں کی کوئی عملی صورت ممکن ہے تو ابتدا اکا ہے کے لئے ہر سال اس کے وسیع سرمایہ اور جمع شدہ سود سے کم از کم پانچ آدمی آیندہ دس سال تک متواتر یورپ بھیجتے رہنا چاہیئے۔[1] اگر ان پچاس

[1] اگر یہ وظائف "ٹاٹا اسکیم" (برائے وظائف تعلیم یورپ) کے مطابق دئے جائیں یعنی وطنی معاینہ کے بعد طلبا کی زندگی کا بیمہ کرا لیا جائے اور باقاعدہ قانونی اقرار نامہ پوری رقم وظیفہ کی واپسی کے متعلق لکھوا لیا جائے تو یہ [illegible] اسلوب مدتوں ہماری قوم کی تعلیمی سیرابی کے لئے کفیل ہو سکتا ہے۔

...یوں کا انتخاب حال ہی سال سات کروڑ مسلمانوں کے بہترین نوشگفتہ دماغوں میں سے صحیح طور پر کیا جائے تو تعلیمی ترقی کی قوی اُمید ہو سکتی ہے۔ افسوس سے لکھنا پڑتا ہے کہ امسال مسلم یونیورسٹی ایسوسی ایشن کی طرف سے جو ایک مسلمان نوجوان علم کیمیا کی تعلیم کے لئے باہر بھیجا جانے والا تھا وہ بھی نہیں بھیجا گیا۔ جاپان نے اسی موثر طریق عمل سے محض چند سال میں یورپ سے جو کچھ سیکھنا ضروری تھا اپنے بہت سے ہونہار طلبا کو سکھلا کر کامل تعلیمی آزادی حاصل کر لی تھی اور اب وہ سائنس کے ہر ایک شعبہ میں یورپ کا مد مقابل ہے۔

(ب) انڈین سائنس کانگریس

کہنے کو تو یہ سائنس کانگریس "آل انڈیا انڈین" سائنس کانگریس ہے لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ اس کے کارکن اور سرگرم شرکا زیادہ تر انگلستان کے سپوت ہیں جو ہندوستان میں رہکر بھی اس ملک کے زہریلے اثرات سے موثر نہیں ہوتے۔ بایں ہمہ ہم اس کانگریس کو مادرِ وطن کی سائنٹفک ترقی کے لئے نیک فال سمجھتے ہیں۔ انگریزوں کے علاوہ جو زیادہ تر سرکاری ملازم ہوتے ہیں اور گورنمنٹ ہند کے مختلف سائنٹفک محکموں کے انچارج ہوتے ہیں ہمارے ہندو بھائی اس سائنس کانگریس میں کافی دلچسپی لیتے ہیں۔ ۱۹۱۶ء میں ہمیں اس کے تیسرے سالانہ اجلاس (منعقدہ لکھنؤ) میں شمولیت کا موقع ملا تھا۔ ہم بجا فخر کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ ہم اس اجلاس میں ایک کروڑ مسلمانان ہند کے نمایندہ تھے۔ کیونکہ کل تعداد مسلمان شرکاء کانگریس کی سات سے متجاوز نہ تھے (ان سات شرکاء میں سے چھ علی گڑھ کالج کے پروفیسران سائنس تھے)

انڈین سائنس کانگریس کا پہلا اجلاس ۱۹۱۴ء میں منعقد ہوا تھا۔ آج تک اس کے پانچ سالانہ اجلاس کلکتہ۔ مدراس۔ لکھنؤ۔ بنگلور اور لاہور میں منعقد ہو چکے ہیں چھٹا سالانہ اجلاس عنقریب ۱۰ جنوری ۱۹۱۹ء بمقام بمبئی منعقد ہونا تھا لفٹنٹ کرنل سر لیونارڈ راجرز سی آئی ای ایم ڈی آئی ایم ایس اس اجلاس کے صدر ہونے تھے۔ یہ کانگریس ایشیاٹک سوسائٹی

آف بنگال کلکتہ کا ایک جز متصور ہوتی ہے اس لئے اس کے متعلق تمام خط و کتابت انہی کی معرفت کی جا سکتی ہے۔ فیس ممبری پانچ روپیہ سالانہ ہے جس کے عوض میں کتب و رسائل اور رپورٹ سالانہ اجلاس مع دیگر اطلاعات متعلقہ کانگریس سیکرٹری کی طرف سے وصول ہوتی رہتی ہیں۔ برٹش ایسوسی ایشن لندن کی طرح انڈین سائنس کانگریس کے بھی مختلف سیکشن یعنی حصے ہیں جن میں عام اجلاس کے بعد مختلف شعبہائے سائنس کے متعلق مخصوص بحث ہوتی ہے اور قابل حضرات اپنی ذاتی تحقیقات کے نتائج پیش کرتے ہیں۔ ہم نہایت زور سے سفارش کرتے ہیں کہ تمام معلّمین سائنس ہر سال اس مفید علمی انجمن میں شریک ہوں تاکہ یہ انڈین سائنس کانگریس حقیقی طور پر "ہندوستانی سائنس سبھا" بن جائے۔

ایڈیٹر

"لاسلکی" یا بلاتار برقی پیغام رسانی

نوشتہ پروفیسر منہاج الدین صاحب

۱۔ تار برقی کے ستون تہذیب کے نشانات ہیں۔ جہاں جہاں ریلوے لائن ہے تار برقی کے ستون اُس کے ساتھ ساتھ قطار باندھے کھڑے ہیں۔ اور لوگوں کی جانوں کے محافظ ہیں۔ مگر یہ سب کچھ تاروں کی مدد سے ہے۔ اگر تار ٹوٹ جائے تو ستون کو مردہ ہی سمجھ لو یہی وجہ ہے کہ تار مضبوط بنائی جاتی ہیں۔ حوادث سے بچانے کے لئے انھیں بسا اوقات زمین کے نیچے لگایا جاتا ہے۔ اور سمندر میں تار لگانے کے لئے تو بہت کچھ دقت اٹھانی پڑتی ہے۔

اگر بلاتار پیغام بھیجنے کا کوئی ذریعہ ہو تو ان مصائب کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو جائے ہم آپس میں بات چیت کرتے ہیں اور اشارات سے کام لیتے ہیں مگر گفتگو اور اشارات کے لئے کبھی تار کو استعمال میں نہیں لاتے تو کیا وجہ ہے کہ اسی قسم کا کوئی آلہ ایسا نہ

پہنچایا نہیں کرسکتے بنایا جاسکتا ہے۔

اب اس میں محققین کی کوششیں بارآور ہوئی ہیں۔ اور بجلی کے کارناموں میں سے یہ عجیب کارنامہ ہے کہ بلا کسی قسم کے ظاہری تعلق کے فضا میں دُور دُور تک خبر پہنچائی جا سکتی ہے۔

نیویارک (امریکا) سے ایک جہاز لندن کو روانہ ہوا ہے۔ اُسے نیویارک سے چلے ہوئے دو دن گزر گئے۔ اب ایک شخص کی خواہش ہے کہ اپنے دوست کو جہاز میں پیغام بھیجے۔ اگر تارگھر میں آج سے چند سال پہلے اس قسم کی درخواست آتی تو غالباً ایسے آدمی کے لئے طبی معائنہ تجویز ہوتا۔ مگر یہ معمہ اب حل ہو چکا ہے اور موجدین نے ناممکن کو ممکن کر دکھایا ہے۔

بے تار خبر رسانی سے بنی نوع انسان کو بہت فائدہ پہنچا ہے۔ سمندر میں اس کی بدولت ہزاروں جانیں بچ چکی ہیں جب جہاز ڈوب رہا ہو تو وہ بے تار خبر رسانی کے آلہ کے ذریعہ سے دُور دُور تک اطلاع دے سکتا ہے۔ اُس کے ڈوبنے سے پہلے قرب وجوار کے جہاز اُس کی مدد کو پہنچ جاتے ہیں۔ اور اگر ساحل قریب ہو تو وہاں سے بھی مدد پہنچ سکتی ہے۔

۲- ہم بیان کر چکے ہیں کہ جب برقی رو لوہے کے گرد لپٹی ہوئی تار میں گزرتی ہے تو لوہا مقناطیس بن جاتا ہے۔ برقی مقناطیس مقناطیسی سوئی سے تھوڑے سے فاصلہ پر ہو تو سوئی کا رُخ بدل جاتا ہے۔ اگر مقناطیس کے ذریعہ سے سوئی کا رُخ ایک میل کے فاصلہ سے بدل سکتا۔ تو اُس سے بے تار خبر بھیجنی ممکن ہوتی۔ خبر بھیجنے کے لئے یہی کافی ہوتا کہ تار میں برقی رو کبھی ایک طرف سے گزاری جائے اور کبھی دوسری طرف سے جس سے سوئی کبھی مغرب کو پھرتی اور کبھی مشرق کو۔ سوئی کی مختلف حرکات سے حروف مُراد ہوتے ہیں جیسا کہ تار برقی میں بیان ہوا۔

اگرچہ مقناطیس کا اثر ہر مقام پر ہوتا ہے۔ مگر یہ اثر دُور تک جاری نہیں ہوتا
اسی وجہ سے بے تار خبر رسانی کے لئے چنداں مفید نہیں۔ ہمیں ایک ایسے آلہ کی
ضرورت ہے جس کا اثر دُور تک ہو۔

۴۔ برقی لہریں۔ آواز سے لہریں پیدا ہوتی ہیں۔ اور وہ لہریں ہوا میں ہوتی ہوئی
کان تک پہنچتی ہیں۔ اور کان کے پردہ پر اپنا اثر ڈالتی ہیں بے تار خبر رسانی کے آلہ میں
بھی لہریں پیدا ہوتی ہیں۔ مگر ہوا میں نہیں بلکہ اُس چیز میں جو ہر جگہ اور ہر مقام میں پھیلی
ہوئی ہے اور جسے ایتھر کہتے ہیں۔ وہ لہریں دُور کے مقام پر پہنچ کر وہاں کے خبر پانے
والے آلہ پر اپنا اثر ڈالتی ہیں۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ برقی رو کے تار میں سے گزرنے پر ایتھر میں ہل چل
پیدا ہو جاتی ہے۔ ورنہ رو کے برقی مقناطیس میں سے گزرنے پر مقناطیسی سوئی پر
کچھ اثر نہ ہوتا۔ اس اثر کا نام ہم برقی مقناطیسی اثر رکھیں گے۔

اگر ہم ایک لاکھ کی ڈنڈی کو فلالین کے ٹکڑے کے ساتھ رگڑیں اور پھر اُس کے
قریب کاغذ کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے رکھیں تو لاکھ کی ڈنڈی کاغذوں کو اپنی طرف
کھینچ لے گی۔ یہ اثر بھی ایتھر میں ہل چل کا نتیجہ ہوگا۔ اس اثر کو ہم کہربائی اثر کے نام سے
نامزد کریں گے۔ موجودہ بے تار خبر رسانی میں کہربائی لہریں کام میں آتی ہیں۔

سب سے پہلے برقی لہریں ایک جرمن پروفیسر ہرٹز صاحب نے پیدا کیں اور یہ بھی
ثابت کیا کہ وہ برقی لہریں ہیں۔ پروفیسر ہرٹز صاحب دریائے رائن کے کنارے
مقام بون پر رہتے تھے۔ انھوں نے بہت سا وقت اس امر کے ثابت کرنے میں خرچ
کیا کہ برقی طاقت فوراً ایک جگہ سے دوسری جگہ نہیں پہنچتی۔ بلکہ اُس کے لئے کچھ عرصہ
درکار ہوتا ہے۔ انھوں نے معلوم کیا کہ بہت کم وقت میں برقی قوت ایک جگہ سے
دوسری جگہ تک جا پہنچتی ہے بلکہ یہاں تک معلوم کر لیا کہ بجلی کی رفتار روشنی کی رفتار

کے برابر ہو اور برقی لہریں روشنی کی لہروں کے مشابہ ہیں۔ روشنی کی طرح چاروں طرف پھیلتی ہیں۔ ان کا انعکاس اور انحراف بھی ہوتا ہے۔ اگر فرق ہے تو یہ ہے کہ روشنی کی لہریں چھوٹی اور برقی لہریں بڑی ہوتی ہیں۔ روشنی کی لہریں ایک انچ میں قریب پچاس ہزار کے ہوتی ہیں اور برقی لہر کئی گز لمبی ہوتی ہے۔ روشنی کا اثر آنکھ پر ہوتا ہے اور برقی لہر کا ایک خاص قسم کے آلہ پر۔

۴۔ پروفیسر ہرٹز صاحب کے تجربات کے آلات نہایت سادہ تھے۔ انھوں نے ایتھر میں لہریں آلہ امالہ برقی۔ انڈکشن کائل (Induction coil) کے شراروں سے پیدا کیں۔ ان کا خیال تھا کہ شرارہ سے ایتھر میں لہریں پیدا ہو جاتی ہیں۔ لہروں کے معلوم کرنے کے لئے انھوں نے ایک موٹی تار لی جس کے دونوں سروں پر دو پیتل کے لٹو تھے۔ تار کو موڑ کر حلقہ کی شکل بنائی گئی۔ حتیٰ کہ دونوں سروں کے لٹو ایک دوسرے کے بالکل قریب ہو گئے اور ان کے درمیان بہت کم فاصلہ تھا۔ اس جگہ میں ہوا تھی۔ یہ آلہ آلۂ امالہ برقی سے تھوڑے سے فاصلہ پر تھا۔

شکل نمبر ا

برقی لہروں کے معلوم کرنے کا آلہ
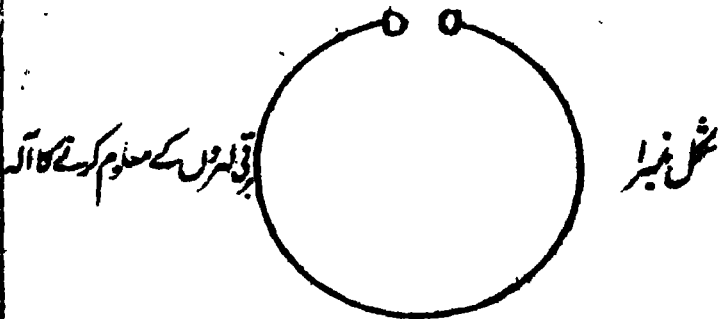
جب کبھی آلۂ امالہ برقی میں شرارہ پیدا ہوتا تھا۔ اسی کے ساتھ لٹوؤں کے درمیان ایک چھوٹا سا شرارہ پیدا ہو جاتا تھا۔ اس تجربہ سے ثابت ہوا کہ برقی لہریں پیدا ہوتی ہیں اور ایتھر میں سے گزر کر اپنا اثر کرتی ہیں۔

۵۔ برقی لہروں کے دریافت ہونے کے بہت جلد بعد سائنس والوں کو خیال پیدا

ہوا کہ اِن کو خبر رسانی کا ذریعہ بنایا جاوے۔ پہلے پہل یہ اُمید تو نہ تھی کہ یہ ہر قسم کے [illegible]
تجارتی اغراض کے لیے مفید ہوں گے مگر ایک سریع الحس خبر پانے والے آلہ کی ایجاد
سے فضائی خبر رسانی کے متعلق اُمیدیں بڑھ گئیں۔

تجربے سے معلوم ہوا کہ بکھرے ہوئے دھات کے بُرادے میں سے برقی رُو آسانی
کے ساتھ نہیں گزر سکتی۔ کیونکہ بُرادے میں بہت زیادہ رُکاوٹ ہوتی ہے۔ لیکن جب
برقی لہریں برادہ پر پڑتی ہیں تو اُس کی رُکاوٹ کم ہو جاتی ہے۔ اور برقی رُو کا اِس میں
سے گذرنا آسان ہو جاتا ہے۔ اب فرض کرو کہ برقی موجہ کا برادہ سے بھری ہوئی نلی
اور ایک گھنٹی کے ساتھ تعلق ہے۔

شکل (۲) مارکونی کا رابطہ (کوہیرر)
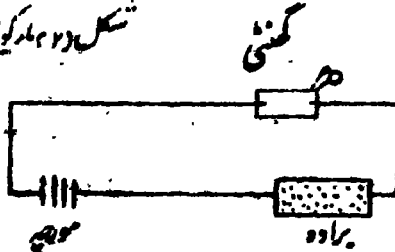
جب تک برادہ پریشان ہوگا۔ برقی رُو اُس میں سے نہ گزرے گی۔ اور گھنٹی پر کوئی اثر
نہ ہوگا۔ مگر جب برادہ پر برقی لہر پڑے گی وہ جکڑ جائے گا۔ برقی رُو کا سلسلہ قایم ہو جائے گا
اور گھنٹی بجنی شروع ہو جائے گی۔ جب تک برادہ کی وہی حالت رہے گی جو برقی لہر سے
پیدا ہوئی۔ گھنٹی کا بجنا بند نہ ہوگا۔ اگر برادہ کو ٹھوکر دے کر پریشان کر دیا جائے تو اُس میں
پھر رُکاوٹ بڑھ جائے گی۔ برقی رُو رُک جائے گی اور گھنٹی کا بجنا بند ہو جائے گا۔ برقی
لہر کے بُرادہ پر پڑنے سے پھر رُو قایم ہو کر گھنٹی بجنی شروع ہو گی۔ اور برادہ کو ٹھوکر دینے
سے گھنٹی کا بجنا بند ہوگا۔

اس اصول پر خبر پانے کا آلہ مارکونی ایک اطالیہ کے باشندہ نے بنایا تھا۔ اس
اس آلہ کو مارکونی کا رابطہ (کوہیرر) کہتے ہیں۔

۳۔ مارکونی صاحب کا بے تار خبر رسانی کا آلہ

(۱) خبر بھیجنے کا آلہ، برقی شرارہ کے پیدا کرنے کے لئے ہوا کرتے تھے۔ اور ان کے ساتھ دو لمبی تاریں لگی ہوئی تھیں۔ ایک تار اوپر ہوا میں تھی اور دوسری تار زمین میں۔ شرارہ پیدا کرنے کے لئے ایک زبردست آلہ امالہ برقی تھا۔ جب شرارہ پیدا ہوتا تھا برقی لہر اوپر کے تار میں بھی جاتی تھی اور نیچے زمین میں بھی۔ تار اور زمین میں برقی لہر پیدا ہو کر ہر طرف ہو کر پھیل جاتی تھی۔

(۲) خبر پانے کا آلہ، مارکونی کا رابطہ تھا یعنی ایک شیشہ کی نلی میں دھات کا برادہ بھرا ہوا تھا۔ برقی مورچہ کے ایک سرے کا تعلق معمولی تار برقی کے خبر پانے کے آلہ میں سے ہو کر رابطہ کے ایک سرے کے ساتھ تھا۔ اور مورچہ کا دوسرا سرا رابطہ کے دوسرے سرے کے ساتھ ملا ہوا تھا۔ جب برقی لہر رابطہ پر پڑتی تھی۔ اس کی رکاوٹ کم ہونے کی وجہ سے برقی رو قائم ہو جاتی تھی۔ اور اس کا اثر تار برقی کے خبر پانے والے آلہ پر ہوتا تھا۔ مارکونی نے ایک چھوٹا سا ہتھوڑا اس طرح لگایا تھا۔ کہ تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد رابطہ کو ٹھوکر دیتا رہے تاکہ رابطہ ہر وقت پیغام پانے کے لئے طیار رہے۔

۴۔ مارکونی کے آلہ کا پہلے پہل دریائے ٹیمز پر کشتیوں کی دوڑ میں تجربہ کیا گیا۔ وہ ایک چھوٹے دخانی جہاز پر لگایا گیا۔ اور جہاز کشتیوں کے پیچھے چھوڑا گیا۔ جہاز سے کشتیوں کے متعلق ساحل پر خبر پہنچتی رہی۔ اس کے بعد آئرلینڈ کے قریب سمندر میں اس کا تجربہ ہوا۔ بے تار خبر رسانی کے آلہ کا تجربہ اٹلی کے ایک جنگی جہاز پر بھی کیا گیا۔ جہاز اٹلی سے روانہ ہو کر جبرالٹر میں سے ہوتا ہوا جرمنی پہنچا اور وہاں سے روس گیا۔ راستہ بھر میں اس کا تعلق کارنوال کے خبر رسانی کے آلہ کے ساتھ رہا۔ مگر مارکونی کو سب سے بڑی کامیابی اس وقت ہوئی جب کہ اس نے کارنوال انگلینڈ اور کینیڈا (امریکہ) کے مابین تعلق قائم کر دیا۔ اس قدر فاصلہ میں سے خبر پہنچانے کے لئے مارکونی نے بڑے بڑے اونچے خبر بھیجنے والے سٹیشن بنوائے۔ اور زبردست

بجلی کا انجن کام میں لایا گیا۔ مگر ان سب باتوں کے باوجود خبر رسانی کا یہ انتظام بحیثیت
تم سے بہت اچھا تھا۔ کیونکہ بحر اوقیانوس کی دست برد سے محفوظ تھا۔

۸۔ مارکونی کے رابطے کے علاوہ اور بھی کئی قسم کے خبر پکڑنے کے آلات آج کل
مروج ہیں۔ مگر اُن کی تفصیل لکھنے کی اس مضمون میں گنجایش نہیں۔ سب آلات کا اصول
ایک ہے۔ یعنی برقی لہر سے اُن میں کسی تبدیلی کا واقع ہو جانا۔ بعض آلات میں اُن کی مقناطیسی
حالت بدل جاتی ہے۔ انھیں مقناطیسی مخبر کہتے ہیں۔ بعض آلات میں لہر سے تار گرم ہو جاتا
ہے اور اس کی رُکاوٹ بڑھ جاتی ہے۔ اُن کو حرارتی مخبر کے نام سے پکارتے ہیں۔ وغیرہ

۹۔ فرض کرو کہ بہت سے بے تار کے خبر پہنچانے والے مقامات میں سے خبریں
بھیجی جا رہی ہیں اور وہ خبریں چاروں طرف پھیل رہی ہیں اور فرض کرو کہ اُن میں سے
مقام ب۔ ا مقام کو پیغام بھیج رہا ہے۔ ا مقام کے رابطہ پر صرف ب مقام کی لہریں
نہیں پڑیں گی۔ بلکہ اور سب مقاموں کی لہروں کا بھی اُس پر اثر ہوگا۔ ا مقام کے خبر
پانے والے کو اس بات کا کیسے علم ہو کہ ب مقام کا کون سا پیغام ہے۔ بے تار خبر میں
یہ مشکل ضرور پیش آتی ہے اور شروع شروع میں تو اس کا کچھ علاج ہی نہ تھا۔ ایک دفعہ
بے تار خبر رسانی پر لکچر تھا۔ پیغام بھیجنے کا آلہ کسی دُور کے مقام پر تھا۔ اور خبر پانے کا
آلہ لکچر کے کمرہ میں۔ ایک شخص کو شرارت جو سوجھی تو اُس نے پیغامات راستہ میں روک کر
اُن کی جگہ کچھ لغو سی باتیں لکھ ڈالیں یا بھیج دیں اُس سے لکچر میں اچھی خاصی دل لگی ہوگئی
مگر ساتھ ہی یہ بھی سبق ملا۔ کہ بے تار پیغام میں مداخلت ہو سکتی ہے۔

۱۰۔ بے تار خبر رسانی کی مماثلت زور کی آواز کے ساتھ ہے۔ اگر ایک آدمی اپنے
دوست کو پکارے اور وہ دوست اس قدر قریب ہو کہ آواز اُس کے کانوں تک
پہنچ سکتی ہو تو وہ آواز سُن لے گا۔ مگر اور سب آدمی بھی جو اُسی قدر یا اُس سے کم فاصلہ پر
ہوں گے۔ آواز سُنیں گے۔ اگر دونوں آدمیوں کے درمیان ایک نلی ہو اور ایک آدمی

نلی میں سے دوسرے کو آواز دے تو وہ آواز صرف اُسی طرف جائے گی۔ ارد گرد کے لوگ اُسے نہیں سن سکیں گے۔ تار برقی نلیوں میں آواز کے مماثل ہو۔

چونکہ بے تار خبر رسانی آواز کے مماثل ہے۔ اسی وجہ سے اُس میں سُر ملانے کا خیال پیدا ہوا۔ اگر ہم چند ٹیوننگ فارک (Tuning fork) سُریلے دوشاخے لیں۔ اور اُنھیں گونجنے والے تختہ کے اوپر لگا دیں اور اُسی قسم کے چند اور سُریلے دوشاخے ایک اور تختہ پر لگا دیں جب ہم ایک دوشاخے کو ٹھوکر دے کر اُس میں سے آواز پیدا کریں گے۔ اُسی سُر کے دوسرے دوشاخے میں سے بھی آواز پیدا ہونی شروع ہو جائے گی۔ دوسرے دوشاخے سے آواز بوجہ گونج کے پیدا ہو گی باقی سب دوشاخوں پر کوئی اثر نہ ہو گا۔ گونج پیدا ہونے کے لئے سُر کا ایک ہونا یعنی حرکات تموجی فی ثانیہ کا برابر ہونا لازمی ہے۔

اسی طرح اگر بے تار خبر بھیجنے کا آلہ ایسا ہو کہ وہ ایتھر میں خاص تعداد حرکات فی ثانیہ پیدا کرے اور خبر پانے کا آلہ ایسا ہو جو اُسی قدر حرکات سے گونج میں آئے تو اُس آلہ پر اثر ہو گا۔ دوسرے آلات پر جو اُس سے مختلف حرکات سے اثر پذیر ہونے والے ہوں گے۔ برقی لہریں کارگر نہ ہوں گی۔

آج کل آلات خبر رسانی میں سُر ملائے جاتے ہیں۔ اس کا بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ پیغام اُسی آزادی سے بھیجا جا سکتا ہو۔ جیسا کہ معمولی تار برقی میں یہ خطرہ نہیں ہوتا کہ دشمن پیغام کو رستے میں روک لے گا یا اُس سے باخبر ہو جائے گا۔

۱۱۔ کہتے ہیں کہ دن کے وقت پیغام رسانی میں رات کو پیغام رسانی سے دوگنی طاقت صرف ہوتی ہے۔ سورج کا ہوا پر جو اثر ہوتا ہے۔ شاید یہ اُس کی وجہ سے ہو

منہاج الدین

مجوزہ سائنس ریویو

یعنی

ایک ماہوار باتصویر علمی رسالہ کے اجرا کی تجویز

نوشتہ پروفیسر فیروزالدین مراد بی اے ایم ایس سی مدرسۃ العلوم علی گڑھ

گذشتہ سات سال سے میں زبانِ اردو میں اعلیٰ پیمانہ پر ایک سائنس ریویو کے اجرا کے متعلق غور و خوض کرتا رہا ہوں۔ سائنس ریویو سے میری مراد ایک خالص علمی رسالہ جس میں صرف مضامینِ سائنس جمع ہوں اور جس کا مقصدِ وحید معلوماتِ سائنس کو عام فہم بنانا اور مختلف علومِ جدیدہ کی دلچسپ داستان کو اردو داں اصحاب کے لئے دلچسپ پیرایہ میں بیان کرنا ہو۔ سائنٹفک کتب کے آسان اردو تراجم کے دوش بدوش متفرق علمی تحقیقات سائنس کے گوناگوں عجائبات، نئے نئے انکشافات اور ایجادات کو ماہوار عام فہم پیرایہ سے اردو داں اصحاب اور نوخیز طلبا (جو بسہولت تمام انگریزی جرائد کا مطالعہ نہیں کر سکتے) کے سامنے پیش کرنا توسیعِ اردو اور ترویجِ سائنس کے لئے لابدی ہے۔ بہت سے امور جو ضخیم اور دقیق علمی کتب کی ورق گردانی سے معلوم کئے جا سکتے ہیں عام فہم علمی رسائل میں بآسانی درج ہو سکتے ہیں۔ علاوہ ازیں علمی جرائد کی اشد ضرورت کو ثابت کرنے کے لئے ایک مضبوط دلیل یہ ہے کہ خواہ اردو میں ہر قسم کی علمی کتب بذریعہ تالیف و تراجم کیوں نہ مہیا کر دی جائیں سوائے طلبائے سائنس کے ایسی درسی کتب کو عوام الناس کب پڑھیں گے۔ کتب سائنس کے خلاف ایک ایسا تعصب عوام الناس کے دلوں میں جاگزیں ہوتا ہے جو ان کی خرید اور مطالعہ میں مزاحم ہوتا ہے۔ یہ تعصب نہ صرف ہمارے پیارے ملک ہندوستان میں موجود ہے بلکہ ممالک یورپ میں بھی جہاں سائنس کا آفتاب نصف النہار پر چمک رہا ہے اور ہر کہ و مہ خدماتِ سائنس اور ان کے علمی فوائد کا معترف ہے عوام الناس

یا سائنٹفک تعلیم کے لئے دل آویز، عام فہم، باتصویر علمی جرائد کی اشاعت ناگزیر تسلیم کی گئی ہے۔

اگر ہماری قوم کے ارباب حل وعقد چاہتے ہیں کہ سائنس کی روشنی عوام الناس کے دلوں کو منور کرے اور نونہالانِ قوم مطالعۂ سائنس کے ذوق و شوق سے لذت آشنا ہوں تو انہیں اس امر کی کوشش کرنی چاہیئے کہ حقائقِ سائنس کو ان کے سامنے ایک دلپذیر انداز سے پیش کریں۔ اس مقصدِ عالی کے حصول کی خاطر ابتداءِ کار کے لئے ایک باتصویر علمی رسالہ سے بہتر اور کوئی تدبیر نہیں ہو سکتی۔ ہمیں یقین واثق ہے کہ ارباب بصیرت اس تجویز پر غور فرمائیں گے اور نقشۂ ذیل کے مطابق اطرافِ ہند میں وسیع پیمانہ پر متعدد علمی رسالے شائع کرنے کی سعی بلیغ کریں گے۔

کانفرنس گزٹ کے اجراء سے قبل اپنے مخدوم محترم خاں صاحب میر ولایت حسین کی اعانت سے میرا ارادہ علی گڑھ سے اسی قسم کا ایک ماہوار سائنس ریویو نکالنے کا تھا مگر یہ ارادہ کانفرنس گزٹ کے حصۂ سائنس کے افتتاح کے بعد ایک حد تک فسخ ہو گیا تھا۔ گزشتہ موسم گرما میں چند علم دوست اصحاب نے کانفرنس گزٹ کے حصۂ سائنس کے باوجود مجوزہ سائنس ریویو کے اجراء کے لئے اصرار کیا اور اب میں پھر اس اُدھیڑبُن میں ہوں کہ کسی طرح سے یہ تجویز عملی جامہ پہن سکے۔ اس بارہ میں میں اپنے دو محترم احباب پروفیسر منہاج الدین صاحب ایم۔ایس سی۔ اسلامیہ کالج پشاور اور آغا یوسف علی خاں صاحب پروفیسر زراعتی کالج لائل پور کا خصوصیت کے ساتھ شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں کہ ان حضرات نے نہ صرف خود قلمی مدد دینے کا وعدہ کیا بلکہ اپنے علم دوست احباب سے بھی اعلیٰ پایہ کے علمی مضامین حاصل کر سکنے کی اُمید دلائی۔

مجوزہ سائنس ریویو کا جو نقشہ میرے ذہن میں اس وقت تک آیا ہے علم دوست اصحاب کی تنقید کی خاطر یہاں درج کرتا ہوں:۔

اسی قسم کا ہر علمی رسالہ حتی الامکان باتصویر شائع ہونا چاہیئے۔ اگر شروع میں ماہوار اشاعت غیر ممکن ہو تو سہ ماہی نکالا جائے۔ گو مجھے اس امر کا اعتراف ہو کہ سہ ماہی ہونے کی حالت میں اجراءِ رسالہ کی اصلی غرض کے فوت ہو جانے کا قوی احتمال ہے بہرکیف اس مقصد کا حل کر جانا مجوزہ سائنس ریویو ماہوار ہو یا سہ ماہی مالی سرمایہ، قلمی اعانت انتظامی مشکلات وغیرہ پر منحصر ہوگا اور بمصداق اذا ابتلیتم ببلیتین فاختاروا اھون ھما اپنے مقصد کے جزئی فقدان اور انتظامی مشکلات وغیرہ کے موازنہ کے بعد ہم سہل تر صورت اختیار کر کے میدانِ عمل میں قدم زن ہو سکیں گے۔ ہر ایک اشاعت میں خواہ وہ سہ ماہی ہو یا ماہوار مندرجۂ ذیل مباحث پر مستند عام فہم لیکن مستند علمی مضامین شائع ہونے چاہئیں اور کوشش یہی ہونی چاہیئے کہ ان عنوانوں میں وقتاً فوقتاً ترقی اور اضافہ ہوتا رہے۔ والسعی منا والاتمام من اللہ۔

(۱) مستند سائنٹفک مضامین جن میں تازہ ترین علمی تحقیقات اور صنعتی انکشافات کا تذکرہ خصوصیت کے ساتھ ہونا چاہیئے۔

(۲) جدید علمی خیالات۔ یعنی زمانۂ حال کے سائنٹفک قیاسات اور ایجادوں کے متعلق باتصویر عام فہم مضامین۔

(۳) تراجم کتب سائنس۔

(۴) مشاہیرِ سائنس اور حکمائے اسلام کی مبسوط سوانح عمریاں۔

(۵) علمی نوٹ اور سائنٹفک اقتباسات۔ یعنی چھوٹے چھوٹے علمی چٹکلے اور ممالکِ غیر کے علمی جرائد سے مقتبس علمی اخبار و حوادث۔

(۶) علمی مناظرات۔ ایڈیٹر کے نام علمی خطوط اور مسائل مہمہ کے متعلق مضمون نگاروں کے مستقبل جواب موازنۂ معقول و منقول، علم کلام جدید اور مسائل فلسفۂ اسلام کے متعلق اہل علم کے خیالات کا اظہار۔

(۷) معاصرین۔ یعنی اُردو رسالجات کے چیدہ مضامین جو موضوع سائنس سے متعلق ہوں یا ان میں کوئی خاص علمی وصف ہو۔ لندن کے مشہور و معروف رسالہ ریویو آف ریویوز کی قابل قدر مثال اور اس کی نمایاں کامیابی اس عنوان کی ضرورت ثابت کرنے کے لیے کافی ہے۔

(۸) سائنٹیفک قصے اور علمی نظمیں۔ افسانہ کے پیرایہ میں حقائق سائنس کی تشریح

(۹) ایڈیٹوریل ریمارک۔ دنیائے سائنس اور رفتار زمانہ کے متعلق مدیر جریدہ کے خیالات۔

(۱۰) تبصرۂ کتب۔ مختلف شعبہ ہائے سائنس کے متعلق جدید کتب پر مبسوط تنقید و تبصرہ

اعلیٰ پیمانہ کے ایک علمی جریدہ کا جو ابتدائی خاکہ سطور بالا میں پیش کیا گیا ہے وہ کئی ایک لحاظ سے ناقص ہے لیکن اگر ہم ابتدا ر کار کے لئے اسی ادھورے خاکہ پر عمل پیرا ہونا چاہیں تو بھی ایک معقول مالی سرمایہ اور علمائے سائنس کی ایک بااثر کارکن جماعت کے بغیر کامیابی محال ہے۔ جب تک کافی سرمایہ فراہم نہ ہو جائے اور جب تک مدیر جریدہ کی علمی و انتظامی اعانت کے لئے ایک بااثر کارکن جماعت موجود نہ ہو کوئی شخص واحد کامیابی کے ساتھ ایسے رسالہ کو عرصہ تک نہیں چلا سکتا۔ میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ ہمارے مجوزہ سائنس ریویو کے اجرا کے لئے (۱) ایک سال تک کے لئے اعلیٰ قسم کے مضامین کا ذخیرہ (۲) پانچ ہزار روپیہ اور (۳) کم از کم چار سائنس دانوں کی کارکن جماعت لابدی شرائط ہیں۔

شروع میں اس قسم کے رسائل کو محض مالی نفع کے خیال سے شائع نہیں کرنا چاہیئے ان کے اجرا کی اساسی غرض اشاعت علم ہونی چاہیئے۔ لیکن تجارتی اصولوں کو کسی حالت میں بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے۔ مثلاً ایک اظہر من الشمس تجارتی اصول یہ ہے کہ اندازِ تعلقات کے گراں بحث اور بیشتر مسئلہ اہم ہے کہ مفت حاصل کی ہوئی اور سستی اشیاء اعلیٰ اور بیش اجناس

مقابلہ میں ہیچ ہوتی ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس علمی دنیا میں بھی بھیک مانگے ہوئے مفت حاصل کردہ مضامین بسا اوقات بے حیثیت اور فضول ہوتے ہیں لیکن ایڈیٹران جرائد بالعموم اس بدیہی کلیہ کو فراموش کر دیتے ہیں۔ اگر کوئی مصنف محض خدمت علم کی غرض سے اپنے مضامین مفت شائع کرنا پسند کرے تو یہ امر النادر کالمعدوم معرز مستثنیات میں شمار سمجھا جا سکتا ہے۔ لہذا ہمارے مجوزہ سائنس ریویو کے لئے مالی سرمایہ کی ضرورت نہ صرف مصارف اشاعت کے لئے ہے۔ بلکہ اعلیٰ پایہ کے علمی مضامین حاصل کرنے کے لئے بھی سرمایہ کی ضرورت ہے۔ جو اصحاب قلمی زرِ معاوضہ لینا پسند نہ کریں ان کی خدمت میں ان کے مضامین کو الگ شائع کر کے ان کی متعدد نقول بھیجنا اعلیٰ علمی اخلاق میں داخل ہے

چونکہ میرا عقیدہ ہے کہ مجوزہ سائنس ریویو کی وسیع اشاعت سے قومی مفاد مترتب ہو سکتا ہے اور یہ علمی جریدہ ایک اعلیٰ علمی تحریک کا منبع بن سکتا ہے اس لئے جملہ بہی خواہان قوم اور ایڈیٹر صاحبان سے میری استدعا ہے کہ وہ اس تجویز کے مرکزی خیال کے متعلق اپنی رائے کا اظہار فرمائیں اور اس مضمون کو اپنے اخبارات اور رسائل میں شائع فرمائیں

فیروز دین مراد

علم الکیمیا کی گزشتہ تاریخ پر ایک سرسری نظر (۲)

نوشتہ پروفیسر مظفر الدین قریشی صاحب

(گزشتہ سے پیوستہ)

[سلسلہ کے لئے ملاحظہ ہو کانفرنس گزٹ مطبوعہ ستمبر ۱۹۱۸ء]

یہاں تک یونانیوں کے بارہ میں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ اس امر کی توضیح کے لئے کافی ہے کہ ان کی قوت متخیلہ نے قدیم مصریوں کے علوم پر کیا کچھ اضافہ کیا۔ اور ان کے فلسفہ دربارہ آفرینش عالم و ترکیب مادہ وغیرہ نے کیمیا کی ارتقائی ترقی پر کیا اثر ڈالا لیکن یونانیوں

الکیمیا محض ہی فلسفیانہ خیالات پر ہی مشتمل نہیں۔ بلکہ حقیقت یہ ہو کہ اب تک جو کچھ لکھا جا چکا ہے کیمیا کے ماخذ اصلی سے بہت کم تعلق رکھتا ہو۔ یہ ایک تاریخی امر ہے کہ قرون وسطیٰ میں عربوں کے علم کیمسٹری کا مبدا حقیقی یونانی طب تھی۔ اس لئے یونانی کیمیا کے ذکر میں یونانی طب پر کچھ روشنی ڈالنا ضروری ہے۔

یونانیوں سے پہلے طب کی جو حالت تھی وہ زیادہ تفصیل کی محتاج نہیں۔ یہ مسلّم امر ہے کہ شروع شروع میں سبھی علوم و فنون انسانی ضروریات کی تحریک سے پیدا ہوئے انسانی ارتقائی ترقی کے دوران میں جیسے جیسے انسان کی ضروریات کا ارتقار ہوتا گیا اسی کے مطابق علوم و فنون بھی ایجاد ہوتے اور ترقی کرتے چلے گئے۔ سب سے پہلے وہ علوم پیدا ہوئے جن کی ضرورت سب سے اوّل محسوس ہوئی۔ اس لحاظ سے کہا جا سکتا ہو کہ طب کا علم تمام علوم قدیمہ میں قدامت کا حقدار ہے۔ کیونکہ جب انسان پیدا ہوا تو اس کے ساتھ ہی مرض بھی پیدا ہوئے۔ اور رفع مرض کے لئے علاج بھی تجویز ہوسکے۔ اور یہی طب کی ابتدا تھی۔

مگر ہم دیکھتے ہیں کہ ابتدائی منازلِ ارتقار میں جبکہ انسان کی دماغی ترقی اس درجہ تک نہیں پہنچی تھی کہ مذہب اور علوم نظریہ میں تمیز کر سکے۔ جس طرح دیگر علوم مذہب کے رنگ میں رنگے ہوئے ملتے ہیں۔ ویسے علوم طبیہ بھی مذہبی توہمات سے اس قدر مخلوط پائے جاتے ہیں کہ جدا گانہ حیثیت کے حقدار نہیں۔ مرض کو بتوں اور دیوتاؤں کی ناراضگی وخفگی پر محمول کیا جاتا تھا اور اس کے دور کرنے کے لئے اُن کی خفگی مٹانے کوشش کی جاتی تھی ان کی تعریف میں اشلوک پڑھے جاتے۔ قربانیاں دی جاتیں۔ اور مقربان بارگاہ یعنی پجاری لوگوں کے توسل سے اپنے قصور کی معافی کی درخواست کی جاتی تھی کچھ ترقی ہوئی۔ تو رفتہ رفتہ نباتاتی اشیا مثلاً جڑی بوٹی۔ اور چند ایک معدنیات کام میں لائی جانے لگیں اور حلقہ طب وسیع ہوتا گیا۔ مگر یایں ہمہ مذہبی رنگ دور نہ ہوسکا۔ مختلف ادویہ کا

استعمال تو مشروع ہو گیا مگر ان کی تاثیر کو کسی نہ کسی دیوتا کی روحانی قوت سے منسوب کیا جاتا اور دوا کے استعمال کے وقت اُسی دیوتا کو پکارا جاتا۔ طبیبوں کی کوئی علیحدہ جماعت موجود نہ تھی۔ بلکہ پجاری ہی اس کام کے اہل سمجھے جاتے۔

اسی خلط ملط حالت میں طب کا علم مصریوں سے یونانیوں میں منتقل ہوا۔ اور ۵۰۰ سال قبل مسیح تک اس میں کوئی خاص تغیر پیدا نہ ہوا۔ مگر یہ بالکل خلاف توقع بات تھی کہ عالی دماغ یونانی ایسے ضروری علم سے دیر تک غافل رہتے۔ آخرکار ان کی توجہ اس طرف مبذول ہوئی اور ۴۰۰ سال قبل مسیح ان میں ہپاکریٹس (Hippocrates) پیدا ہوا جسے اہل عرب بقراط کہتے ہیں۔ اس لاجواب حکیم نے آناً فاناً میں طب کو مذہبی توہمات سے کلیتہً آزاد کر کے مادی اور عملی طب کی بنیاد ڈالی۔ اور علوم و فنون کی تاریخ میں ایک روشن اور نہ مٹنے والی یادگار چھوڑی۔ اس انقلاب کا فوری نتیجہ یہ ہوا کہ بقراط کے زمانہ ہی سے طبیبوں کی جماعت علیحدہ طور پر قایم ہو گئی اور پجاریوں کا مادیات سے کوئی تعلق نہ رہا۔ جب ہم اس زمانہ میں دوسری اقوام کے مذہبی عقیدے اور توہمات پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں واقعی تعجب ہوتا ہے کہ ایسے قدیم زمانہ میں یونانیوں نے کس طرح طب کو مذہب سے علیحدہ مادی بنیاد پر قایم کر لیا تھا۔ اور ہمارا تعجب اور بھی زیادہ بڑھ جاتا ہے جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اس کے کچھ ہی عرصہ بعد بیرونی اثرات سے متاثر ہو کر طب کی حالت پھر ویسی کی ویسی ہی ہو گئی تھی۔ سچ تو یہ ہے کہ ہم بقراط کی وسعتِ نظری اور دماغی قابلیت کا صحیح اندازہ کرنے سے قاصر ہیں۔

بقراط کو علم طب کی تاریخ میں جو امتیاز حاصل ہے وہ اس وجہ سے ہے کہ اس نے اربعہ عناصر کے اصول کو طب پر عائد کر کے ایک عظیم الشان نظریہ کی بنیاد ڈالی جو یونانی طب کا اساسی اصول بن گیا۔ اس کے خیال میں انسانی جسم میں اربعہ عناصر کی باہمی ترکیب سے چار رکن یا امزاج پیدا ہوتے ہیں یعنی صفرا۔ سودا۔ [illegible]

ضروری ہے کہ ان چاروں امزجہ کی باہمی مناسبت قایم رہے اور کوئی ایک رکن حدِ اعتدال سے نہ بڑھنے پائے جب کسی رکن کا غلبہ حد سے بڑھ جاتا ہے تو صحت بدن برہم ہو جاتی ہے۔ اس نکتۂ خیال سے ادویہ کا کام کسی ایک رکن کے غلبہ کو روکنا اور چاروں ارکان کی مناسبت اعتدالی کو برقرار رکھنا ہے۔

بقراط کے بعد یونانیوں نے طب کی طرف بہت توجہ کی اور اسے کافی وسعت دی طب کے ساتھ ساتھ فنِ ادویہ سازی بھی جس کا کیمیا سے ایک گہرا تعلق ہے۔ ترقی پا گیا اور بالآخر اسی کے ذریعہ عربوں کی کیمسٹری کی ابتدا ہوئی۔ اس سلسلہ میں یہ بتا دینا بھی ضروری ہے کہ اسکندریہ کے عجائب خانہ کی افتتاح کے بعد یونانی طب کی اور بھی زیادہ وسعت حاصل ہوئی۔ بانی مدرسہ کو چونکہ طب سے خاص طور پر دلچسپی تھی۔ اس لئے اُس نے طب کے متعلق معلومات کے بہم پہنچانے میں خاص اہتمام کیا۔ اور مدرسہ کے اس صیغہ کی نگرانی پر طب کے زبردست عالموں کو مقرر کیا۔ یہ اسی کی کوششوں کا نتیجہ تھا کہ ہیروفیلس (Herophilus) نے مُردہ اجسام کو چیر پھاڑ کر جسم کے اندرونی اعضاء اور ان کی بناوٹ اور وظائف معلوم کئے۔ اور اس طرح سے علم تشریح کی بنا ڈالی۔ غرضکہ یونانی طب میں بہت آگے نکل گئے تھے۔ اور اس سلسلہ میں انھوں نے بہت سے نباتاتی و جماداتی اشیا، (مفردات و مرکبات) کی کیمیائی خاصیتیں معلوم کر لی تھیں جن سے علم کیمیا کو بہت بڑی مدد ملی۔ عملی حیثیت سے بھی علم کیمیا یونانی طب کے زیر احسان ہے کیونکہ فنِ ادویہ سازی کی ابتدا جس نے عربوں کے ہاتھوں بہت ترقی پائی۔ اور موجودہ کیمیا کا ماخذ بنا یونانیوں ہی نے کی تھی۔

پیشتر اس کے کہ ہم قرونِ وسطیٰ کی کیمیا کی طرف متوجہ ہوں۔ ہماری نظر اس قوم پر پڑتی ہے جو ایک دُور دراز ملک میں بظاہر دنیا سے الگ تھلگ۔ ایک شاندار تمدن کے خزانے لئے بیٹھی ہے۔ ہماری مُراد ہندوؤں سے ہے۔ چونکہ ان کا یہ دعویٰ

اور علوم کی طرح طب میں بھی وہ اقوام متمدنہ کے اُستاد ہیں۔ اس لئے ہم ان کی کیمیا پر ایک ناقدانہ نظر ڈالنا چاہتے ہیں۔

ہندو کیمیا

ہندوؤں کی کیمیا بھی تین حصّوں پر منقسم ہو سکتی ہے۔ ایک حصّہ تو کیمیاوی صناعت کے طریق مثلاً استخراج معادن وغیرہ سے تعلق رکھتا ہے۔ دوسرا حصّہ علم اکسیر کے متعلق ہے۔ اور تیسرا حصّہ جو زیادہ ضروری اور وسیع ہے۔ علم طب سے ماخوذ ہے۔ ہم ان تینوں پر یکے بعد دیگرے بحث کریں گے۔ اوّلاً ہم طب کو لیتے ہیں۔

قدیم زمانہ میں ہندو بھی مصریوں کی طرح ایک شاندار تمدن کے مالک تھے۔ ان کی عظمت کی یادگاریں جو زمانہ کی دست برد سے بچ کر ہم تک پہنچی ہیں۔ ہندو فلسفہ ہیئت۔ اور طب کی صورت میں نمایاں ہیں۔ مگر کچھ تو ہندوؤں میں تاریخ کی عدم موجودگی کے باعث اور کچھ انقلابات زمانہ کی وجہ سے ان علمی نشانیوں پر کچھ ایسا پردہ پڑا ہوا ہے کہ ہم وثوق سے نہیں کہہ سکتے کہ یہ کس زمانہ اور عہد کی پیداوار ہیں چنانچہ ہندوؤں کے علوم کی تاریخ بالکل ایک نامکمل تاریخ ہے۔ اور ان کے علوم کے ماخذ کا مسئلہ ایک بڑا پیچیدہ مسئلہ ہے۔ زمانۂ حال میں یورپ میں اور بالخصوص جرمنی میں اس مسئلہ کے متعلق بہت سی تحقیق ہوئی ہے۔ اور عرصہ تک یہ مسئلہ زیر بحث رہا ہے کہ آیا ہندوؤں نے ہیئت اور طب یونانیوں سے اخذ کیا۔ یا یونانیوں نے ہندوؤں سے۔ ہیئت کے متعلق تو یہ تسلیم کر لیا گیا ہے کہ بہت سے خیالات جو یونانی اور ہندو علم ہیئت میں مشترک ہیں۔ یونانیوں سے اخذ کئے گئے ہیں۔ لیکن طب کے متعلق تاحال کوئی بات طے نہیں ہوئی۔ ایک

جرمن محقق ہا س (Haas) اس بات پر مصر ہے کہ ہندوؤں میں طبی ترقی دسویں صدی عیسوی سے شروع ہوئی ہے۔ مگر ہم اس خیال سے بالکل متفق نہیں۔ کیونکہ یہ ایک حد تک مسلم الثبوت امر ہے کہ آٹھویں صدی ہجری میں خلفائے عباسیہ کے عہد میں ہندو طب کی دو مشہور کتابیں چرک و سشرت عربی میں ترجمہ کی گئی تھیں۔ اور یہی دو کتابیں ہندوؤں کے تمام طبی معلومات کا ذخیرہ ہیں۔ ان کے بعد کوئی ایسی کتاب ہندوؤں کے طبی ادب میں موجود نہیں جو ان کے برابر پیش کی جا سکے۔ بلکہ تمام تر انھیں دو کتابوں سے ماخوذ ہیں۔ لہذا آٹھویں صدی عیسوی کو ہندوؤں کی طبی ترقی کا انتہائی زمانہ سمجھنا چاہئے نہ کہ ابتدائی۔ مگر دوسری طرف ہمیں ان مصنفین محققین سے اتفاق کرتے ہوئے بہت کچھ پس و پیش ہے۔ جو اس بات کے ثبوت کے درپے ہیں کہ موجودہ چرک آج سے تین ہزار سال پہلے کی تصنیف ہے۔ اور ہندی طب بغیر کسی بیرونی اثر کے اپنی موجودہ حالت تک پہنچی ہے۔ اوّل تو ہمیں اس مقدمہ میں شک ہے کہ ہندوستانی علوم و فنون اور تہذیب و تمدن پر غیر ممالک کی تہذیب و تمدن کا کچھ اثر نہیں پڑا۔ سکندر کے حملۂ ہندوستان کو فقط اس کے جنگی نتائج تک محدود رکھنا اور علمی نتائج کو بالکل نظر انداز کرنا۔ ایک بہت بڑی محققانہ غلطی ہے۔ یہ ایک تاریخی امر ہے کہ سکندر کے حملۂ ہندوستان کے وقت اس کے ساتھ بہت سے یونانی علما موجود تھے اور اس کے واپس ہونے پر بعض وہیں اسقامت پذیر ہو گئے تھے۔ نیز یہ بھی ثابت ہے کہ عرصہ تک یونان اور ہندوستان کے درمیان خوشگوار تعلقات قائم رہے اور ایک ملک کے سیاح دوسرے ملک میں آتے جاتے رہے۔ ان واقعات کی بنا پر یہ کہنا بالکل بجا ہے کہ اس زمانہ میں یونانیوں اور ہندوؤں کے درمیان تبادلۂ خیالات ضرور ہوا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ دوران تبادلہ میں کونسی قوم زیادہ متاثر ہوئی اس امر کے تصفیہ کے لئے ہمارے لئے اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں کہ سکندر کے حملۂ ہندوستان سے پیشتر اور مابعد سکندر نے جس وقت فتوحات کا علم بلند کیا تو یونانی

تمدن وتہذیب وعلوم وفنون کا آفتاب نصف النہار تک پہنچ چکا تھا۔ شہر ما علم طب ترقی کا ایک وسیع میدان سے طے ہو چکا تھا بقراط کے ہاتھوں علم طب توہمات کو ذہبیات سے آزاد ہو کر مادی اور عملی بنیاد پر قایم ہو چکا تھا۔ طبیبوں کی ایک علیحدہ جماعت قائم ہو چکی تھی جو روحانیت اور مذہب وغیرہ سے کچھ غرض نہ رکھتی تھی۔ نباتاتی وجماداتی اشیاء ایک بڑے پیمانہ پر ادویہ کے طور پر مستعمل تھیں ترقی کا اندازہ اس امر سے ہو سکتا ہے کہ شہروں میں ادویہ فروشی کی دُکانیں عام تھیں۔ خود ارسطو ایک مدت تک ادویہ سازی وادویہ فروشی کی دُکان کرتا رہا ہے۔ امراض کے طبعی علل واسباب مطالعہ کرنے کے بعد موزون ادویہ تجویز کی جاتی تھیں۔ طب کے مختلف شعبوں پر مستند کتابیں لکھی جا چکی تھیں جن میں سے ایک کتاب نبض پر اور ڈائکلیز (Diocles) کی کتاب حفظان صحت پر خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

یہ کچھ تو سکندر کے حملہ ہندوستان سے پیشتر ہو چکا تھا۔ مگر اسکندریہ کے عجائب خانہ کے افتتاح کے بعد یعنی تیسری صدی قبل مسیح میں جو ترقی طب میں ہوئی وہ اور بھی حیرت انگیز ہے۔ بانی عجائب خانہ ٹالومی فلاڈیلفس (Ptolemy Philadelphus) نے عجائب خانہ میں تعلیم کے چار صیغے مقرر کئے تھے۔ ادبیات۔ ہیئت۔ ریاضی وطب اور ان میں سے ہر ایک صیغہ میں چیدہ چیدہ اور قابل پروفیسر تعلم وتعلیم کے لئے مقرر کئے گئے تھے چنانچہ طب کے صیغہ پر جو افسر اعلیٰ مقرر کیا گیا تھا۔ وہ ہیروفیلس (Herophilus) تھا۔ بانی مدرسہ کو چونکہ طب سے خاص طور پر دلچسپی تھی اس لئے اس نے صیغہ طب کی تعلیم وتعلم میں خاص توجہ سے کام لیا۔ اور اس کی زیر نگرانی علم طب کو اسکندریہ میں بہت بڑی ترقی حاصل ہوئی۔ اس کے حکم سے ہیروفلس نے مُردہ اجسام کو چیر پھاڑ کر جسم کے اندرونی اعضا کی بناوٹ وغیرہ دریافت کی۔ اور طب کی ایک نہایت ضروری شاخ علم تشریح کی بنیاد ڈالی۔ اس سے پہلے مصر ویونان و دیگر ممالک میں مُردوں کا چیرنا پھاڑنا

[illegible] کی طرف تھا۔ اور علم تشریح کلیۃً معدوم تھا۔ ہیروفیلس نے اس فن کی
[illegible] جن میں دو کتابیں بچہ زائی اور آنکھ پر قابل ذکر ہیں۔ ہیروفیلس کے بعد
طب کی طرف زیادہ توجہ ہوئی۔ اور اسکندریہ میں علم تشریح و فن جراحی نے
ایک خاص ترقی حاصل کر لی۔ طب کی دوسری شاخیں بھی کچھ پیچھے نہ رہیں خصوصاً
علم ادویہ سازی و قرابادین کو بہت بڑی وسعت حاصل ہوئی جس کا ایک بڑا سبب
یہ تھا کہ دنیا کے تجارتی مرکز ہونے کے باعث۔ اسکندریہ میں تمام ممالک کی جڑی
بوٹیوں اور ادویہ کا ایک بہت بڑا ذخیرہ جمع ہو گیا تھا۔

یہ مختصر حالات اس زمانہ میں یونانیوں کی طبی معلومات کا صحیح اندازہ کرنے
کے لئے کافی ہیں اب اس سے قطع نظر ہمیں یہ دیکھنا چاہیئے کہ اس زمانہ میں ہندوؤں
میں علوم طبیہ کس قدر ترقی پذیر ہو چکے تھے مگر بدقسمتی سے اس کام میں بہت ہی مشکلات
کا سامنا ہے۔ سب سے زیادہ مشکل تو اس امر کی ہے کہ ہندوؤں کی کسی ایک تصنیف کا
وقت اور زمانہ صحیح طور پر متعین نہیں کیا جا سکتا۔ بیرونی شہادتوں کی عدم موجودگی کے
باعث تحقیق کا انحصار فقط کتاب کی اندرونی شہادتوں پر رہ جاتا ہے۔ اور ظاہر ہے
کہ اس قسم کی تحقیق سے جو نتائج مترتب ہوں گے اُن میں غلطی کا بہت بڑا احتمال ہو سکتا
ہے۔ ہندوؤں کی تمام طبی معلومات کا مجموعہ فقط دو کتابیں ہیں چرک اور سشرت۔
[illegible] کتابیں موجود ہیں۔ وہ انہیں دونوں کتابوں سے ماخوذ ہیں۔ اور [illegible]
[illegible] ان دونوں کتابوں کے بارہ میں ہندوؤں کا یہ خیال ہے کہ [illegible]
[illegible] بہت پہلے کی لکھی ہوئی ہیں۔ اس میں کلام نہیں کہ چرک اور سشرت میں
[illegible] کے متعلق بہت سی مفید معلومات کا ذخیرہ موجود ہے [illegible]
[illegible]
[illegible]

معلوم کتابیں ایک بڑے حد تک کی کتابیں مانی جا سکتی ہیں [illegible]
متعلق کتابوں کا زمانہ تصنیف ہندوؤں کے خیال کے مطابق بہت [illegible]
تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ سکندر کے ہندوستان یا اس سے پیشتر ہندو طبیب
یونانیوں سے کسی حیثیت میں کم نہ تھے۔ اور علوم طبیہ (اور دیگر علوم و فنون میں بھی)
جو ترقی انہوں نے کی۔ ایک آزادانہ حیثیت سے کی تھی جس میں وہ کسی دوسرے
ملک سے متاثر نہیں ہوئے۔ مگر اس حقیقت کو قبول کرنے سے پیشتر ہمیں یہ دیکھنا
ہے کہ آیا ہندوؤں کے خیالات چرک اور سشرت کے زمانہ تصنیف کے متعلق محض
قیاسات اور روایات پر ہی مبنی ہیں۔ یا وقت اور زمانہ تصنیف کے تعین کرنے میں
کسی تاریخی استدلال سے بھی کام لیا جاتا ہے۔

جہاں تک ہمیں علم ہے اس بارہ میں کوئی معتبر تاریخی شہادت موجود نہیں۔ ڈاکٹر
[illegible] نے اپنی قابل قدر تصنیف ہسٹری آف ہندو کیمسٹری میں چرک اور سشرت کو
زمانہ بدھ سے پیشتر تصانیف ثابت کرنے کے لئے جو کوشش کی ہے وہ ویسی ہی نا
کامیاب ہے جیسی کہ مخالف یورپین محققوں کی۔

انصاف تو یہ ہے کہ حسن عقیدت کی وجہ سے اس کام میں ہندوؤں کی طرف
سے بہت بڑھ کر مبالغہ سے کام لیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر ہم ناظرین کو اردو ترجمہ چرک
شائع کردہ [illegible] رویدک فارمیسیوٹیکل کمپنی لاہور کے دیباچہ کی طرف متوجہ کرتے ہیں
اس دیباچہ میں [illegible] مترجم صاحب کتاب کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں [illegible]
اور چرک ہندو طب کے آسمان کے دو بڑے سورج [illegible] کا مرتبہ رکھتے ہیں [illegible]
[illegible]

[illegible] جاتی ہے [illegible] لکھا ہے [illegible]
[illegible] لہٰذا اصل [illegible] برہما جی کو [illegible] عہد آفرینش [illegible]
[illegible] دیباچہ میں کتاب کی تاریخ کے متعلق یہ تحریر ہے "چرک جس کے نام سے
[illegible] مشہور ہے اس کے مصنف نہیں بلکہ مؤلف ہیں۔ اصل کتاب رشی اگنی ویش کی
تصنیف ہے جس کا سلسلۂ تلمذ کتاب کے آغاز میں یوں بتایا ہے کہ رشی اگنی ویش نے گرو
[illegible] بھگوان اتری کمار پنروسو تھا پنروسو جی نے یہ علم مہرشی بھردواج جی سے
سیکھا جو دیوتاؤں کے سردار اندر کے شاگرد تھے۔ اندر نے اشونی کماروں سے
اشونی کماروں نے دکش پرجاپتی سے۔ اور دکش پرجاپتی نے برہما جی سے اس
علم کے سبق حاصل کئے تھے۔" لہٰذا مترجم صاحب کے لاکھوں سالوں کا زمانہ بتلانے کی
وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ ان کے خیال میں چرک کے تمام نسخہ جات جوں کے توں
برہما جی سے سنے گئے ہیں۔ اور اس لئے ان کی آب و تاب آج ویسی ہی ہے جیسی کہ
ابتدائے آفرینش میں تھی۔ علیٰ ہٰذا القیاس سشرت کو راج رشی دھنونتری جی کی
طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ اور اسی لحاظ سے اس کا زمانہ تصنیف چرک سے بھی پہلے
بتایا جاتا ہے۔ تمام باتوں کو مدنظر رکھکر بظاہر یہی نتیجہ پیدا ہوتا ہے کہ موجودہ چرک
کسی خاص زمانہ یا خاص رشی کی تصنیف نہیں ہے بلکہ کئی ایک ہاتھوں سے ترتیب
و تنظیم پاکر ہی موجودہ حالت کو پہنچی ہے اور وقتاً فوقتاً اس میں ترمیم اور اضافہ ہوتا
رہا ہے۔ ہمارے اس خیال کی تائید ان الفاظ سے ہوتی ہے جو چرک کی تاریخ کے
متعلق مذکورہ بالا ترجمے کے دیباچہ میں درج ہیں لکھا ہے کہ موجودہ چرک وہ کتاب
نہیں ہے جو اگنی ویش کی تصنیف کردہ ہے بلکہ چرک اچاریہ کا ترتیب دیا
[illegible] چرک [illegible]
[illegible] اگنی ویش [illegible]

[illegible] اخلاقی [illegible] تعلیم [illegible]
[illegible] کو دیے [illegible] سے [illegible] کر دیا" [illegible]

[illegible]

معمۂ کائنات

نوشتہ پروفیسر فیروز الدین مراد صاحب

(گذشتہ سے پیوستہ)

[سلسلہ کے لئے ملاحظہ ہو کانفرنس گزٹ مطبوعہ اپریل ۱۹۱۰ء]

جہاں ہم بجا فخر کے ساتھ انیسویں صدی میں سائنس اور اس کی عملی خدمات کی وسیع ترقی پر نگاہ دوڑاتے ہیں۔ بدقسمتی سے ہمیں مہذب زندگی کے ایک اہم شعبہ میں اس سے بہت مختلف اور ناتسلی بخش منظر دکھائی دیتا ہے۔ ہم یہاں نہایت افسوس کے ساتھ الفرڈ ویلیس کی مندرجۂ ذیل رائے کے ساتھ ہم آہنگ ہوتے ہیں۔

"علوم طبعی اور ان کی عملی خدمات کی حیرت انگیز ترقی کے مقابلہ میں ہماری عمرانی اور اخلاقی حالت طرز حکومت۔ عدالت گستری۔ انصاف اور قومی تعلیم کا نظام بالکل ایک غیر مہذب مرقع پیش کرتے ہیں۔"

اس اہم فرد جرم کی حقانیت کو باور کرنے کے لئے یہی کافی ہے کہ ہم اپنی قومی زندگی پر ایک غیر متعصبانہ نگاہ ڈالیں یا عوام الناس کے اظہار خیالات کے آلۂ یعنی اخبارات و جرائد کے آئینہ کو با معان نظر دیکھیں۔

ہم اس تبصرہ کو عدالت گستری اور انصاف سے شروع کرتے ہیں۔ کوئی آدمی یہ نہیں کہہ سکتا کہ ہمارا آئین انصاف کسی نہج سے بھی انسانیت اور دنیا کی ترقی کے مطابق ہو۔ آئے دن ایسے ناقص قانونی فیصلے سننے میں آتے [illegible]

[illegible] کہ ہمارے یہاں بعض عنوق و ملکی ہند [illegible] ہاتوں کے ردی [illegible]
[illegible] بحث کرتے ہوئے ہم یہاں ان حالات کی طرف اشارہ نہیں کر رہے ہیں
[illegible] پر بھی نظام حکومت ہونے کے باوجود استبدادیت کا زور رہے نہ ہم
تفصیل اس خطرناک حقیقت کی توضیح کرنا چاہتے ہیں کہ ہمارے منصف اور جج
جن کے ہاتھوں میں انصاف کی باگ ہے بسا اوقات اپنے اعتقادات اور ضمیر کے
خلاف اعلیٰ طبقہ کی خواہشات کے مطابق فیصلے صادر کرتے ہیں۔ ہمیں اس امر کا بھی
اعتراف ہے کہ بہت سے جج اور منصف محض انسانی کمزوری سے غلطی کے مرتکب ہوتے
ہیں لیکن ان کی اکثر غلطیاں ناقص تیاری اور ناقص معلومات کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ بالعموم
ایسے عہدوں کے لئے تمام نام نہاد "اعلیٰ تعلیم یافتہ" اصحاب منتخب کئے جاتے ہیں
جنہیں بسا اوقات انسانی نظام الاعضا اور ان کے سب سے ضروری جزو نفس انسانی
سے صرف سطحی واقفیت حاصل ہوتی ہے۔ اس عدم واقفیت کا نتیجہ وہ نادر اور بھونڈے
فیصلے ہوتے ہیں جن میں ہم آئے دن "آزادیٔ رائے" وغیرہ کے متعلق عجیب و غریب
غلط سلط خیالات کا طوفان بے تمیزی پاتے ہیں۔ ایک دفعہ میں نے ایک قابل
منصف کو بتایا کہ ننھے سے انسانی بیضۂ ملقح میں بھی (جس سے ہر ایک انسان کے نشوونما
کا آغاز ہوتا ہے) ویسی ہی زندگی ہوتی ہے جیسی کہ دو یا تین بلکہ سات یا نو ماہ کے
[illegible] میں ہوتی ہے۔ وہ حضرت اعتبار کے بغیر اس مسئلہ اور صحیح حقیقت پر ہنس دئیے
[illegible] طلباء قانون علم آغاز انسان، علم النفس اور فلسفۂ ارتقاء کے حقائق سے بے بہرہ
ہوتے ہیں حالانکہ یہ اہم معلومات فطرتِ انسانی کی صحیح تفہیم کے لئے لازمی ہیں۔ وہ
[illegible] سیکھنے کے لئے اپنی مصروف زندگی میں کوئی وقت نہیں نکال سکتے
[illegible] دیگر متفرق مشاغل میں منہمک ہوتے ہیں۔ مطالعہ کے لئے جو تھوڑا سا
[illegible] آتا ہے اس میں صرف کتب قانون کی ورق گردانی [illegible]

سبب پچھڑ کر توہمات (علم طبعی کے شاہدات اور اختیارات) کی جہالت اور کچھ روایات قدیمہ کو عام طور پر بلا جرح و تنقید صحیح تسلیم کر لینے کی بدعادت سے عقل و علم کے بڑے تین دشمنوں میں سب سے زیادہ خطرناک دشمن بغض و کینہ نہیں ہے بلکہ جہالت یا شاید کاہلی ہے۔ خدا خدا کر کے اوّل الذکر کا قلع قمع ہو گیا ہے لیکن موخرالذکر ہر دو دشمنانِ علم۔ جہالت اور کاہلی۔ کے بد اثرات تاحال زائل نہیں ہوئے۔

اس دقیانوسی اور خلافِ عقل نظام کا ایک بڑا رکن "بشر پرستی" ہے۔ اس اصطلاح سے میری مراد غلط خیالات کا وہ زبردست اور عالمگیر گروہ ہے جس کے مطابق انسان باقی تمام کائنات کا مدمقابل ٹھیرایا جاتا ہے اور اسے مثل ایک دیوتا کے ارفع و اعلیٰ ہستی مان کر دیگر حیوانات کی خلقت کی مقصد غرض و غایت قرار دیا جاتا ہے۔" اگر ہم ان خیالات کو بامعانِ نظر دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ خیالات تین جداگانہ عقاید۔ تجید تشبیہ یا تجسیم اور تصنیم پر متفرع ہوتے ہیں۔

(الف) پہلا عقیدہ یہ ہے کہ انسان تمام ارضی مخلوقات کا بلکہ وسیع معنوں میں تمام کائنات کا روزِ ازل سے مقرر شدہ مرکز ہے۔ چونکہ یہ عقیدہ انسان کے مفید مطلب ہے نیز چونکہ یہ بحیرہ روم کے تین بڑے مذاہب یعنی موسوی عیسوی اور اسلامی شرائع پر مبنی ہے اس لئے ابھی تک یہ مذہب دنیا کے ایک معتدبہ حصہ پر حکمراں ہے۔

(ب) دوسرے عقیدہ کے مطابق خدا کے انتظام اور تخلیق عالم کی تشبیہ انسانی رنگ میں کی جاتی ہے۔ خدا کے دنیا پیدا کرنے کی مثال ایک کاریگر انجنیر یا صناع کی قابلیت سے دی جاتی ہے اور خدا کے دنیاوی انتظام کو ایک عقلمند حاکم کے نظم و نسق سے تشبیہ دی جاتی ہے۔ اس طرح سے خدا کی حیثیت دنیا کے خالق، پالنے والے اور حاکم کے بالکل انسان کے مشابہ ظاہر کیا جاتا ہے اور اس مشابہت سے یہ لازمی نتیجہ نکالا جاتا ہے کہ خدا کی سرشت میں الوہیت کو دخل ہے۔ انجیل میں مذکور ہے "خدا نے انسان کو

[illegible] ہیں جو اس مسئلے سے اختلاف کرتے
ہیں۔ ہم انشاء اللہ العزیز اس مسئلے کا مفصل ابطال مقدمۂ کتاب میں کریں گے۔ مترجم

(۲) عالم کا مواد اپنے ہر دو اوصاف مادہ اور قوت سے متصف ہو کر تمام فضائے
بسیط میں پھیلا ہوا ہے وہ ہمیشہ سے متحرک ہے اور ہمیشہ متحرک رہے گا۔

(۳) یہ حرکت ایک غیر متناہی سلسلۂ نشو و نما کے ساتھ ازلی و ابدی طور پر جاری ہے
اور اس میں حیات و ممات۔ کون و فساد۔ اور ارتقاء و تنزل کی نوبت بتدریج آتی رہتی ہے

(۴) بے شمار اجسام جو فضائے بسیط کے ایتھر میں منتشر ہیں ایک ہی ناموس مواد
کے تابع ہیں اور اگر فضا کے ایک حصہ میں گردش کرنے والے اجرام فلکی بتدریج تباہ
و برباد ہو رہے ہیں تو کائنات کے کسی دوسرے حصہ میں دیگر اجسام ارتقائی منازل طے
کرکے نئی زندگی حاصل کر رہے ہیں۔

(۵) ہمارا سورج اس قسم کے بے شمار فانی اجسام میں سے ایک ہے۔ اور ہماری زمین
ان لاتعد و لاتحصیٰ عارضی سیاروں میں سے جو ان کے گرد گھومتے ہیں ایک ہے۔

(۶) ہماری زمین مدتوں ٹھنڈی ہوتی رہی تھی قبل اس کے کہ پانی سیال حالت میں
اس کے اوپر معرض شہود میں آسکا اور حیوانی اور نباتی زندگی (حیات عضوی) کی اولین
شرط پوری ہو سکی۔

(۷) جو سلسلۂ ارتقاء (یعنی بے شمار حیوانات اور نباتات کا تدریجی انقلاب اور نشو و نما)
اس سے منتج ہوا اسے شروع ہوئے کم از کم کئی کروڑ برس گزر چکے ہیں۔ یہ عرصہ دس
کروڑ سال سے بہت زیادہ لمبا تخمین کیا گیا ہے۔

(۸) منجملہ ان مختلف النوع حیوانات کے جو اس سلسلۂ ارتقائیہ کی آخری منازل میں
ظہور پذیر ہوئے سب سے بڑھ کر [illegible] حیوانات [ذی فقری حیوانات] اپنے دیگر ہمسروں
کے مقابلہ میں کشمکش حیات میں بہت آگے بڑھ گئے ہیں۔

(۹) حیوانات ذی فقری کی سب سے ضروری شاخ ذات الثدی (یعنی [illegible]
دودھ پلانے والے جانور) اس سے بہت عرصہ بعد ٹریاسک تا دہین (یعنی
حیات قدیمہ کے اختتام اور حیات جدیدہ کے آغاز پر) ادنیٰ قسم کے ذو حیاتین (یعنی تری
اور خشکی دونوں میں رہنے والے حیوانات) اور رینگنے والے جانوروں سے علیٰحدہ
ہو کے پیدا ہوئے تھے۔

(۱۰) ذات الثدی کی سب سے اکمل اور اعلیٰ ارتقائی شاخ حیوانات اولیٰ (پرائمیٹس)
کا طبقہ ہے جو تکوین طبقات الارض کے شروع عہد ثالث میں کم از کم تیس لاکھ برس
گذرے معرض شہود میں آیا تھا۔

(۱۱) حیوانات اولیٰ کی سب سے نو عمر اور مکمل شاخ انسان ہے جس نے "عہد ثالث"
کے اختتام پر انسان نما بندروں (ایپ مین یا بے دم کے بندر) کے خاندان
میں جنم لیا تھا۔

(۱۲) لہذا تمام نام نہاد "تاریخی زمانہ" یعنی چند ہزار سال کا عرصہ جو تہذیب انسانی کا
معیار ہے ارتقاء حیوانی کی وسیع مدت کے مقابلہ میں بالکل ہیچ ہے۔ بعینہ جس طرح
ارتقاء حیوانی کا زمانہ تاریخ تکوین طبقات الارض میں بہت ہی قلیل عرصہ ہے۔ جس طرح
ہماری زمین غیر محدود وسیع کائنات کے مقابلہ میں شعاع نور کے ذرے کی طرح
بے حقیقت ہے اسی طرح خود انسان حیات عضوی (حیوانات اور نباتات کی ارتقائی
زندگی) کے فانی منظر میں مادۂ زندہ کا ایک بے بضاعت حقیر حصہ ہے۔

ان معموں کے حل کرنے کے لئے جو ہمیں ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہیں ہمیں
وسعت نظر کی ضرورت ہے اس کا حصول بہترین طور پر کائنات کے متعلق صرف
عالی شان اور ہمہ گیر مطمح نظر کی تفہیم تام سے ہو سکتا ہے۔ یہ نہ صرف نظام عالم میں انسان
کے صحیح رتبہ کا پتہ دیتا ہے بلکہ اس سے وہ مغالطہ بھی جو انسان کو اپنے [illegible]

... کی اس حیثیت کے متعلق ابدی بہت کاش ہو جاتا ہے منزہ و الشک ... خیال ہے کہ وہ ضمیر جو وہ عالم میں باقی سب اشیاء سے ممتاز اور برتر ہے اپنے تئیں خدا کی شبیہ تصور کرنے اپنی حیات ... کے لئے ابدی بزرگی سمجھنے اور اپنے ارادہ کی آزادی ... کرنے کی فکر میں مبتلا ہو گیا ہو مجموعہ کائنات کا صحیح اصل صرف اسی حالت میں ممکن ہے کہ ہم باطل عقائد کو چھوڑ کر دنیا و مافیہا کو اس صحیح نقطہ نظر سے دیکھیں جس کی مختصر توضیح فقرہ بالا میں کر دی گئی ہے۔

لاینحل معموں کی تعداد کا انحصار زیادہ تر انسان کے قوائے دماغی پر ہوتا ہے جاہل وحشیوں کی طرح مہذب اقوام میں بھی غیر تعلیم یافتہ افراد کے لئے حل طلب مسائل اور معموں کی تعداد حد شمار سے متجاوز ہے۔ لیکن ایسے معموں کی تعداد جو واقعی حل طلب ہیں تہذیب اور سائنس کے ساتھ گھٹتی جاتی ہے۔ چنانچہ ہمارے فلسفۂ وحدیت کے پیش نظر صرف ایک عالمگیر معمہ مسئلہ مواد ہے۔ تاہم اس ضمن میں معدودے چند متفرق مسائل کا مختصر تذکرہ فائدہ سے خالی نہ ہوگا۔ ۱۸۸۰ء میں بائس ریمنڈ نے برلن کی مجلس علوم کے سامنے اپنی معرکۃ الآرا تقریر میں مندرجہ ذیل سات معمے تسلیم کئے تھے۔

(۱) مادہ اور قوت کی حقیقت۔

(۲) حرکت کا آغاز۔

(۳) زندگی کا آغاز۔

(۴) نظام عالم کی باقاعدہ و منتظم (اور بظاہر ازل ہی سے جاری اور مقدر) ترتیب

(۵) احساس بسیط اور شعور کا آغاز۔

(۶) تعقل تفکر اور نطق کا آغاز۔

(۷) ... قوت ارادی ... کی آزادی کا مسئلہ۔

عالم موصوف نے ان سات معموں میں سے تین نمبر ۱۔ ۲۔ ۵ مافوق الادراک اور ...

[illegible] میں تین لاینحل (نمبر ۳-۴-۶) ہیں جو بظاہر حل ہونے کے قابل [illegible] معمہ (نمبر ۷) کے متعلق وہ ساکت ہے۔

اگر میرا نظام وحدیت اس سے مختلف ہے اور چونکہ یہ سات [illegible] طور پر تسلیم کئے جاتے ہیں اس لئے ان کی حقیقت کا انکشاف یہاں ضروری [illegible] میری رائے میں تین ما فوق الادراک معمے (نمبر ۱-۲-۵) کا تصفیہ جو ہر سے [illegible] ہو جاتا ہے۔ رہے باقی تین معمے (نمبر ۳-۴-۶) جو مشکل لیکن قابل حل [illegible] ان کی تشریح کے لئے نظریۂ ارتقاء کافی ہے۔ ساتواں معمہ سائنٹفک تفحص اور تحقیق کے قابل نہیں ہے۔ یہ محض خوش عقیدگی پر مبنی ہے حقیقت میں اس کی کوئی ہستی نہیں ہے۔

ہم نے معمہ کائنات کے حل کرنے کے لئے جو طریقہ اور ذرائع تحقیقات اختیار کئے ہیں وہ علمی تفحص کے ذرائع تحقیقات سے مختلف نہیں ہیں۔ یہ اولاً تجربہ دوم استدلال ہیں۔ سائنٹفک تجربہ مشاہدات اور اختبارات سے حاصل ہوتا ہے۔ اس کے لئے اولاً ظاہری حواس خمسہ اور ثانیاً دماغ کے مراکز جس کی فعلیت درکار ہوتی ہے۔ بیرونی دنیا کے متعلق جو تجربہ ہمیں اپنی ذہنی زندگی کے ان بیش بہا آلات کے ذریعے اس طرح حاصل ہوتا ہے وہ دماغ کے دوسرے حصص کی وساطت سے افکار میں متبدل ہو جاتا ہے جو کہ بعد ازاں عمل ائتلاف سے سلسلۂ تعقل میں منسلک ہو جاتے ہیں۔ اس سلسلۂ تعقل کی [illegible] دو مختلف طریقوں سے جو میری دانست میں مساوی طور پر قیمتی اور ضروری ہیں ہوتی ہے۔ استنباط نتائج اور منطقی استدلال کے یہ طریقے استقراء اور استخراج کہلاتے ہیں [illegible] کے اعلیٰ اعمال یعنی دقیق استدلال اور تعقل کے پیچیدہ سلسلوں کی تعمیر تجریدی تصورات کی ساخت اور قوت متخیلہ کی مدد سے ادراک کی تکمیل یا بالاختصار شعور [illegible] سابقہ بسیط دماغی اعمال (وقوف احساس اور ارادہ) کی طرح دماغ کے خلایے [illegible] وظائف ہیں۔ ان سب کا مجموعی تصور عقل کہلاتا ہے۔

عقل ہی کے ذریعہ سے ہم دنیا اور اس کے مسائل حقہ کی صحیح معرفت حاصل کرسکتے ہیں۔ عقل انسان کا اعلیٰ ترین وصف ہے اور صرف یہی صفت اسے حیوانات کی برادری کی بعض صفوں میں ممتاز کرتا ہے۔ انسان صرف عقل ہی کے استعمال [اور اخلاق حسنہ] سے اشرف المخلوقات بن سکتا ہے۔ اور اس کا اس اعلیٰ رتبہ پر متمکن ہونا تہذیب و تمدن اور علم کی ترقی سے ممکن ہوا ہے۔ وحشی اور غیر تعلیم یافتہ انسان تقریباً اتنے ہی تھوڑی یا اتنے ہی زیادہ عقلمند ہوتے ہیں جتنے کہ ذات الثدی میں سے ہمارے سب سے قریبی رشتہ دار (ہاتھی، کتے، انسان نما بندر وغیرہ) ہیں۔ بایں ہمہ بعض حلقوں میں یہ تسلیم کیا جاتا ہے کہ عقل کے علاوہ انسان کے پاس علم حاصل کرنے کے دو اور ذرائع جذبہ اور الہام (عقل سے بھی زیادہ یقینی) موجود ہیں۔ ہمیں اس خطرناک غلطی کا فوراً واقعی ازالہ فوراً کرنا چاہیئے۔ (باقی آیندہ)

فیروز دین مُراد

ایریٹیڈ واٹرس یعنی ہوا آمیز مشروبات

ایسے پانی جنہوں نے کہ کاربونک ایسڈ یا دیگر کوئی گیس جذب کرلی ہو دنیا کے اکثر حصوں میں بافراط پائے جاتے ہیں۔ ان میں ان گیسوں کے علاوہ مختلف نمکیات بھی محلول حالت میں رہتے ہیں۔ ایریٹیڈ واٹرس کے تیار کرنے کی کوششیں انیسویں صدی کے آغاز سے پہلے کبھی سرسبز نہ ہوئیں۔ "میاہ ممزوج با تیزابات" کے تیار کرنے کا قدیم ترین طریقہ وہ ہے جو اب بھی سیڈلٹز پوڈر یعنی بعض مشروبات کی تیاری میں مروج ہے یعنی صرف سوڈیم بائی کاربونیٹ اور ٹارٹرک تیزاب کے جداگانہ حصوں میں ہوتا ہے جو کہ پانی میں تحلیل کئے جانے پر سوڈیم ٹارٹریٹ بناتے ہیں اور کاربونک ایسڈ کو آزاد کرتے ہیں۔ جو پانی میں جذب ہو جاتی ہیں۔ حال میں چند دانہ دار

مرکبات کا رواج زیادہ ہو گیا ہے۔ ان میں تیزاب اور قلیات مختلف حالتوں میں ملا دیئے جاتے ہیں جن کے پانی میں حل کرنے سے کیمیاوی تغیر وقوع پذیر ہوتا ہے۔ مثلاً لاہری میگنیشیا سائٹریٹ کے اور دیگر متعدد مرکبات کے جو عام میں مختلف ناموں سے نامزد ہیں۔ لابدی اجزا سوڈیم بائی کاربونیٹ اور ٹارٹرک تیزاب ہیں جن میں کبھی کبھی تھوڑا سا سائٹرک تیزاب بھی ڈال دیا جاتا ہے۔ مگر ایسے پانی کے استعمال میں احتیاط لازم ہے۔ چوں کہ ان میں الکلین[1] معدنیات ضرور موجود ہوتے ہیں اور اُن کی خاصیت دست آور ہوتی ہے۔

ایریٹیڈ واٹرس کی تیاری میں کاربونک ایسڈ عموماً اس پانی سے جس میں کہ وہ جذب کی جاتی ہے علیحدہ تیار کی جاتی ہے۔ اس کے تیار کرنے کے دراصل دو طریقے ہیں حالانکہ متعدد قسم کی مشینیں مستعمل ہوتی ہیں۔ پہلے طریقہ میں جس کو کہ طریقۂ فشار کیمیائی کہہ سکتے ہیں۔

گیس ایک برتن میں تیار ہو کر دوسرے برتن میں جس میں پانی ہوتا ہے لیجائی جاتی ہے اور وہاں پانی میں پہنچتے ہی دباؤ کی وجہ سے جذب ہو جاتی ہے۔ وہ چھوٹی چھوٹی مشینیں جو گھروں اور ہسپتالوں میں استعمال کی جاتی ہیں اسی طریقہ پر کام کرتی ہیں عموماً یہ دو مضبوط شیشوں کے کروں کی بنی ہوتی ہیں۔ کرۂ ا میں کاربونک گیس کے تیار کرنے کا مصالحہ جو کہ زیادہ تر بائی کاربونیٹ اور ٹارٹرک تیزاب کا ایک مخلوط ہوتا ہے رکھ دیا جاتا ہے اس مصالحہ کے بھرنے کے بعد اس کرہ کے منہ میں ایک ایسا نل ج جو کہ بالکل ٹھیک بیٹھ جائے لگا دیا جاتا ہے۔ دوسرا کرہ ب پانی سے بھر کر کرۂ ا کے منہ پر لگا دیا جاتا ہے اور اس حالت میں ا اور ب پیچ ج کے ذریعہ

[1] یعنی کیلشیم، اسٹرانشیم، اور بیریم کے ملحقات کی بجائے لفظ مستعمل ہو لیکن اُردو میں [illegible]

[illegible] میں [illegible] ایک سبز رنگ [illegible] جس میں [illegible] معائنہ کے لئے کچھ پانی
[illegible] میں سے ہو کر [illegible] تک پہنچ جاتا ہے۔ اور اس مصالحہ پر جو کہ وہاں رکھا ہوا ہوتا ہے
[illegible] کے کاربونک گیس کو آزاد کر دیتا ہے جو کہ ان میں سے ہو کر جب کے اندر پانی
میں جذب ہو جاتی ہے۔ جوں جوں کہ گیس کا دباؤ بڑھتا جاتا ہے گیس کی مقدار زیادہ
جذب ہوتی جاتی ہے اور جبکہ گیس کی ایک کافی مقدار جذب ہو جاتی ہے تو پانی
ٹونٹی کے ذریعہ سے نکال لیا جاتا ہے۔ تجارتی اغراض کے لئے جب پانی تیار کیا جاتا ہے
تو کروں کا ایک مجموعہ استعمال کیا جاتا ہے۔ اور کاربونیٹ اور ٹارٹرک تیزاب کے
[illegible] مصالحے استعمال کئے جاتے ہیں۔

دوسرا طریقہ جس کو طریقہ فشارِ میکانیکی کہہ سکتے ہیں وہ طریقہ ہے جو انگلستان
میں زیادہ رائج ہے۔ اس طریقہ میں گیس گندھک کے تیزاب اور چاکسے ایک
سیسہ کے برتن میں تیار کی جاتی ہے اور آمیزشوں سے صاف کرنے کے لئے اس برتن
میں جہاں کہ وہ جمع کی جاتی ہے، پانی میں سے ہو کر لیجائی جاتی ہے۔ ایک پیتل
کے قلعی شدہ برتن میں جس کو انبیق کہتے ہیں اور جس کے اندر ایک [illegible]
حرکت میں رہتا ہے۔ کاربونک گیس اور پانی کی متناسب مقداریں ایک [illegible]
کے ذریعہ سے دبائی جاتی ہے۔ انبیق سے آویزاں ایک دباؤ نما ہوتا ہے جب
یہ دباؤ نما ایک سو بیس سے ایک سو چالیس پونڈ فی مربع انچ تک دباؤ بتلاتا ہے
تو پانی جو عرفِ عام میں ایریٹیڈ واٹر کے نام سے موسوم ہے اور اکثر سوڈا واٹر
کے بجائے استعمال کیا جاتا ہے۔ بوتلوں میں بھرے جانے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔

اصلی سوڈا واٹر بنانے کے لئے بہترین ترکیب یہ ہے کہ تقریباً [illegible]
[illegible] متناسب مقدار بائی کاربونیٹ کے پانی میں ڈال دی جائے۔

[illegible] ایک انگریزی وزن ہے۔

کانفرنس گزٹ

(۱) یہ رسالہ ہر [illegible] تاریخ کو دفتر آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس سے شائع ہوگا

(۲) رسالہ کا حجم تقریباً تین جزو ہوگا اور ۲۲×۲۰ تقطیع کے صفحے کا [illegible]

(۳) سالانہ قیمت صرف تین روپیہ مقرر ہے جو بنام جناب صاحب [illegible]
بھیجنا چاہیے۔ منی آرڈر کوپن پر صاف طور سے اس کی تصریح کر دی جائے کہ زر
کانفرنس گزٹ کی خریداری کے لئے ہے اور منی آرڈر ارسال کرنے کے ساتھ
سپرنٹنڈنٹ صاحب صدر دفتر کانفرنس کو بھی اس کی اطلاع کرنا ضروری ہے

(۴) سوائے ترسیل زر کے باقی جملہ خط و کتابت رسالے کے متعلق بنام سپرنٹنڈنٹ
دفتر آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس سلطان جہاں منزل علی گڑھ ہونا چاہیے

محمد حبیب الرحمن خاں شروانی آنریری جائنٹ سکرٹری آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس

آنریری ایڈیٹر کانفرنس گزٹ

کانفرنس گزٹ

یعنی

آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کا ماہوار علمی رسالہ

مرتب

محمد حبیب الرحمن خاں شروانی آنریری جائنٹ سکریٹری کانفرنس

(شیخ فیروز دین مراد پروفیسر آف فزکس علی گڈھ کالج نے مضامین سائنس مرتب کیے)

مباحث

(۱) حصہ اول۔ کانفرنس اور اسلامی ... حالات

(۲) حصہ دوم۔ مفید تعلیمی معلومات

(۳) حصہ سوم۔ سائنس یا علوم جدیدہ

باہتمام محمد مقتدی خاں شروانی

مطبع انسٹیٹیوٹ علی گڈھ کالج میں طبع ہوا

فہرست مضامین

حصہ اول

حصہ دوم

حصہ سوم

سائنس یا علوم جدیدہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کانفرنس گزٹ

حصہ اوّل

مسلمانان مالیگاؤں ضلع ناسک کی تعلیمی جدوجہد

مالیگاؤں ضلع ناسک پریسیڈنسی بمبئی میں مسلمانوں کی آبادی کے لحاظ سے ایک مشہور قصبہ ہے جو منماڑ جنکشن جی آئی پی سے ۲۲ میل کے مسافت پر واقع ہے۔

اس قصبہ میں مسلمان آبادی کا بڑا جزو بنارس، اعظم گڈھ وغیرہ کے باشندوں کا ہے جو کسی زمانہ میں اس مقام پر آکر آباد ہوئے تھے اور اپنے ساتھ پارچہ بافی کی صنعت و حرفت بھی لائے تھے جس کو یہاں آکر انھوں نے ترقی دی صنعت و حرفت کی ترقی کے ساتھ ان میں تعلیم کا ذوق بھی پیدا ہوتا جاتا ہے اور اس مقصد کے حصول کے واسطے انھوں نے پارچہ بافی کے اسکول کے ساتھ ایک اینگلو اردو اسکول اور یتیم خانہ بھی قایم کر لیا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کانفرنس گزٹ

حصہ اوّل

(۱) مسلمانان مالیگاؤں ضلع ناسک کی تعلیمی جدوجہد	سب اڈیٹر
(۲) رپورٹ سالانہ اجلاس کانفرنس سورت ۱۹۱۰ء	

مسلمانان مالیگاؤں ضلع ناسک کی تعلیمی جدوجہد

مالی گاؤں ضلع ناسک پریسیڈنسی بمبئی میں مسلمانوں کی آبادی کے لحاظ سے ایک مشہور قصبہ ہے جو مناڈ جنکشن جی آئی پی سے ۲۲ میل کے مسافت پر واقع ہے۔

اِس قصبہ میں مسلمان آبادی کا بڑا جزو بنارس، اعظم گڈہ، کے باشندوں کا ہے جو کسی زمانہ میں اس مقام پر آکر آباد ہوئے تھے اور اپنے ساتھ پارچہ بافی کی صنعت و حرفت بھی لائے تھے جس کو یہاں آکر انہوں نے ترقی دی۔ صنعت و حرفت کی ترقی کے ساتھ ان میں تعلیم کا شوق بھی پیدا ہوتا جاتا ہے اور اس مقصد کے حصول کے واسطے انہوں نے پارچہ بافی کے اسکول کے ساتھ ایک اینگلو اُردو اسکول اور یتیم خانہ بھی قایم کرلیا ہے۔

تعلیمی اور صنعتی ترقی کے تمام کاروبار انجمن ہدایت الاسلام اور دیگر ہمدرد اور زندہ دل باشندگان قصبہ کی توجہ سے کامیابی کے ساتھ انجام پا رہے ہیں تعلیم و تعلم کے لحاظ سے اسکول کا کام انجمن کے ہاتھ میں ہے یتیم خانہ کا اہتمام دوسری ہمدرد جماعت کر رہی ہے۔ ایک دوسرے مدرسہ بیت العلوم میں مذہبی تعلیم دی جاتی ہے۔

یہ مدرسہ ۳۲ سال سے قایم ہے۔ اس مدرسہ کے بانی مولوی محمد عبد اللہ صاحب ایک دیندار بزرگ تھے، جنھوں نے نہایت ایثار کے ساتھ دس روپیہ ماہوار تنخواہ لے کر تازیست دینی خدمت انجام دی تھی۔

بیت العلوم کی ایک شاخ چراغ علوم کے نام سے قایم ہے، جس میں وہ طلبہ جو دن کو کاروباری زندگی میں مصروف رہتے ہیں شب کے وقت اُردو فارسی اور مسائل دینیات کی تعلیم پاتے ہیں۔ بیت العلوم کے ۵۹ طالب علموں میں سے ۲ طالب علم باہر کے ہیں باقی اسی قصبہ کے رہنے والے ہیں۔

مدرسہ کا ماہانہ خرچ ۷۵ روپیہ ماہوار ہے۔ دو سو روپیہ سالانہ کی امداد ڈسٹرکٹ بورڈ سے ملتی رہی ہیں۔ روپیہ ماہوار کی آمدنی جائداد موقوفہ سے ہے باقی مصارف چندہ سے ادا ہوتے ہیں۔

اینگلو اردو اسکول کی تعمیر کا کام جاری کر دیا گیا ہے۔ چھ سو روپیہ سالانہ کی امداد سرکار نظام خلد اللہ ملکہ کی طرف سے انجمن کو دی جاتی ہے۔ اور پچاس روپیہ ماہوار کی امداد قوم کے مشہور اور فیاض ہمدرد تاجر جناب سیٹھ عبد الکریم عبد الشکور جمال سی آئی ای آف رنگون کی عنایت کا نتیجہ ہے۔

انجمن کے اسکول اور نائٹ اسکول کا خرچ دو سو روپیہ ماہوار سے زیادہ ہے گورنمنٹ اور میونسپلٹی مالی گاؤں سے مذکورہ بالا امدادوں کے علاوہ چار سو انچاس روپیہ سالانہ کی گرانٹ دی جاتی ہے تیس روپیہ ماہوار کی آمدنی جائداد موقوفہ کی اس کے علاوہ ہے۔

اگست ۱۹۱۶ء میں جب جناب مولانا مولوی حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی آنریری جائنٹ سکرٹری آل انڈیا کانفرنس و صدر الصدور امور مذہبی دولت آصفیہ ہمیشہ پریسیڈنسی

ایجوکیشنل کانفرنس کے جلسہ میں صدر کانفرنس کی حیثیت سے پونا تشریف لے گئے اسی وقت انجمن ہدایت الاسلام مالی گاؤں کے اراکین کی خواہش ہوئی کہ مولوی صاحب موصوف مالی گاؤں تشریف لائیں اور اس قصبہ کے تعلیمی کاموں کا ملاحظہ کرکے کامیاب طلبہ کو انعام تقسیم فرمائیں۔ اس وقت چونکہ ممدوح کو فرصت نہ تھی، اس لئے دوسرے اوقات فرصت کے موقع پر مالی گاؤں پہونچنے کا وعدہ کیا۔ اب دسمبر کے آخر ہفتہ میں جب جناب ممدوح اجلاس کانفرنس کے اہتمام اور کاموں سے فارغ ہوئے اور بلدہ کا عزم کیا تو سورت سے ۲ جنوری کو ۲۰ گھنٹے کا سفر ریل اور پختہ سڑک کی ۲۲ میل کی مسافت طے فرماکر سب سے پہلے مالی گاؤں تشریف لے گئے۔ اراکین انجمن اور باشندگان قصبہ نے بڑے جوش اور خلوص کے ساتھ محترم اور فاضل مہمان کا استقبال کیا۔ مولوی صاحب ممدوح نے دن بھر قیام فرماکر دینی و دنیوی درس گاہوں کے علاوہ ان کے صنعتی اور کاروباری کاموں کا بھی معائنہ کیا۔

تقسیم انعام جلسہ کی کارروائی میں مسلمانوں کی کثیر تعداد کے علاوہ، ہندو اصحاب نے بھی پوری دلچسپی کے ساتھ حصہ لیا تھا۔

جو ایڈریس مولوی صاحب کی خدمت میں پیش کیا گیا تھا وہ ہندو سب ڈویژنل آفیسر کے ہاتھوں سے دیا گیا۔ ایک دوسرے ہندو صاحب نے مولوی صاحب کے اعزاز میں ڈیڑھ سو روپیہ کی رقم سے انجمن کی امداد کی۔ تیسرے ہندو بزرگ نے وہ عمدہ کرسی جس پر جناب صدر رونق افروز تھے انجمن کو دے دی۔ مولوی عبدالحمید صاحب آنریری سکرٹری انجمن نے سو روپیہ اور دیگر اصحاب نے اس کے علاوہ چندہ کی رقمیں انجمن کو پیش کیں۔ جناب صدر نے جلسہ تقسیم انعام اور یتیم خانہ میں دو پر مغز تقریریں فرمائیں جن کا حاضرین کے دل پر بہت اثر ہوا۔ ایک رقم یتیم خانہ کو صاحب صدر کی جانب سے دی گئی۔

یہ تمام عبارت خلاصہ ہے ہمارے ایک کرم فرما نامہ نگار کے مضمون رپورٹ کا جنھوں نے جلسہ کے حالات اور مولوی صاحب کے قیام مالی گاؤں کی کیفیت سے ہم کو اطلاع دی ہے

افسوس ہے کہ ہم ان کی طویل تحریر کو بوجہ عدم گنجایش صفحات درج رسالہ نہیں کر سکے
آخر میں کہتے ہیں کہ مالیگاؤں میں ۳۱ جنوری کا دن جس جوش اور عام مسرت کا منظر پیش کر
تھا یہ کیفیت دید نی تھی۔ مولوی صاحب کا اخلاق عامہ اور باوصف طویل سفر کی زحمت
گوارا فرما سکنے کے مطلق آرام نہ کرنا اور پوری توجہ کے ساتھ مصروف کار رہنا، تقریریں کرنا
طلبہ سے ملنا، ہر شخص سے گفتگو کرنا، اس تمام حالت کا قصبہ والوں پر پورے طور سے اثر تھا
اور وہ ممدوح کی تشریف آوری کو اپنے حق میں برکت خیال کرتے تھے۔

ہم کو اپنے مالیگاؤں کے بھائیوں کی قومی خدمت کا حال سن کر اور ان کی اپنی قومی
ترقی کے خیال کی کیفیت معلوم کرکے دلی مسرت حاصل ہوئی۔ خدا ان کے ارادوں میں
کامیابی اور ان کے حسن عمل میں اور زیادہ توفیق بخشے۔

(سب ایڈیٹر)

اعلیٰحضرت خسرو دکن محی الملت والدین خلد اللہ ملکہ وسلطنتہٗ کی بارگاہ سے جس شاہانہ فیاضی اور دستگیری کے ساتھ
قومی کاموں کی سرپرستی فرمائی جاتی ہے وہ اظہر من الشمس ہے۔ حال ہی میں اسلامیہ اسکول بریلی (روہیلکھنڈ) کے پرجوش
سیکرٹری مولوی سید عبد الودود صاحب کو سو ماہوار کا منصب عطا ہوا ہے تاکہ موصوف فکر معاش سے بے فکر
ہو کر اسلامیہ اسکول کی پورے انہماک کے ساتھ خدمت کر سکیں۔ یہ اسکول کانفرنس کی مقامی شاخ کی تحت
دس گیارہ سال سے قایم ہے۔ ابتداءً اس کی حیثیت ایک مکتب کی تھی رفتہ رفتہ کچھ جماعتیں اضافہ ہوتی گئیں۔
پچھلے چار پانچ سال میں اسکول نے مولوی صاحب موصوف کی سیکرٹری شپ میں خاصی ترقی حاصل کی۔
ہمیں اُمید ہے کہ اب یہ اسکول جلد ہائی اسکول کے درجہ تک ترقی کر کے مسلمانانِ بریلی کی تعلیم میں خاص طور
سے مفید ثابت ہوگا۔

قومی تعلیم میں فیاضانہ امداد

صوبہ سندھ۔ ہمیں اس خبر کے سننے سے دلی خوشی حاصل ہوئی کہ میر غلام محمد خاں صاحب رئیس صوبہ سندھ نے اپنے وطن قصبہ "ٹانڈو ماگو" ضلع حیدرآباد سندھ میں ایک مدرسہ قایم کرنے کی غرض سے ایک لاکھ روپیہ کا گراں قدر عطیہ دیا ہے۔

ہندوستان میں سندھ وہ صوبہ ہے جس میں سب سے پہلے اسلامی حکومت کی بنیاد پڑی سندھ کی خاک سے بڑے بڑے علما اور فضلا پیدا ہوئے۔ سندھ میں خدا کے فضل سے آج بھی مسلمانوں کی تعداد کا اوسط مردم شماری کل صوبہ جات ہندوستان کے تناسب آبادی سے بڑھا ہوا ہے۔ زمین کے مالک ہونے اور زمینداری کی حیثیت سے بھی گو ان کی وہ پہلی حالت تو قایم نہیں رہی لیکن پھر بھی دیگر اقوام کے مقابلہ میں ان کو تفوق حاصل ہے۔ لیکن اس کے ساتھ وہ چیز جو قوم میں اصلی سرمایہ حیات پیدا کرنے کا ذریعہ اور اقوام کے قواے دماغی میں روشنی پیدا کرنے کا سب سے بڑا آلہ ہے یعنی تحصیل علم کی خواہش کا ان میں موجود نہ ہونا اس ایک وصف کی کمی سے سندھ کے مسلمان تمام صوبہ جات ہند کے مسلمانوں سے پیچھے ہیں تعلیم و تعلم کے لحاظ سے ان کا درجہ بہت گرا ہوا ہے مرحوم مسٹر حسن علی صاحب کی کوشش سے مدرسہ اسلام کراچی سالہا سال سے قایم ہے لیکن مسلمانان سندھ کی تعلیمی عدم توجہی سے یہ مدرسہ جس کو بہت زمانہ پیشتر سے کالج کے درجہ تک ترقی کرنی چاہیے تھی بدستور اسی حالت پر قایم ہے جس کو اس کے نیک دل بانی نے چھوڑا تھا۔

۱۹۰۷ء میں آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کا اجلاس کراچی میں ہوا مسلمانان سندھ کی تعلیمی تحریک کے متعلق جو مفید تجاویز اس میں قرار پائیں اور جو عملی طور سے انجام دینے کے قابل تھیں ان کی طرف بھی ویسی توجہ جیسی کہ کرنی چاہیے تھی نہیں کی گئی۔ نتیجہ یہ ہے کہ مسلمانان سندھ کی طاقت، دولت اور اثر میں روز بروز کمی ہوتی چلی جاتی ہے۔ برخلاف انکی دوسری اقوام جو نہ دولت میں ان کے ہم پایہ ہیں نہ تعداد آبادی میں اب ان کے ہمسر ہیں نہ زمینداری

ہیں وہ ان کے ساتھ مقابلہ کر سکتی ہیں، باوصف ان تمام کمزوریوں کے تاثر و لیاقت اور [illegible]
کاروبار میں مسلمانوں سے پیش پیش نظر آتی ہیں۔

سندھ میں بمقابلہ دیگر اقوام کی آبادی کے مسلمانوں کی کثرت تعداد کو دیکھنے کے بعد [illegible]
دیگر اقوام کے مقابلہ میں ان کی پست حالت ظاہر ہونے کے بعد یہ سوال آسانی کے ساتھ حل [illegible]
ہی کہ کسی قوم کی کثرت تعداد دوسری قوم کی قلت تعداد کی وجہ سے اس پر غلبہ اور قوت حاصل [illegible]
کر سکتی۔ غلبہ حاصل کرنے کے لئے علم اور عمل کی ضرورت ہی، غلبہ حاصل ہوتا ہی ضروریات زمانہ سے
آگاہ ہونے اور اس کا ثبوت دینے سے۔

مسلمانوں کے واسطے سندھ میں تعلیم کا اہتمام بہت ناکافی ہے۔ ان کو اسکولوں کی ضرورت [illegible]
اچھے ہوسٹلوں کی ضرورت ہے اور وظائف کی ضرورت ہے۔

ہم کو امید ہے کہ بزرگان سندھ اپنے بھائیوں کی اصلاح تعلیم پر بہت جلد توجہ کریں گے۔ میر
غلام محمد خاں صاحب کی طرح دوسرے ہمدرد قوم اصحاب اپنی دولت اور فیاضی سے قوم کو اس
طرح پر فائدہ پہونچائیں گے جس سے قوم کی عزت اور ثروت میں ترقی ہو۔ ہمعصر سندھ مسلم کی اس
رائے سے ہم کو اتفاق ہے کہ اس عطیہ سے مرکزی مقام پر مدرسہ یا ہوسٹل قایم ہو تو زیادہ مفید [illegible]
ہو سکتا ہی۔ کیونکہ قصبہ ٹانڈو ریلوے اسٹیشن سے بہت فاصلہ پر ہے اور قیام اسکول کے لئے یہ مقام
مناسب نہیں۔ وہ کہتا ہی کہ حیدرآباد سندھ میں کئی عمدہ ہائی سکول موجود ہیں۔ اگر وہاں ایک ہوسٹل
مسلمانوں کا تعمیر ہو جاوے تو اس کی وجہ سے مسلمانوں کی تعلیم میں بہت کچھ آسانی ہو سکتی ہے۔

قومی بہبودی کے کام میں روپیہ سے مدد کرنا جس طرح اب قومی افراد کا ضروری فرض ہے
اس سے کم ضروری یہ فرض نہیں ہی کہ جو سرمایہ قومی بہبودی کے واسطے حاصل ہو آسے ایسے پر منفعت
طریقہ سے صرف کیا جاوے جس سے قوم کو حقیقی طور پر فائدہ پہونچے۔

بہت سے قصبوں، گاؤں اور شہروں میں ہم نے دیکھا ہی کہ لوگوں نے نیکی اور ثواب کا کام
سمجھ کر اپنے اپنے گھروں کے سامنے مسجدیں بنائیں، ہزارہا روپیہ ان کی تعمیر میں صرف کیا مگر

[illegible] معلوم ہوگا یا صرف غلط تھا اور انھوں نے آل اندیشی سے کام نہیں لیا تھا مسجدیں بنانے کے وقت
[illegible] پر نظر نہیں کی تھی کہ جس جگہ ہم مسجدیں بنا رہے ہیں وہاں مسجدیں بنانے کی
ضرورت بھی ہے یا نہیں جس قدر مسجدیں ہیں ان کے واسطے نمازی بھی ہیں یا نہیں۔ اس وقت انکی نیک
خیالی نمائشی نیکی کی شکل میں اُن کو دھوکہ دے رہی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تھوڑے دن بھی نہ گذرنے
پائے کہ ان کی مسجدیں ویران اور تباہ حالت میں نظر آئیں۔ اور اب تو وہ باقی رہے نہ مسجدیں۔
بعینہٖ اسکولوں کے قایم کرنے میں اگر اس خواہش کا خیال غالب ہوگا کہ جو مقام انکی
بنا کے مناسب حال ہو وہاں اس کی تعمیر اس خیال سے کی جاوے کہ اسکول بنے تو ہمارے وطن
میں بنے، جس سے ہمارا نام چلے۔ ایسے اسکولوں کا بھی وہی حشر ہوگا جو ہم ہزاروں مسجدوں کا
اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں اسکول ایسے مقام پر ہونے چاہئیں جہاں مسلمانوں کی کافی آبادی ہو اور
جس کے آس پاس تھوڑے بہت فاصلہ پر مسلمان رہتے ہوں تاکہ وہ وہاں سے چل کر اس میں داخل
ہوسکیں اور تعلیم پاسکیں مسجد میں نمازیوں کی ضرورت ہے اور مدرسوں میں طلبہ کی۔ اگر یہ دونوں عمارتیں
نمازیوں اور طلبہ کے وجود سے خالی ہیں تو وہ اینٹ، چونہ اور مٹی کا ڈھیر ہیں۔ نہ وہ مسجد کہی جاسکتی ہے
اور نہ یہ مدرسہ۔ لہٰذا ہر فیاض اور نیکی کے کام کرنے والے مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اپنے روپیہ سے
اور اپنی فیاضی سے ایسا کام انجام دے جو سینکڑوں برس تک قوم کو فائدہ پہونچاتا رہے اور اس کے
نام کو قوم میں زندہ اور روشن رکھ سکے اور آخرت میں ثواب حاصل کرنے کا ذریعہ ہو۔

صوبہ بنگال۔ نویں فروری کو محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس (ہاوڑہ) کا جلسہ زیر صدارت مولوی
رفیق احمد صاحب بی۔ اے، بی۔ ایل منعقد ہوا اور قرار پایا کہ مسلمان طلبہ کے واسطے ایک دار الاقامہ قایم ہو
نیز یہ کہ مستحق مسلمان طلبہ کی امداد کے لئے سرمایہ بہم پہونچایا جاوے۔ مسٹر صادق علی تاجر چوب
نے مبلغ سات ہزار روپیہ کے عطیہ کا اعلان کیا۔

کانفرنس کی تجویز اور مسٹر صادق علی کی فیاضی دونوں باتیں لائق شکرگذاری و استقبال مسرت ہیں
لیکن اسی کے ساتھ ہم اس کمیٹی کی کارروائی اور نتیجہ کے دیکھنے کے بھی مشتاق ہیں [illegible]

میں آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے اجلاس کلکتہ میں اسلامیہ کالج اور دارالاقامہ کی تجویز کو
عملی شکل میں لانے کے واسطے نہایت جوش اور سرگرمی کے ساتھ پرجوش مسلمانوں کی تجویز سے انجمن
کی سرپرستی میں قایم ہوئی تھی جس وقت یہ تجویز اجلاس کانفرنس میں پیش ہو رہی تھی اور جو زبردست
تقریریں ہمارے نوجوان تعلیم یافتہ دوست دارالاقامہ اور کالج کی ضرورت پر دے رہے تھے اور گورنمنٹ
کی اعانت اور مدد کی خواہش سے بے نیاز ہو کر جس بلند آہنگی سے خودداری اور سلف ہیلپ کے زریں اصول
کی قوم کو تعلیم دے رہے تھے۔ اُن کی اس وقت کی پرجوش تقریریں اور گفتگوؤں کا سماں اس وقت تک
ہماری آنکھوں کے سامنے ہے۔

لیکن افسوس ہے کہ ان کی تمام قوتوں کا زور زبانی تقریروں میں صرف ہو گیا۔ سوا برس کی مدت اسی
انتظار میں گزری کہ کسی نتیجہ خیز کارروائی کی اطلاع اُس طرف سے اب آتی ہے اب آتی ہے آنریری جائنٹ
سکرٹری صاحب کی طرف سے کئی خطوط بااثر ممبران کمیٹی کی خدمت میں استفسار حال کے متعلق
بھیجے گئے مگر یہ امر اب لائق تعجب نہیں کہ کسی ایک عریضہ کا جواب تک دینے کی زحمت گوارا نہیں کی گئی۔
نہ یہ معلوم کہ جو سرمایہ نقدی کی صورت میں جمع ہوا تھا اس کا کیا حشر ہوا اور اب برائے نام کمیٹی کا وجود بھی
قایم ہے یا نہیں۔

خدا ہی کو خبر ہوگی کہ ہماری قوم کے واسطے حالات زمانہ سے بصیرت حاصل کرنے کا زمانہ کب
شروع ہوگا اور بنگال کے مسلمان قدرت کے قانون اور عمل کے ماتحت رہ کر رفتار زمانہ کے ساتھ [illegible] وقت
سکیں گے اب تو عام بے حسی اور غفلت کی یہ نوبت ہے کہ جو تجویزیں اور جو تدبیریں اسباب ترقی کی محرک
اصل ہیں ان سب کی طرف سے مسلمانوں کی ناآشنائی اور غفلت کا پیمانہ بظاہر لبریز نظر آتا ہے۔

مسلمانوں کو یہ غرور اور گھمنڈ دل سے دور کر دینا چاہیے کہ وہ نام کے مسلمان رہ کر دنیا
میں عزت اور نام حاصل کر سکیں گے۔ قدرت کا ہمدرد ہاتھ صرف ان لوگوں کی اور اُن اقوام کی
دستگیری کرتا ہے جو اس کے قانون کی پیروی کرتی ہیں۔ اس میں مسلمان، ہندو، یا عیسائی
کی کوئی قید نہیں۔

علمی و تعلیمی خبریں

حضور نظام عالی مقام کی سرپرستی علوم و فنون عتیقہ تک پایہ تخت ملک و نظام میں خود حضور کے محل کنگ کوٹھی میں ایک کتب خانہ تعمیر کر رہی ہے جہاں قیمتی و نادر کتب اور نسخہ ہائے قرآن مجید احتیاط اور حفاظت سے رکھے جائیں گے۔ اعلیٰ حضرت نے دو سو روپیہ ماہوار وظیفہ دو سال کے لئے تکمیل سیرت نبوی کے لئے منظور فرمایا ہے۔

اسلامیہ کالج لاہور کے طلبا اور پروفیسروں نے ایک انجمن بنام خادمان قوم قایم کی ہے جس کی غرض قوم کی ہر قسم کی امداد کرنا ہے۔

اطلاع ملی ہے کہ آل انڈیا شیعہ کانفرنس جو بمقام آگرہ ماہ دسمبر ۱۹۱۸ء گزشتہ میں ہونے والی تھی اور بوجہ انفلوئنزا ملتوی کی گئی تھی اب بتاریخ ۱۹ و ۲۰ و ۲۱ اپریل ۱۹۱۹ء مزار قاضی نور اللہ شوستری کے متصل منعقد ہوگی۔ کمیٹی انتظامیہ انتظامات قیام مہمانان میں مصروف ہے۔

لفٹنٹ کرنل اوبرٹن صاحب ڈپٹی کمشنر گوجرانوالہ کی زیر صدارت مسلمانان گوجرانوالہ کا ایک جلسہ مسلم ہائی اسکول ہال میں بدیں غرض منعقد ہوا کہ گوجرانوالہ میں مسلمان طالبعلموں کے رہنے کے لئے ایک مسلم ہوسٹل قایم کیا جائے جس میں دیگر مدارس کے طلبہ بھی رہ سکیں اور جہاں مذہبی تعلیم کا بھی انتظام ہو سکے۔ اس کے لئے متعدد چندے لکھے گئے اور پندرہ سو کی رقم ایک معزز صاحب نے جو جلسہ میں موجود تھے عطا فرمائی اور پچاس روپیہ مسلم اسکول کے طلبہ کو بغرض [illegible] عطا کئے۔

حامیان ترقی اُردو اور مرحوم ڈاکٹر عبدالرحمٰن بجنوری کے مداحوں کے حلقے میں یہ خبر مسرت کے ساتھ سنی جائے گی کہ مرحوم کے چند مخلص احباب نے نہایت خاموشی کے ساتھ مرحوم کی یادگار میں ایک اُردو لائبریری قایم کرنے کی تجویز میں بڑی حد تک عملی کارروائی کر لی ہے۔

سندھ محمڈن ایسوسی ایشن کراچی نے ہز اکسیلینسی گورنر بہادر بمبئی کے تشریف آوری کے موقع پر جو ایڈریس پیش کیا تھا اوس میں منجملہ اور امور کے مسلمانان سندھ کی ترقی تعلیم کے لئے محمڈن ایجوکیشنل سیس بل Educational Cess Bill کے دوبارہ لیجسلیٹو کونسل میں پیش کئے جانے، سندھ مدرسہ کو آرٹس کالج کے درجہ پر ترقی دینے، مسلمان جاگیرداروں و زمینداروں کی تعلیم کے لئے خاص تدابیر اختیار کئے جانے کی درخواست کی گئی تھی۔

انجمن اسلام و احباب وطن سکھر کا سالانہ جلسہ ۱۵، ۱۶ و ۱۷ مارچ کو منعقد ہوگا جس میں مسلمانان سندھ کے تعلیمی معاملات پر غور و بحث ہوگی۔

آل انڈیا مسلم لیڈیز کانفرنس کا چھٹا سالانہ اجلاس بصدارت مسز خدیو جنگ (حیدرآباد) کلکتہ میں ۸، ۹ و ۱۰ فروری کو خاصی کامیابی کے ساتھ منعقد ہوا۔ لوازم مہمانی مسٹر غلام حسین عارف (مشہور مخیر تاجر کلکتہ) کی بیگم صاحبہ نے ادا کئے۔ اجلاسوں میں بنگالی اور اودھ کی خواتین بھی شریک ہوتی رہیں۔ اصلاح نسواں کے متعلق مفید رزولیوشن پاس ہوئے۔ پرنس جان کی وفات پر اظہار غم کیا گیا۔ اور اعلیٰ حضرت حضور نظام کا شکریہ ادا کیا گیا کہ حضور اس کانفرنس کے ساتھ گہری ہمدردی رکھتے اور اس کی اصلاح و ترقی کو مد نظر رکھتے ہیں۔ کانفرنس کی کامیابی پر اس کی قابل اور محنتی آنریری سکرٹری جناب نفیس دلہن صاحبہ قابل مبارکباد ہیں۔

---

۱۸ فروری ۱۹۱۵ء کو بمقام امرتسر انجمن ترقی تعلیم مسلمانان کا نونس سالانہ جلسہ زیر صدارت
میاں محمد شریف صاحب رئیس و تاجر امرتسر منعقد ہوا تقریباً تیس ہزار روپیہ چندہ ہوا جس میں پندرہ ہزار
کی گراں قدر عطیہ صاحب صدر کا شامل ہے۔ انجمن مذکور قوم کی نہایت مفید خدمت انجام دے رہی ہے۔
اس وقت تک تقریباً ساٹھ ہزار روپیہ وظائف میں صرف کر چکی ہے اور ۱۳۲ ہونہار مسلمانوں کو
مختلف پیشوں کی تعلیم کے لئے مالی مدد دے کر کامیاب بنا چکی ہے اس وقت اٹھارہ سو روپیہ ماہوار
وظائف ۱۱۰ طلبہ کو دے رہی ہے۔ خدا تعالیٰ انجمن کے کاموں میں برکت اور مسلمانوں کو اس کی
اعانت کی توفیق عطا فرمائے۔

سال حال میں جن بزرگوں نے مبلغ ما عہ یک مشت عطا کر کے کانفرنس کی لائف ممبری
حاصل کی ہے۔ ان کے اسماء گرامی وقتاً فوقتاً کانفرنس گزٹ میں شائع ہوتے رہے ہیں اور اس مرتبہ
سالانہ رپورٹ کے سلسلہ میں پوری فہرست درج کی جاتی ہے۔ اس فہرست کے مرتب ہونے کے بعد جن
بزرگوں کی فیس ممبری وصول ہوئی ہے ان کے اسماء گرامی شکریہ کے ساتھ ذیل میں درج کئے جاتے ہیں

۱۔ عالی جناب مسٹر جسٹس سید عبد الرحیم صاحب مدراس		ما عہ
۲۔ مولوی عبد الحکیم صاحب وائس پریسیڈنٹ ایجوکیشنل ایسوسی ایشن۔ مدراس		ما عہ
۳۔ مولانا عبد السبحان صاحب رئیس و تاجر	″	ما عہ
۴۔ عالی جناب مولوی محمد حسن صاحب صدیقی (ڈکٹر یہ)	″	ما عہ
۵۔ عالی جناب علی اشرف پاشا صاحب نمبر ۱۳	″	ما عہ
۶۔ عالی جناب محمد موسیٰ سیٹھ صاحب گلاڈنگ گلی	″	ما عہ
		ماصہ

مجوزہ ڈھاکہ یونیورسٹی کے متعلق گزشتہ اجلاس کانفرنس منعقدہ سورت میں رزولیوشن

نہایت جوش کے ساتھ پاس ہوا جس میں گورنمنٹ بنگال کو ان وعدوں کی یاد
دہانی کی گئی اور ان کے پورا کرنے کی درخواست کی گئی تھی جو تقسیم بنگال کی تنسیخ کے وقت
کئے گئے تھے۔ ان جملہ وعدوں میں سے اپنی اہمیت اور مسلمانان مشرقی بنگال کی تعلیمی ضروریات
کے لحاظ سے سب سے زیادہ اہم وعدہ ڈھاکہ یونیورسٹی کے قیام کے متعلق تھا۔ یہ رزولیوشن صاحب صدر
کی جانب سے بذریعہ تار گورنمنٹ بنگال کی خدمت میں بھیجا گیا تھا۔ ہمیں یہ معلوم کرکے مسرت ہوئی کہ [illegible]
ڈھاکہ کالج کے جلسہ تقسیم انعامات میں ہز ایکسی لینسی لارڈ رانلڈشے گورنر بنگال نے تقریر کرتے ہوئے
فرمایا کہ اگرچہ کلکتہ یونیورسٹی کمیشن کی رپورٹ ہنوز شائع نہیں ہوئی لیکن یہ امر متیقن ہے کہ کمیشن مذکور
ڈھاکہ میں یونیورسٹی قائم کرنے کی سفارش کرے گی۔ کمیشن کو گورنمنٹ کے وعدوں کا پورا پورا علم ہے
اور ان کو نظر انداز نہیں کیا جائے گا۔ ذاتی رائے کے لحاظ سے حضور گورنر بہادر نے واقعی
یونیورسٹی کی اہمیت کو تسلیم کیا اور فرمایا کہ اس وقت کا بے چینی کے ساتھ انتظار ہے جب کہ یونیورسٹی کے
کام کا آغاز ہوگا۔ کمیشن کی سفارش اور تائید کی امید پر سال حال کے بجٹ میں پندرہ لاکھ روپیہ
اسی مقصد سے رکھا گیا ہے تاکہ عملی کام کے آغاز میں مزید تعویق نہ ہو۔ آخر میں ہز ایکسی لینسی نے
ارشاد فرمایا کہ یہ امر میرے لئے حقیقی مسرت کا باعث ہوگا اگر میرے عہد میں یہ یونیورسٹی عالم وجود میں
آجائے اور اپنے القاب کے ساتھ مجھے ڈھاکہ یونیورسٹی کے چانسلر کے لقب شامل کرنے کا بھی فخر حاصل ہوگا

ہمیں پوری امید ہے کہ حضور ممدوح کے مبارک عہد میں گورنمنٹ بنگال کے وعدوں کی پہلی قسط
ادا ہوکر مسلمانان مشرقی بنگال کی دیرینہ آرزو پوری ہوگی جس سے وہاں کی کثیر التعداد اسلامی
آبادی کی ترقی تعلیم کا آغاز ہوگا لیکن یہ اسی صورت سے ممکن ہے کہ یونیورسٹی کے نظام ترکیبی اور
یونیورسٹی کی تمام کمیٹیوں، بورڈ آف سنڈیکیٹ اور اسٹاف وغیرہ میں مسلمانوں کی کافی اور مؤثر
نیابت ہو تاکہ جس مقصد سے یونیورسٹی قائم کرنے کا تہیہ کیا گیا تھا وہ حاصل ہو۔

اجلاس دوم

۲۸ دسمبر ۱۹۱۸ء بوقت ساڑھے نو بجے صبح

۲۷ دسمبر کو بعد نماز جمعہ پہلے اجلاس کی کاروائی شروع ہو کر سہ پہر کو ختم ہوئی۔ شب میں حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر مبارک میں محفل میلاد منعقد ہوئی۔ جناب مولوی سید سلیمان اشرف صاحب پروفیسر دینیات مدرسۃ العلوم علی گڈھ نے سیرۃ نبوی پر ایک عالمانہ اور بلیغ تقریر فرمائی۔ تقریباً ساڑھے بارہ بجے رات تک یہ باسعادت مجلس منعقد رہی۔

۲۸ دسمبر کو ساڑھے نو بجے صبح سے دوسرے اجلاس کی تلاوت کلام پاک کا ررو[illegible] شروع ہوئی۔ سب سے اول من جانب صدر حسب ذیل رزولیوشن یکے بعد دیگرے پیش ہو کر بالاتفاق منظور ہوئے۔

رزولیوشن نمبر ۱

آل انڈیا محمدن ایجوکیشنل کانفرنس کا یہ جلسہ اعلیٰ حضرت حضور شہنشاہ معظم کی بارگاہ میں ادب کے ساتھ اپنی عقیدتمندانہ و وفادارانہ تہنیت و مبارکباد پیش کرتا ہے کہ عالمگیر جنگ شان[illegible] طریق پر ختم ہوئی جس سے آزادی و انصاف کے وہ اصول برقرار رہے جن کی حمایت میں اتحادیو[illegible] نے یہ جنگ اختیار کی تھی۔

رزولیوشن نمبر ۲

بہ لحاظ ان قومی و ملکی احسانات کے جو اعلیٰ حضرت محی الملت والدین بانی خاندان سلطنت

بر وفیضا ءاصف جاہ ہفتم ہزاگزالٹیڈ ہائینس نواب میر عثمان علی خاں بہادر نظام عالی مقام خلد
ملکہٗ و سلطنتہٗ نے عام طور سے قومی اور اسلامی کاموں کی دستگیری فرمانے اور بالخصوص
ممالک محروسہ سرکار عالی میں بدعات دینیات کے استیصال اور قومی و ملکی ترقی کے لئے
بہترین اصلاحات جاری کرنے سے قوم اور ملک پر مبذول فرمائی ہیں؛ یہ کانفرنس تمام
ہندوستان کے قایم مقام جماعت کی حیثیت سے اعلیٰ حضرت کے قومی خطاب "محی الملت
والدین" کی تائید کرتی اور مبارکباد پیش کرتی ہے۔

رزولیوشن نمبر ۳

یہ کانفرنس نواب حاجی محمد اسحٰق خاں صاحب مرحوم آنریری سکرٹری محمدن کالج
کے انتقال پر رنج اور تاسف کا اظہار کرتی اور مرحوم کی وفات کو قومی حادثہ سمجھتی ہے نیز
مرحوم کے پس ماندگان کے ساتھ دلی ہمدردی ظاہر کرکے مرحوم کے حق میں دعائے مغفرت
کرتی ہے۔

رزولیوشن نمبر ۴

اس کانفرنس کو مسٹر جسٹس شاہ دین مرحوم، زبدۃ الملک ہز ہائینس دیوان نواب سر
شیر محمد خاں صاحب بہادر آف پالن پور، نواب فتح الدین خاں بہادر والی ریاست مانا وادر
(کاٹھیاوار) ڈاکٹر عبدالرحمٰن بجنوری، میر حبیب اللہ صاحب سکرٹری انجمن اسلامیہ امرتسر
مسٹر ابراہیم قریشی پرنسپل مدرسۃ العلوم دامباڑی جیسے قوم کے خدمت گزار اور قابل افراد کے
ناوقت انتقال کا رنج و افسوس ہے اور ان کے پس ماندگان کے ساتھ ہمدردی ہے خداوند
تعالیٰ ان سب کی مغفرت کرے۔

مندرجہ بالا رزولیوشنوں کے منظور ہو جانے پر جناب آنریبل خان بہادر سیٹھ

[illegible] صاحب نے ذیل کا رزولیوشن پیش کیا۔

رزولیوشن نمبر ۵

یہ کانفرنس گورنمنٹ بمبئی کی اس کارروائی پر دلی شکریہ کا اظہار کرتی ہے جس نے صوبہ بمبئی کے لئے اردو زبان کو ذریعہ تعلیم قرار دے کر مسلمانوں کی دیرینہ خواہش کو پورا کر دیا۔

آنریبل محرک نے مختصر تقریر میں اس امر کو بیان کیا کہ صوبہ بمبئی میں مسلمان بچوں کی تعلیم زبان اردو کے ذریعہ سے ہونے کے متعلق مسلمانوں نے کیا کیا کوششیں کیں اور گورنمنٹ نے وقتاً فوقتاً کیا کیا احکام نافذ کئے۔ اور بالآخر جناب آنریبل سر ابراہیم رحمت اللہ صاحب کے زمانہ ممبری ایگزیکٹو کونسل میں گورنمنٹ نے مسلمانوں کی دیرینہ خواہش کے مطابق اس مسئلہ کو حل کیا۔ جناب غلام محمد منشی صاحب بیرسٹرایٹ لا راجکوٹ اور جناب مسٹر اسمٰعیل حاجی موسیٰ صاحب رئیس بمبئی کی تائید اور جملہ حاضرین کی اتفاق رائے سے رزولیوشن مذکور منظور ہوا۔

اس کے بعد جناب شیخ عبداللہ صاحب بی اے، ایل ایل بی، وکیل علی گڑھ نے رزولیوشن نمبر ۶ کو حاضرین اجلاس کے سامنے پیش کیا جو ذیل میں درج ہے۔

رزولیوشن نمبر ۶

چونکہ یہ مسئلہ کہ مختلف صوبجات ہند میں مقامی حالات کے اعتبار سے ذریعہ تعلیم کونسی زبان ہو متعدد زبانوں کی تحصیل اور انگریزی زبان کی اہمیت کی وجہ سے مسلمانوں کی تعلیمی ترقی کے حق میں نہایت اہم ہو گیا ہے اور تا حال کوئی قابل اطمینان حل ان مشکلات کا پیدا نہیں ہوا نیز یہ مسئلہ مسلمانوں کے حق میں اس وجہ سے اور بھی پیچیدہ ہے کہ تقریباً ہر صوبہ میں زبان [illegible] کو اسکولوں اور کالجوں سے خارج کرنے کے متعلق کوششیں ہو رہی [illegible] نسبت

[illegible]ی وجوہ پر مبنی ہونے کے زیادہ تر سیاسی وجوہ پر مبنی ہوتی ہیں۔ علاوہ ازیں مختلف صوبجات میں مسلمان بچوں کو صوبہ کی زبان کے ساتھ اردو زبان کو بھی حاصل کرنے سے مختلف مشکلات کا سامنا ہوتا ہے۔ اس لئے اس کانفرنس کی رائے ہے کہ اس مسئلہ کو خاطر خواہ طور سے حل کرنے کے لئے جلد تر اہتمام کیا جائے اور اس غرض سے یہ کانفرنس مختلف صوبجات کے مندرجہ ذیل اصحاب کی ایک کمیٹی قائم کرتی ہے جو کسی مناسب موقع پر بعد کافی غور اور بحث اور مسئلہ کے مختلف پہلوؤں کو مدنظر رکھکر کانفرنس کے آیندہ اجلاس میں اپنی رپورٹ پیش کرے۔ کمیٹی مذکور کو یہ کانفرنس متوجہ کرتی ہے کہ اگر ضرورت ہو تو صوبہ وار کمیٹیاں متعین کرے تاکہ وہ اپنے اپنے صوبہ کے خاص حالات کے لحاظ سے اس مسئلہ پر بحث اور غور کے بعد کمیٹی مذکور کو اپنی رائے سے مطلع کریں۔

اسمائے ممبران آل انڈیا کمیٹی

(۱) ڈاکٹر ضیاء الدین احمد صاحب	کنوینر
(۲) سکرٹری و جائنٹ سکرٹری کانفرنس	بہ حیثیت عہدہ
(۳) آنریبل ابراہیم ہارون جعفر صاحب	صوبہ بمبئی
(۴) قاضی کبیر الدین صاحب بیرسٹرایٹ لا	
(۵) خان بہادر نواب سید نواب علی صاحب چودھری	بنگال
(۶) مولوی عبدالکریم صاحب ریٹائرڈ انسپکٹر سررشتہ تعلیم	
(۷) آنریبل میر اسد علی صاحب	مدراس
(۸) مولوی عبدالحمید حسن صاحب وکیل	
(۹) مسٹر محمد اکبر نذر علی حیدری صاحب	حیدرآباد دکن
(۱۰) مولوی [illegible] صاحب بی اے	

(۱۱) مولوی شمس الدین صاحب جنرل سکرٹری انجمن حمایت الاسلام لاہور — پنجاب

(۱۲) خان بہادر نظام الدین احمد صاحب ایم اے — ممالک متوسط

(۱۳) سکرٹری صاحب پراونشل محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس — برما

(۱۴) مسٹر سلطان احمد صاحب بیرسٹرایٹ لا
پریسیڈنٹ پراونشل محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس — صوبہ بہار

(۱۵) آنریبل امین الرحمٰن صاحب — آسام

(۱۶) خان بہادر مولوی بشیرالدین صاحب
(۱۷) شیخ محمد عبداللہ صاحب بی اے، ایل ایل بی وکیل — صوبہ ممالک متحدہ

لائق محرک نے اس رزولیوشن کی تحریک پیش کرتے ہوئے دلچسپ اور جامع تقریر کی جس میں اول اس بات کو ظاہر کیا کہ مختلف اقطاع و حصص ہند کے مسلمانوں کے درمیان رشتۂ اخوت اور رابطۂ اتحاد کا انحصار مذہب کے بعد جس چیز پر ہے وہ قومی زبان اردو ہی ہے جس کا جاننا قومیت کے علاوہ مسائل مذہبی کی واقفیت کے لئے ضروری ہو گیا ہے۔ ہندوستان کے مسلمان خواہ کسی صوبہ کے ہوں اور ان کی مادری زبان خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو اردو زبان کے علم سے مستغنی نہیں ہو سکتے۔ لیکن اس مقصد میں بمبئی، مدراس، بنگال، برہما وغیرہ کے مسلمان بچوں کو حصول تعلیم میں بعض ایسی مشکلات کا سامنا کرنا ہوتا ہے جو بمقابلہ دیگر اقوام کے طلبہ کے ان کی تعلیمی ترقی میں ایک حد تک سد راہ ہوتی ہیں۔ مسلمان بچوں کو چونکہ علاوہ صوبہ کی مقامی زبان کے اردو، فارسی وغیرہ کا جاننا بھی لازمی ہے، اس لئے دیگر اقوام کے طلبہ کے مقابلہ میں جو صرف ایک ہی زبان سیکھتے ہیں ان کو سخت مشکلات کا سامنا ہوتا ہے، اس لئے ضرورت ہے کہ ان تمام مسائل پر غور اور بحث کر کے ان مشکلات کا حل معلوم کیا جائے۔ جناب مولوی عبدالحق صاحب بی اے سکرٹری انجمن ترقی اردو و مسٹر غلام محمد منشی صاحب بیرسٹرایٹ لا راجکوٹ اور دیگر حضرات نے اس کی تائید میں تقریریں کیں اور یہ رزولیوشن بالاتفاق منظور

اجلاس کے منتشر ہو جانے پر ذیل کے رزولیوشن محرک و موئدین کی تحریک [illegible] حاضرین کی اتفاق رائے سے یکے بعد دیگرے پیش ہو کر پاس ہوئے۔

رزولیوشن نمبر ۷

یہ کانفرنس حضور گورنر بہادر باجلاس کونسل کا شکریہ ادا کرتی ہے کہ میونسپل اور لوکل بورڈ کے مدارس میں مسلمان بچوں کے لئے جمعہ یوم تعطیل قرار دیے جانے کے متعلق منصفانہ احکام نافذ فرمائے ہیں۔

محرک۔ نواب زادہ میر حفیظ الدین احمد خاں صاحب

موئد۔ مسٹر شیخ علی بانکنڈ

رزولیوشن نمبر ۸

اس کانفرنس کی رائے میں یونیورسٹی کے تمام امتحانات میں جواب کی کاپیوں پر امیدواروں کے نام کے بجائے صرف رول نمبر درج کیا جانا مناسب ہے۔ لہذا یہ کانفرنس ان تمام یونیورسٹیوں سے جن میں یہ طریقہ اس وقت تک رائج نہیں ہے درخواست کرتی ہے کہ اس طریقہ کا اجرا عمل میں لائیں۔

محرک۔ شیخ عبداللہ صاحب وکیل علی گڈھ

موئد۔ مولوی سید طفیل احمد صاحب رئیس منگلور

اس قدر کارروائی کے بعد جناب مسٹر علی محمد خاں صاحب دہلوی بیرسٹرایٹ لا دیوان ریاست پالن پور نے مندرجہ ذیل رزولیوشن اجلاس کے سامنے پیش کیا۔

رزولیوشن نمبر ۹

یہ کانفرنس نہایت افسوس کے ساتھ دیکھتی ہے کہ مسلمان طالبعلموں کو اسلامیہ

جس سکنڈری اور اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے آسکتے ہیں کوئی ہوسٹل ایسا موجود نہیں ہے جس میں رہ کر آسانی کے ساتھ تعلیم پاسکیں جس سے اس صوبہ کے مسلمانوں کی تعلیم میں بڑی رکاوٹ پیدا ہوتی ہے۔ لہذا یہ کانفرنس نہایت زور کے ساتھ مسلمانان گجرات سے اپیل کرتی ہے کہ فوراً ایک عمدہ قسم کے ہوسٹل قایم کرنے کا بندوبست کریں۔

لایق محرک نے بہت موثر طریق پر ہوسٹل کی ضرورت کو بیان کیا اور ابھی وہ اپنی تقریر بھی ختم کرنے نہیں پائے تھے کہ ہر چہار طرف سے چندہ کی بوچھار شروع ہوگئی۔ مسٹر وہلوی کی تقریر کے بعد مسٹر عبدالحافظ باعکظہ، مسٹر جمیل گورا، سید فخرالدین عیدروس صاحب، حاجی سیٹھ حاجی اسمٰعیل میاں صاحب، ابراہیم بہام صاحب اور دیگر اصحاب نے تقریریں کیں۔ تقریروں کے درمیان میں چندہ برابر ہوتا رہا جس کی تعداد اجلاس کی ایک ہی نشست میں نقد اور وعدوں کو ملا کر تقریباً چالیس ہزار تک پہونچ گئی۔ جناب محمد بھائی زری والا نے مبلغ پندرہ ہزار۔ ڈاکٹر اے کے عیدروس اور مسٹر داؤد پٹیل نے دس دس ہزار روپیہ کے چندہ دیے۔

مندرجہ ذیل اصحاب کی کمیٹی قایم ہوئی جو ہوسٹل کو عمل شکل میں لانے اور مزید چندہ فراہم کرنے کی کوشش کرے گی۔ کمیٹی کو یہ اختیار بھی دیا گیا کہ بضرورت اپنی تعداد میں اضافہ کرے۔

فہرست اسماے ممبران مسلم ہوسٹل سورت

(۱) مسٹر عبدالقادر شیخ بی اے اورینٹل ٹرانسلیٹر گورنمنٹ بمبئی۔ سکرٹری و خزانچی

(۲) نواب سردار میر مظفر حسین خاں صاحب رئیس سورت وائس پریسیڈنٹ ریسپشن کمیٹی

(۳) ڈاکٹر عبدالقادر عیدروس مددگار خزانچی

(۴) مسٹر محمد بھائی زری والا

(۵) مسٹر ابراہیم محمد بہام

(۶) مسٹر داؤد شیخ

(۷) مسٹر اسمٰعیل کوتا

(۸) حاجی یوسف حاجی اسمٰعیل میاں صاحب

(۹) حاجی محمد قاسم خودیہ صاحب

(۱۰) میر پیارے صاحب (نوساری)

(۱۱) محمد حاجی احمد عبام

(۱۲) آنریبل خان بہادر ابراہیم ہارون جعفر صاحب رئیس پونا

(۱۳) مسٹر علی محمد خاں صاحب دہلوی بیرسٹر ایٹ لا۔ دیوان ریاست پالن پور

(۱۴) سلیمان آبو صاحب

(۱۵) حاجی ابراہیم توراد

(۱۶) آنریبل صالح بھائی کریم جی بڑودہ والا

(۱۷) نواب زادہ میر حفیظ الدین احمد خاں صاحب

اجلاس سویم

۲۸ دسمبر ۱۹۱۶ء وقت ڈھائی بجے دن

اس اجلاس کی کارروائی میں سب سے پہلے جناب مولانا مولوی محمد حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی آنریری جائنٹ سکرٹری کانفرنس نے کانفرنس کی سالانہ رپورٹ اور گوشوارہ حسابات پیش کیا۔ رپورٹ پیش کرنے سے قبل تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ تک قومی تعلیم، علی گڈھ تحریک اور کانفرنس کے مقصد اور عملی کاموں کے متعلق نہایت پُر مغز اور عالمانہ تقریر فرمائی جس کو حاضرین جلسہ نے بہت توجہ اور دلچسپی کے ساتھ سنا اور وقتاً فوقتاً صدائے تحسین اور نعرہ ہائے مسرت بلند کئے۔ افسوس ہے کہ اردو مختصر نویسی کے نہ ہونے کی وجہ سے یہ تقریر قلمبند نہ ہو سکی۔ ضیق وقت کی وجہ سے رپورٹ اگرچہ تمام و کمال پڑھ کر نہیں سنائی گئی لیکن جلسہ نے اس کو معہ گوشوارہ حسابات منظور کیا جو ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

سالانہ رپورٹ آنریری جائنٹ سکرٹری کانفرنس

بابت سال ۱۹۱۶ء

جناب صدر و حضرات!

کانفرنس کا یہ تیسواں اجلاس ہے۔ اور میں جناب صدر کی اجازت سے چند الفاظ اُن کاموں کے متعلق عرض کرنے کھڑا ہوا ہوں جو اس انجمن کے ذریعہ سے اس سال عمل میں آئے لیکن یہ حالت پیش کرنے سے قبل میں چاہتا ہوں کہ مختصر طور سے قوم کی تعلیمی کیفیت پر اظہار خیال کروں۔ جناب صدر نے اپنے قابلانہ ایڈریس میں تمام ملک کے مسلمانوں کی

تعلیمی حالت تفصیل کے ساتھ ظاہر کی ہے، اس لئے میں صرف صوبہ بمبئی کے حالات پیش کروں گا۔

حضرات! جنگ یورپ کے ختم ہوتے ہی دنیا کے ہر گوشہ اور ہر خطہ میں انقلاب اور شکست و ریخت کی گرم بازاری ہے۔ خود ہمارے ملک پر اس انقلاب کا نمایاں اثر پڑا ہی اور آیندہ اور زیادہ پڑنے والا ہے۔ ملک کے نظام حکومت میں جو تبدیلیاں درپیش ہیں، اور جن کے لحاظ سے اہل ملک کو حکومت میں جو حصّہ اور جو درجہ ملنے والا ہے غور کرنا یہ ہے کہ اس میں ہم مسلمانوں کا کیا حصّہ اور کیا درجہ ہوگا۔ سوال یہ ہے کہ کیا ہماری قوم ان اعلیٰ ذمہ داریوں کو اپنے ہندو اور پارسی ہموطنوں کے دوش بدوش اچھی طرح انجام دینے کے لئے اور اپنے مذہبی اور قومی حقوق کے محفوظ رکھنے کے لئے تیار ہے یا تیاری کی تدبیروں میں مصروف ہے؟ اس سوال پر غور کرنے کے لئے سب سے پہلے ہم کو اپنی تعلیمی حالت پر نظر کرنا ہوگی کیونکہ قوموں کی کشاکش میں بقاے قومی کے لئے افراد قوم کی تعلیم اول شرط ہے تعلیم سے میرا مطلب وہ تعلیم نہیں جو عرف عام میں تعلیم کہلاتی ہے اور جس سے دفتروں کے کلارک اور گورنمنٹ کے ملازم پیدا ہوتے ہیں، بلکہ تعلیم کو میں نے وسیع معنی میں استعمال کیا ہے جس سے مراد صنعتی، تجارتی، حرفتی اور ہر قسم کے علم و فن کا حاصل کرنا اور دماغ میں ایسی روشنی اور دل میں ان اعلیٰ خیالات اور جذبات کا پیدا ہونا ہے جس کی بدولت ایک قوم دوسری قوم پر غلبہ اور تفوق حاصل کرتی ہے۔ اس لحاظ سے غور کیجیے کہ میدان تعلیم میں ہماری قوم کا اس وقت کیا درجہ ہے۔

دیسی ریاستوں کو چھوڑ کر صوبہ بمبئی کی کل آبادی ایک کروڑ چھیانوے لاکھ تراسی ہزار دو سو انچاس ہے، جس میں سے مسلمانوں کی تعداد چالیس لاکھ ستائیس ہزار ایک سو اٹھتر ہے یعنی تقریباً ۲۰ فی صدی ہے لیکن اس صوبہ کی کل آبادی میں ایک بڑی تعداد ہندوؤں کی اچھوت ذاتوں کی شامل ہے جن کو تعلیم سے نہ کبھی کوئی تعلق اور واسطہ رہا اور نہ اس وقت ہے اگر

ان اقوام کی تعداد کو ہندوؤں کی تعداد میں سے خارج کر دیا جائے تو مسلمانوں کا فی صدی اوسط بجائے بیس فیصدی کے چالیس فی صدی تک پہونچتا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ تعلیم کے مختلف شعبوں میں مسلمانوں کا اوسط دیگر اقوام کے مقابلہ میں کیا ہے۔ وہ ذیل کے اعداد سے ظاہر ہے:-

نمبر	اقسام تعلیم	بمقابلہ تمام اقوام کی طلبہ کی مسلمان طلبہ کی فیصد تعداد
۱	اعلیٰ تعلیم (آرٹس کالج)	۳٫۹
۲	پیشہ کی اعلیٰ تعلیم (پروفیشنل کالج)	۲٫۹
۳	ثانوی تعلیم	۴٫۷
۴	ابتدائی تعلیم	۱۷٫۵
۵	اسپیشل اسکول	۱۳٫۴

اے حضرات! کیا اس سے بڑھ کر ہماری عبرت کا کوئی اور مرقع ہو سکتا ہے کہ علم کے میدان میں پیروان اسلام کا کہیں پتہ نہیں۔ ذرا ذیل کے اعداد پر غور فرمائیے جو یونیورسٹی کے مختلف امتحانات کے نتائج ظاہر کرتے ہیں۔

نتائج امتحانات بمبئی یونیورسٹی

(یہ اعداد سنہ ۱۹۱۶-۱۷ء کے متعلق ہیں)

نمبر	نام امتحان	ہندو	پارسی	مسلمان	
۱	ایم اے	۵۰	۶	۲	
۲	ایم ایس سی	۱	۱	۰	

نمبر	نام امتحان	ہندو	پارسی	مسلمان	
۳	بی اے	۴۷۵	۵۳	۲۳	
۴	بی ایس سی	۲۲	۱۲	۰	
۵	انٹرمیڈیٹ	۶۳۲	۵۰	۱۹	
۶	انٹرمیڈیٹ (سائنس)	۵۹	۱۴	۰	
۷	پیشہ قانون (ایل ایل بی)	۱۳۴	۱۴	۶	
۸	تجارت کی اعلیٰ تعلیم	۲۳	۳	۰	
۹	تجارت کی ادنیٰ تعلیم	۱۵۴	۸۳	-	
۱۰	ڈاکٹری	۱۲۹	۳۰	۶	
۱۱	انجنیری	۷۵	۱۳	۴	
۱۲	فن تدریس کی اعلیٰ تعلیم	۲۸	۰	۱	
۱۳	زراعت	۳۷	۴	۷	
۱۴	ٹیکنیکل تعلیم (اعلیٰ)	۳۳	۱۰	۰	
۱۵	(ادنیٰ)	۱۱۰۷	۰	۲۱۱	
۱۶	اسکول آف آرٹ (نقشہ کشی ڈرائنگ نقشہ)	۱۴۰۱	۱۹۴	۱۲۹	
۱۷	میٹرکولیشن	۱۰۴۷	۱۷۷	۷۲	
۱۸	اسکول فائنل	۴۷۵	۱۲	۲۸	
۱۹	اینگلو ورنیکولر مڈل	۳۵۱۶	۶۱۵	۴۷۹	
۲۰	اپر پرائمری	۲۰۷۶۲	۴۳۲	۳۱۸۹	
۲۱	لوور پرائمری	۳۰۴۳۶	۸۹۳	۴۷۶۷	
۲۲	ٹریننگ اسکول برائے اساتذہ	۱۱۵۷	۰	۲۱۱	
۲۳	استانیوں کے ٹریننگ اسکول	۲۳۰	۱۹	۲۴	

حضرات! قوم مجموعہ ہے افراد قوم کا۔ تا وقتیکہ کسی قوم کے افراد ہر فن اور پیشہ میں اپنا
کافی حصہ نہ حاصل کریں اس قوم اور اس جماعت کا دنیا میں کوئی درجہ اور کوئی اثر نہیں ہے
اس صوبہ کے مسلمان تجارت کے میدان میں خدا کا شکر ہے دیگر اقوام کے مقابلہ میں قابل
وقعت درجہ رکھتے ہیں۔ سورت، بمبئی، راندیر وغیرہ کے مسلمان تاجر حقیقت میں تمام
ہندوستان کے مسلمانوں کے لئے باعث فخر ہیں۔ خدا تعالیٰ سے دعا ہے کہ تجارت کے
میدان میں مسلمانوں کو اس سے زیادہ فروغ ہو۔ لیکن حضرات، قومی قوت، قومی ترقی اور
قومی وقار اور قومی اثر کے لئے کیا مسلمان تاجر کے ساتھ مسلمان ڈاکٹر، مسلمان انجنیر، مسلمان
بیرسٹر، مسلمان وکیل، غرضکہ ہر پیشہ اور فن کے مسلمان کا وجود ایسا ہی ضروری نہیں ہے
کیا گورنمنٹ کے اعلیٰ عہدوں، حکومت کے مختلف صیغوں میں ہماری قوم کا کوئی حصہ نہیں
ہونا چاہیئے لیکن صاحبو! آپ کی تعلیمی حالت کا جو مرقع آپ کے سامنے ہے اور مختلف
شعبہ ہائے تعلیم کے متعلق جو اعداد ابھی آپ کو پڑھ کر سنائے گئے ہیں اُن کے لحاظ سے یہ
نتیجہ صاف ظاہر ہے کہ اگر خدانخواستہ تعلیم کی طرف سے یہ ہی بے پروائی اور غفلت
رہی جو آج ہے تو نہ صرف گورنمنٹ اور حکومت کے مختلف صیغوں میں بلکہ پبلک منفعت کے
مختلف کاموں میں ہماری قوم کا کہیں ٹھکانا نہ ہوگا۔

اب سوال یہ ہے کہ اصلاح حال کے لئے ہم کو بہ حیثیت قوم کے کیا کرنا ہے۔ زمانہ
کی ٹھوکروں، تغیرات عالم اور جدید ضرورتوں نے اس امر کو ثابت کر دیا ہے کہ قوموں کی
کشاکش اور نبرد آزمائی میں وہ ہی قوم بازی لے جا سکتی ہے اور اپنا وجود عزت اور وقار کے
ساتھ قائم رکھ سکتی ہے یعنی جس کے افراد کے دل و دماغ تعلیم سے روشن اور منور ہوں۔

ذرائع تعلیم روز بروز گراں ہوتے جاتے ہیں گورنمنٹ کالجوں اور دیگر اقوام کی درس
گاہوں میں مسلمان طالب علموں کے لئے حصول تعلیم میں جو موانع پیش آتے ہیں اور جو دقتیں اور
دشواریاں حائل ہوتی ہیں ان کا اعادہ فضول ہے۔ ایسے ہی اسباب و وجوہ پر نظر کر کے

مسلمانوں کے سلئے خاص اپنی درس گاہیں قایم کرنے کا مسئلہ ترقی تعلیم کے لئے نہایت
ضروری ہوگیا ہے۔ باوجودیکہ سرکاری اسکول اور کالج اس لحاظ سے کہ اون کے منتظمین
و اساتذہ اور طلبا کی تعداد میں ہندوؤں کا غلبہ ہے عملاً ہندوؤں یا غیر اقوام کی مدارس ہیں
لیکن اس حالت پر بھی ہر صوبہ اور ہر حصۂ ملک میں اون کی درس گاہیں قایم ہیں یا قایم
ہو رہی ہیں۔ خاص اسی شہر کو لے لیجیئے حالانکہ مسلمانوں کی اور متمول اور ذی مقدرت مسلمانوں
کی بہت کافی آبادی ہے لیکن کوئی تعلیمی درس گاہ ادنیٰ درجہ کی بھی موجود نہیں ہے اس
کے خلاف ہندو اور پارسی گورنمنٹ اسکولوں اور دیگر مدارس سے پورے طور پر مستفید ہوتے
ہیں لیکن اون کے اپنے قومی اسکول کالج یتیم خانے نہایت کامیابی کے ساتھ چل رہے
ہیں اور تعلیم کی روشنی اپنی قوم کے غریب سے غریب اور تاریک سے تاریک گھرانوں میں
پہونچا کر قومی عروج اور قومی ترقی کا ذریعہ بن رہے ہیں۔ اس صوبہ میں دو درس گاہیں ایسی ہیں
جو ایک حد تک مسلمانوں کی تعلیم کا بیڑہ اٹھائے ہوئے ہیں۔ یعنی "انجمن اسلامیہ ہائی اسکول
بمبئی" و "سندھ مدرسۃ العلوم کراچی" لیکن جتنے عرصہ سے یہ درس گاہیں قایم ہیں اور جس قدر
کثیر مصارف بانیان مدارس اور حامیان تعلیم نے اس وقت تک اُن پر صرف کئے ہیں وہ
اگر ہندو درس گاہوں پر صرف ہوتے تو یقیناً اون نتائج سے زیادہ شاندار نتائج مترتب
ہوتے جو آج تک ان درس گاہوں سے ہوئے ہیں۔ ان حالات کے اعتبار سے میری
یہ ناچیز رائے ہے اور میں نہایت اصرار کے ساتھ بزرگان گجرات و کاٹھیاواڑ و سندھ
و خاندیس کی خدمت میں عرض کروں گا کہ اشاعت تعلیم کے کام کو عملاً اختیار کرنے کے لئے
تقسیم عمل کے اعتبار سے زیادہ مناسب یہ ہوگا کہ ان تمام صوبجات میں جداگانہ اسلامی تعلیمی
سوسائٹیاں قایم ہوں اور تقسیم وظائف و اجرائے مدارس کا کام عملی طور سے شروع کریں۔
خاص سورت میں ہوسٹل قایم کرنے کے متعلق ابھی آپ کے سامنے تحریک پیش کی جائیگی
نیز تقسیم وظائف کے لئے سرمایہ فراہم کرنے اور ہر مقام پر اجرائے مدارس کے ساتھ ضروری

تحریکیں مختلف رزولیوشنوں کے ذریعہ سے آپ کی توجہ اور اعانت کے لئے پیش ہوں گی۔

حضرات! امسال ہم لوگوں کے یہاں حاضر ہونے اور کانفرنس کے اجلاس کو آپ کے اس تاریخی شہر میں منعقد کرنے سے جو مقصد اور غرض ہے وہ صرف یہ ہے کہ ہم سب آپس کے صلاح مشورہ اور تبادلہ خیالات سے وہ تدابیر سوچیں اور عملاً اختیار کریں جن کے ذریعہ سے خاص اس صوبہ اور پریسیڈنسی کے مسلمانوں میں اشاعت تعلیم کا کام خاطر خواہ طور سے ہو سکے۔ جیسا کہ عرض کر چکا ہوں کانفرنس کا یہ بتیسواں سالانہ اجلاس ہے اور گزشتہ اکتیس سال میں اس کانفرنس کے اجلاس ملک کے مختلف حصوں اور صوبوں میں منعقد ہوئے۔ خدا کا شکر ہے کہ اس کانفرنس کی بدولت تمام ہندوستان کے مسلمان اپنی تعلیمی ضروریات اور مقاصد کے لحاظ سے ایک قومی پالیسی پر متحد ہو گئے ہیں۔ صوبہ برہما، بنگال، بہار، مدراس وغیرہ میں جو شاخیں اس کانفرنس کی قایم ہیں، الحمد للہ کہ وہ اپنے اپنے صوبہ کے مسلمانوں کی تعلیمی بہبودی کا کام خوبی اور خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دے رہی ہیں۔ مجھے افسوس کے ساتھ عرض کرنا پڑتا ہے کہ خاص اس صوبہ میں ان حالات و وجوہ کی بنا پر جن سے آپ سب واقف ہیں، پریسیڈنسی محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس اپنے مقاصد و اغراض کے اعتبار سے اس وقت تک کچھ نتیجہ خیز کارروائی عمل میں نہیں لا سکی ہے۔ اگرچہ اس میں شبہ نہیں کہ ہمارے لایق اور جواں ہمت دوست آنریبل خان بہادر ابراہیم جعفر اور دوسرے بزرگوں کی توجہ اور کوشش چند سال سے اس کانفرنس کو کامیاب بنانے میں مصروف ہے اور جو اسکول ان حضرات کی بدولت ہبلی میں قایم ہوا ہے وہ ان حضرات کی مساعی جمیلہ کا مشکور ہے۔

اس صوبہ میں بخلاف اور صوبہ جات کے مسلمانوں کی خاص خاص قومیں خاص خاص حصوں میں آباد ہیں جو بہ لحاظ اپنی مادری زبان اور طرز معاشرت کے ایک دوسرے سے مختلف حیثیت رکھتی ہیں اور جن کے تعلیمی حالات اور ضروریات بھی خاص خاص ہیں مثلاً سندھ، گجرات، کاٹھیاواڑ، خاندیس وغیرہ، ان حالات کی بنا پر حصول مقصد کے لئے جیسا کہ میں

ابھی عرض کر چکا ہوں۔ شاید یہ زیادہ مناسب ہوگا کہ تقسیم عمل پر کاربند ہوں اور ہر ضلع کے مسلمان اپنی تعلیمی ضروریات کے لئے جداگانہ سوسائٹیاں قایم کریں اور قایم کرنے سے پہلے عمل کا عزم بالجزم کریں۔ باتیں بنانے اور اسکیمیں مرتب کرنے میں ہم بہت وقت ضایع کر چکے ہیں۔ کاش دوسری اقوام کی مثال پیش نظر رکھ کر عمل پر کاربند ہوں۔

اب میں چند الفاظ اوس کام کے متعلق عرض کرنا چاہتا ہوں جو آپ کی کانفرنس کے ذریعہ سے اس سال عمل میں آیا۔ اگرچہ اوس عالم گیر جنگ کے اثرات سے (جو خدا کا شکر ہے اب ختم ہوگئی ہے) کانفرنس کا کاروبار بھی محفوظ نہ رہ سکا اور قدم قدم پر مالی مشکلات اور دیگر موانع سد راہ رہے لیکن جو کچھ ہوا اوس سے آپ اندازہ فرماسکیں گے کہاں تک اطمینان بخش ہے۔ سب سے بڑا کام یہ ہوا ہے کہ صوبہ بہار میں پراونشل کانفرنس قایم کردی گئی اور معقول سرمایہ سے اسلامی اخبار اردو پریس کی بنیاد پڑی۔ کانفرنس کے متعدد جلسے منعقد ہوے۔ صوبہ بہار کے تمام ذی اثر اور صاحب مقدرت مسلمانوں نے اپنی ہمدردی اور اعانت سے مدد کی اور اب اجرائے اخبار کا کام کانفرنس نے عملاً شروع کیا ہے۔ اور اس تمام کام میں سید مظفر حسین صاحب سفیر آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کی خدمات قابل قدر ہیں صوبہ متحدہ میں سفیران کانفرنس کے ذریعہ سے کمشنری میرٹھ، آگرہ، روہیلکھنڈ، لکھنؤ کے مختلف مقامات میں اسپیشل اسلامیہ اسکول قایم کرائے گئے اور مکاتب کو امداد دلائی گئی۔ ایک سفیر کی خدمات انجمن تعلیم المسلمین اودھ کو منتقل کی گئیں جنہوں نے چند ماہ تک انجمن کی زیر ہدایت اجرائے مدارس کا کام انجام دیا۔ صوبہ پنجاب میں سید فیض الحسن صاحب سفیر نے اسلامیہ ہائی اسکول جالندھر اور اسلامیہ مڈل اسکول دسوہہ ضلع ہوشیارپور کو جن کی مالی اور انتظامی حالت بہت کمزور ہوگئی تھی مسلسل چھ ماہ تک کوشش کرکے اور ان کے منتظمین اور اراکین کو مدد دے کر ان ہر دو اسکولوں کے لئے کافی فنڈ فراہم کرایا اور ان کی انتظامی حالت کو درست کیا اور کام کر سکنے والے حضرات کو کام کرنے کی ترغیب دلائی

اون کو کام میں لگایا۔ اور کافی تعداد میں مسلمان بچوں کو پرائمری اور سکنڈری اسکولوں میں داخل کرایا نیز مسلمان اساتذہ کی کمی کا لحاظ کرکے مسلمان طلبہ کو نارمل اسکولوں اور ٹریننگ کالج میں بہ تعداد کثیر داخل ہونے کی ترغیب دی۔

اسلامی اسکولوں کی عام حالت اور رفع نقائص کی تدابیر کے متعلق انعامی مضامین لکھوائے گئے اور منتظمین اسلامیہ اسکولوں کے فائدہ کی غرض سے اون کو شایع کیا گیا۔ ایک خاص کام اس سال یہ ہوا ہے کہ کانفرنس گزٹ ماہ اپریل سے جاری ہوا۔ کانفرنس کی یہ ایک دیرینہ تجویز تھی کہ مسلمانوں میں عام طور سے فن تعلیم و تدریس کے اصولوں اور تعلیم کی مختلف حالتوں اور حیثیتوں کے متعلق بے خبری ہے، اس لئے مسلمان والدین اور منتظمین مدارس کی واقفیت و معلومات اور فائدہ کی غرض سے ایک ماہوار رسالہ شایع ہو۔ خدا کا شکر ہے کہ اس رسالہ کے آٹھ نو نمبر نکل چکے ہیں جس میں علاوہ علمی مضامین کے خاص فن تعلیم و تدریس پر مفید مضامین شایع ہوئے جن کو عام طور سے پسند کیا گیا اور متعدد اخبارات نے اپنے کالموں میں اون کو نقل کیا۔ اس کے علاوہ ایک قابل قدر مضمون فن تعلیم کی گزشتہ تاریخ پر میرے مکرم دوست جناب ڈاکٹر ضیاء الدین احمد صاحب پی ایچ ڈی، سی آئی ای پروفیسر مدرسۃ العلوم علی گڈھ نے تحریر فرمایا جو اب بصورت رسالہ کے جداگانہ طور سے چھاپا گیا ہے۔

لائف ممبروں کی تعداد اس وقت تک صرف بارہ ۱۲ تھی۔ کانفرنس کی مالی حالت کو سنبھالنے کے لئے سرمایہ بہم پہونچانے کی ایک تدبیر یہ اختیار کی گئی کہ لائف ممبروں کی تعداد میں اضافہ ہو۔ اس غرض کے لئے منشی وزیر خاں صاحب کا تقرر بطور سفیر کیا گیا جنہوں نے اس وقت تک اپنی خدمات کو قابل قدر طریقہ سے انجام دیا ہے۔ اور اب لائف ممبروں کی تعداد پچاس تک پہونچ گئی ہے۔

اس سلسلہ میں ان بزرگوں کے اسماء گرامی آپ کو سناتا ہوں جنہوں نے مبلغ ۱۲۵ کی رقم یکمشت عطا فرما کر اس سال لائف ممبری قبول کی ہے۔

فہرست لائف ممبران

(۱) نواب بہادر عبدالصمد خاں صاحب رئیس طالب نگر ضلع علی گڈھ
(۲) نواب احمد سعید خاں صاحب رئیس چھتاری ضلع بلند شہر
(۳) مولوی حبیب الرحمن خاں صاحب رئیس حبیب گنج ضلع علی گڈھ
(۴) مولوی محمد عابد خاں صاحب رئیس بھیکم پور " "
(۵) راجہ اصغر علی خاں صاحب رئیس اصغر آباد ضلع بلند شہر
(۶) کنور عبدالجلیل خاں صاحب رئیس دہرم پور " "
(۷) محمد اکبر نذر علی حیدری صاحب ہوم سکرٹری۔ حیدرآباد دکن
(۸) ہشٹر حسن لطیف صاحب ڈویزنل انجنیر "
(۹) مولوی کرامت اللہ خاں صاحب ناظم تعمیرات "
(۱۰) مسٹر سید راس مسعود صاحب ناظم تعلیمات "
(۱۱) خان فضل محمد خاں صاحب پرنسپل گورنمنٹ سٹی ہائی اسکول حیدرآباد دکن
(۱۲) راجہ داس دیو صاحب نواسہ راجہ دل سکھ رام صاحب بہادر آنجہانی "
(۱۳) مسز سروجنی نائڈو صاحبہ "
(۱۴) نواب فرید نواز جنگ بہادر نبیرہ نواب اقبال الدولہ بہادر مرحوم "
(۱۵) ہز ایکسلینسی نواب لطافت جنگ بہادر معین المہام افواج سرکار عالی "
(۱۶) مولوی مظفر علی صاحب وکیل ہائیکورٹ "
(۱۷) مولوی غلام اکبر خاں صاحب جج ہائیکورٹ "
(۱۸) نواب رسول یار جنگ بہادر انسپکٹر پائگاہ آسمان جاہی و خورشید جاہی حیدرآباد دکن

(۱۹) نواب لطافت جنگ بہادر	حیدرآباد دکن
(۲۰) مولوی سید ابراہیم علی صاحب وکیل ہائیکورٹ	"
(۲۱) نواب شاد محمد حفیظ الدین احمد خاں صاحب رئیس	سورت
(۲۲) مولوی فخرالدین احمد صاحب صدر محاسب	حیدرآباد دکن
(۲۳) احمد نظر محمد فتح علی شیخ احمد صاحب	بمبئی
(۲۴) نواب میر مسعود عالم خاں صاحب رئیس	سورت
(۲۵) مسٹر دتو ہیری صاحب کنٹرولر کسٹم	حیدرآباد دکن
(۲۶) نواب منظور جنگ بہادر	"
(۲۷) مرزا سمیع اللہ بیگ صاحب چیف جسٹس	"
(۲۸) سید نورالباقی صاحب جاگیردار	"
(۲۹) مولوی عبدالحق صاحب بی اے آنریری سکرٹری انجمن ترقی اردو	"
(۳۰) حاجی محمد یسین صاحب سوداگر چارکمان	"
(۳۱) سیٹھ حاتم بھائی غلام حسین صاحب	سورت
(۳۲) سیٹھ عبدالحسین عبدالکریم صاحب	"
(۳۳) آنریبل صالح بھائی کریم جی بڑودہ والا	بمبئی

وظائف

حضرات! مسلمانوں کی ترقی تعلیم کے لئے ہونہار مسلمانوں کو مختلف شعبہ ہائے تعلیم کے لئے وظائف دینے کا مسئلہ نہایت اہم ہے۔ اور کانفرنس اس خدمت کو بقدر اپنی مالی استطاعت کے انجام دیتی رہی ہے۔ کانفرنس کے وظائف کسی خاص صوبہ کے لئے مخصوص نہیں۔ چنانچہ امسال بھی بمبئی، پنجاب، بہار، بنگال اور صوبہ متحدہ کے طلبہ کو وظائف دیئے

گئے لیکن کانفرنس کی آمدنی نہ صرف محدود ہے بلکہ چند سال سے مالی حالت متغیر ہو رہی ہو جاتی ہے۔ اس لئے بہت سی درخواستیں ہونہار اور مستحق امداد طلبہ کی مجبوراً نامنظور کرنا پڑتی ہیں۔ کاش مسلمان تعلیمی ضروریات کی طرف متوجہ ہوں۔ جیسا کہ ہمارے محترم صدر نے فرمایا ہے ہونہار مسلمانوں کے لئے مختلف شعبہ ہائے تعلیم کے لئے سلسلہ وظائف قائم ہونا قومی تعلیم کے لئے نہایت ضروری ہے۔ کانفرنس نے عرصہ سے یہ سلسلہ جاری کر رکھا ہے لیکن کانفرنس کے پاس اس مقصد کے لئے سرمایہ موجود نہیں۔ قومی تعلیم کا انحصار اب حامیان تعلیم کی مدد اور دولت مند اصحاب کی توجہ پر منحصر ہے جو وظائف کی شکل میں حاصل ہونی چاہیے ایسے فیاض اور ہمدرد بزرگوں سے امید کی جاتی ہے کہ وہ اس مقصد کے واسطے کانفرنس کی مدد کریں گے تاکہ قابل امداد طلبہ کو تعلیم کی ہر شاخ میں وظائف سے مدد دی جائے۔

حضرات! کانفرنس کی مالی حالت کا اندازہ آپ اس سے فرما سکتے ہیں کہ جو انجمن سات کروڑ مسلمانانِ ہند کی تعلیمی ترقی کے لئے قائم ہے اوس کو باوجود ہر طرح کی سعی و کوشش کے تمام ہندوستان کے مسلمانوں سے ۱۹۱۰ء میں سات ہزار نو سو ننانوے اور ۱۹۱۱ء میں اسوقت تک تقریباً دو ہزار روپیہ آمدنی فیس ممبری و وزیٹری سے وصول ہوئے ہیں۔

حضرات! یہ واقعہ حقیقت پر مبنی ہے کہ اگر اعلیٰ حضرت شاہ دکن کی شاہانہ سرپرستی ریاست بھوپال و بہاولپور اور چند دیگر رؤسا کی فیاضانہ دستگیری شامل حال نہ ہوتی تو کانفرنس کا کام چلنا تقریباً ناممکن تھا۔ حضور بیگم صاحبہ بھوپال کی فیاضانہ امداد سے کانفرنس کے صدر دفتر کی عمارت اور لائبریری عالم وجود میں آئی۔ اور شاہ دکن کی دستگیری سے دفتر کے اخراجات کے لئے پانچ سو روپیہ ماہوار کا سرمایہ بہم پہونچا۔ کاش مسلمانوں کی کافی تعداد بہت قلیل رقم یعنی پانچ پانچ روپیہ سالانہ دے کر کانفرنس کی ممبری قبول فرمائے تو اس آمدنی سے بھی جو کچھ پس انداز ہو اس سے وظائف کے لئے معقول تعداد میں ہونہار طلبہ کو وظائف دیے جانے کا اہتمام ہو سکتا ہے۔

اس کے بعد شیخ عبداللہ صاحب وکیل علی گڑھ نے ذیل کا رزولیوشن جلسہ کے سامنے پیش کیا

رزولیوشن نمبر ۱۰

بلحاظ اس تاخیر کے جو مسلم یونیورسٹی کے قائم ہونے میں واقع ہوئی ہے اس کانفرنس کا یہ مضبوط خیال ہے کہ اس مقصد کے حصول کے لئے جلد تر قانونی کارروائی کی تکمیل میں کوشش کی جائے

رزولیوشن مذکور کی تحریک پیش کرتے ہوئے لائق محرک نے مختصراً ان نقصانات کو بیان کیا جو مسلم یونیورسٹی کے اب تک وجود میں نہ آنے کی وجہ سے قومی تعلیم کو عموماً اور محمڈن کالج علی گڑھ کو خصوصاً پہونچے اور پہونچ رہے ہیں۔ اسی کے ساتھ انہوں نے ان فوائد کی طرف اشارہ کیا جو ہندو یونیورسٹی کے قیام کی وجہ سے ہماری ہمسایہ قوم کو اپنی قوم کی تعلیمی ترقی کے لئے حاصل ہوئے اور ہو رہے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ مسلم یونیورسٹی کی تحریک اسی کانفرنس کے اجلاس میں سب سے پہلے شروع ہوئی اور کانفرنس نے برابر اپنے اجلاسوں میں اس کی تائید کی ہے لہذا کانفرنس کا فرض ہے کہ وہ یونیورسٹی کی مردہ تحریک کے زندہ کرنے میں مدد دے۔ قاضی کبیر الدین صاحب بیرسٹر ایٹ لا بمبئی، پروفیسر سید نواب علی صاحب بڑودہ کالج، حسام الملک نواب سید علی حسن خاں صاحب اور دیگر حضرات نے تائید میں تقریریں کیں۔ جملہ حاضرین کی اتفاق رائے سے رزولیوشن مذکور پاس ہوا۔

اس کے بعد مندرجہ ذیل رزولیوشن محرک و موید حضرات کی تحریک و تائید کے ساتھ بالاتفاق منظور ہوئے۔

رزولیوشن نمبر ۱۱

مسلمانان صوبہ بمبئی و مدراس کی تعلیمی پس ماندگی کے لحاظ سے یہ کانفرنس نہایت ادب کے ساتھ ان صوبجات کی گورنمنٹوں سے مستدعی ہے کہ مسلمانوں کی تعلیمی ضرورت کی نگرانی کے لئے بعض صوبجات ممالک متحدہ کے ایک اسپیشل محمڈن انسپکٹر کا تقرر کر کے مسلمانوں کی تعلیمی

ٹواں کا کام اس کے سپرد کریں۔

محرک۔ سردار پیر صاحب بھروچ

مؤیدین { مسٹر ایم اے منصور صاحب مالیگ
(نواب سید صدرالدین صاحب (بڑودہ)

رزولیوشن نمبر ۱۲

اس کانفرنس کو افسوس ہے کہ صوبہ سندھ میں جہاں ۷۰ فی صدی سے زیادہ مسلمانوں کی آبادی ہے مسلمانوں کی تعلیمی حالت نہایت پست ہے ہم مذہب اساتذہ کا تقرر اسکولوں میں مسلمان والدین کے لئے باعث ترغیب ہوتا ہے اس لئے اس کانفرنس کی رائے میں ضروری ہے کہ محکمہ تعلیم میں مسلمان افسروں اور مسلمان اساتذہ کی تعداد میں اضافہ کیا جاے۔ اس لئے یہ کانفرنس ادب کے ساتھ گورنمنٹ بمبئی کی توجہ اس ضرورت کی طرف منعطف کرتی ہے اور درخواست کرتی ہے کہ قابل مسلمانوں کا تقرران عہدوں پر کیا جاے۔

محرک۔ سید عطاء اللہ شاہ صاحب بیرسٹرایٹ لا

مؤید۔ نواب زادہ میر حفیظ الدین احمد خاں صاحب

رزولیوشن نمبر ۱۳

اس کانفرنس کی رائے ہے کہ ممالک متحدہ آگرہ واودھ میں اسپیشل اسلامیہ اسکولوں اور مکاتب کی مدرسی کے لئے اسلامیہ مدارس کے متوسط درجہ کے عربی و فارسی پڑھے ہوے مسلمانوں کو کچھ عرصہ تک نارمل اسکولوں میں تعلیم دلاکر اور طرز تدریس سکھاکر تیار کیا جاے تو بہت کامیابی کی امید کی جاسکتی ہے۔

محرک۔ مولوی سید طفیل احمد صاحب منگلور مؤید۔ میر پیارے صاحب

رزولیوشن نمبر ۱۴

مسلمانوں میں اعلیٰ تعلیم کی اشاعت کے لئے ضرورت ہی کہ الہ آباد، کلکتہ، پنجاب، بمبئی اور مدراس یونیورسٹیوں کے سینٹ، سنڈیکیٹ اور جملہ فیکلٹیوں اور بورڈوں میں مسلمان ممبروں کی تعداد کافی ہو۔ بنابریں یہ کانفرنس ارکین یونیورسٹی سے اصرار کے ساتھ درخواست کرتی ہی کہ وہ مسلمانوں کی کافی نیابت کا جلد تر اہتمام کریں۔

محرک۔ مولوی نظام محمد صاحب شملوی

موئد۔ ڈاکٹر منصور صاحب احمد آبادی

رزولیوشن نمبر ۱۵

یہ کانفرنس عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد دکن جیسی عظیم الشان علمی تحریک کی بسرعت تمام بخیر و خوبی وجود میں آنے پر اعلیٰ حضرت بندگان عالی حضور نظام خلد اللہ ملکہ، و سلطنتہٗ کی بارگاہ میں جذبات احسانمندی کے ساتھ تہنیت و مبارکباد پیش کرتی ہی اور عثمانیہ یونیورسٹی کو ملک اور قوم کے حق میں آیۂ رحمت سمجھتی ہی۔

محرک۔ سید محمد علی صاحب آنریری سکرٹری محمدن کالج علی گڈھ

موئیدین:
- قاضی کبیر الدین صاحب بیرسٹرایٹ لا بمبئی
- آنریبل خان بہادر ابراہیم ہارون جعفر صاحب پونہ
- مسٹر غلام محمد منشی صاحب بیرسٹرایٹ لا راجکوٹ

رزولیوشن نمبر ۱۶

اس کانفرنس کی رائے میں تمام سرکاری اور امدادی ہائی اسکولوں میں ایک ہی قسم کی کتب

درسیہ رائج ہونا ضروری ہیں اور اگر کسی تبدیلی کی ضرورت محسوس ہو تو تعلیم کے اغراض کو مد نظر رکھ کر مناسب وقفہ کے بعد ایسی تبدیلی ہونا چاہئے، نیز ہیڈ ماسٹروں کو یہ اختیار ہو کہ وہ ہر سال کتب درسیہ میں اپنی رائے سے تبدیلی کر سکیں۔

محرک۔ مسٹر علی محمد خاں صاحب دہلوی بیرسٹرایٹ لا

موید۔ پیر موٹا میاں صاحب بڑودہ

نیز اس اجلاس میں جناب مولوی سید غلام بھیک صاحب نیرنگ وکیل انبالہ نے اپنی نظم موسومہ "آہنگ حق" پڑھ کر سنائی جس سے سامعین بہت متاثر ہوئے اور جناب مولانا محمد حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی نے اس نظم پر ایک اشرفی نچھاور کر کے مسلم ہوسٹل کے چندہ میں عطا کی۔

اس قدر کارروائی کے بعد اجلاس ختم ہوا۔ اس اجلاس میں ہی مسلم ہوسٹل کے لئے چندہ کی بعض رقوم کا اعلان ہوا بعض مسلمان خواتین نے ہوسٹل کے چندہ کی کارروائی کا حال سنکر اور اس تحریک سے متاثر ہو کر ایک تحریر کے ساتھ کچھ رقم چندہ بھیجی تھی۔

اجلاس چہارم

۲۸ دسمبر ۱۹۱۸ء بوقت شب

کارروائی اجلاس انجمن ترقی اُردو

سب سے اول مولوی عبدالحق صاحب بی اے سکرٹری انجمن ترقی اُردو کی تحریک اور جملہ حاضرین کی اتفاق رائے سے جناب مولوی وحید الدین صاحب سلیم پانی پتی صدر جلسہ منتخب ہوئے اور آپ نے حسب ذیل خطبۂ صدارت پڑھا۔

خطبہ صدارت

انجمنِ ترقی اُردو

سالانہ اجلاس منعقدہ مقام سورت باہ دسمبر ۱۹۱۸ء

میرے محترم دوستو اور بزرگو! بلاشبہ میں اپنی خوش نصیبی سمجھتا ہوں کہ اس سال انجمن ترقی اُردو کے سالانہ اجلاس کی صدارت کا اعزاز و افتخار مجھے عطا کیا گیا ہے۔ مگر اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ میں اپنے تئیں اس عزت و سربلندی کا مستحق بھی جانتا ہوں۔ حاشا وکلا! یہی وجہ ہے کہ میں نے اس اعزاز کو اپنے لیے خوش نصیبی سمجھا ہے۔ یہ مرتبہ درحقیقت ان لوگوں کے لیے ہے جو نہ صرف زباندان اور ادیب ہوں بلکہ انھوں نے اُردو زبان و ادب کی اہم خدمات انجام دی ہوں۔ میں اس لایق ہرگز نہیں ہوں۔ تاہم جب کہ یہ طرہ افتخار میرے سر پر آویزاں کیا گیا ہے تو اس پر ناز کرنا اور دوستوں اور بزرگوں کی خدمت میں اس موقع پر اپنے چند افکار و خیالات کا پیش کرنا میرا فرض ہے۔

حضرات! آپ کو معلوم ہے کہ یہ انجمن ہماری تعلیمی کانفرنس کی ایک شاخ ہے۔ تعلیم کا لفظ بہت وسیع ہے۔ اس کے مقاصد کا دائرہ بہت دُور تک پھیلا ہوا ہے۔ یہ نہایت عمدہ تجویز تھی کہ ہماری کانفرنس نے اپنے وسیع مقاصد کو چند شعبوں میں تقسیم کر دیا۔ اور ہر شعبے کے لیے ایک معتمد دیا۔ تاکہ ہر مقصد نہایت خوبی کے ساتھ سرانجام پائے۔ کانفرنس کے دیگر شعبوں کے متعلق کچھ بیان

اس وقت میرے فرائض میں داخل نہیں ہے۔ اِس لیے میں اپنے خیالات کو اسی ایک شعبہ یعنی
انجمن ترقی اُردو تک محدود رکھتا ہوں۔

اِس شعبہ یا اس انجمن کا مقصد کیا ہے؟ اِس کا مقصد یہ ہے کہ اُردو زبان کو ترقی دے۔
اس میں دنیا کے بہترین افکار اور بلند ترین معلومات کا سرمایہ مہیا کرے۔ اس کی اشاعت و حفاظت
میں سرگرمی اور جوش سے کام لے۔ آپ کی یہ انجمن ۱۹۰۳ء میں قایم ہوئی تھی۔ بہار و خزاں کے
پندرہ موسم اس پر گزر چکے ہیں۔ شمس العلما مولنا شبلی نعمانی مرحوم، مولانا حبیب الرحمن خاں
شروانی اور عزیز مرزا مرحوم اس کے معتمد رہ چکے ہیں۔ اور اب مولوی عبدالحق صاحب
بی اے کے ہاتھ میں اس کی عنانِ ادارت ہے۔ اوائل ایّام میں اس کی ترقی کی رفتار دھیمی رہی
ہے۔ مگر اب وہ سُرعت کے ساتھ آگے بڑھنا چاہتی ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ جمہور کی توجہ اگر اس کا
ساتھ دے تو وہ بڑے بڑے کارنمایاں انجام دے سکتی ہے۔ اور اگر شروع زمانہ سے ہماری قوم
پوری گرم جوشی سے اس کی امداد کرتی تو آج اِس کے کارنامے ضخیم مجلدات میں بھی مشکل سے
سما سکتے۔ کہا جاتا ہے کہ انجمن نے ابتک بہت کم کام کیا ہے اور جس منزلِ مقصد پر اس کو پہنچنا ہے
اس کی طرف انجمن نے ابھی چند ہی قدم اُٹھائے ہیں۔ مگر اے میرے عزیز دوستو اور اے
میرے محترم بزرگو! اس کا سارا الزام معتمدین پر تھوپنا سراسر ناانصافی ہے۔ کون نہیں جانتا کہ
معتمد تنہا کچھ نہیں کرسکتا جب تک کہ اس کی پشت پر تمام قوم کی اولوالعزمی اور پشت گری نہو۔
سابق معتمدوں نے رفتہ رفتہ جمہور کو اس اہم ضرورت کے سمجھنے اور اس کی امداد کرنے پر
مائل کیا ہے اور اب یہ خاص کام مولوی عبدالحق صاحب بی اے کے زمانہ معتمدی میں زیادہ
سرگرمی سے ہو رہا ہے۔ پہلے انجمن کے پاس کوئی سرمایہ نہیں تھا۔ اب کسی قدر سرمایہ بھی جمع ہوا
ہے۔ انجمن نے اپنی مستقل حیثیت بھی قایم کرلی ہے۔ متعدد کتابیں بھی انجمن کے صرف سے شایع
کی گئی ہیں۔ ملک میں اس کے مقاصد کی اشاعت کا کام بھی انجام پا رہا ہے۔ مگر ابھی ہم منزل
سے ہزاروں کوس کے فاصلہ پر ہیں۔ کیوں؟ اِس لیے کہ ہم میں زندہ قوم کے آثار نہیں پائے

[illegible] کی شدید کمی ہی۔ اور جن میں ابھی تک تازگی و حرارت موجود ہی، وہ اپنے کسی مقصد کو
آزمودہ ترتیب سے ترتیب دے کر خیال کو اپنی جد و جہد کا محور بنا لیتی ہیں۔ اس کے پورا کرنے میں
جانیں لڑا دیتی ہیں۔ وہ کبھی چین سے نہیں بیٹھتیں جب تک کہ اس کو انتہا تک نہ پہنچا دیں۔ اگر
یہ کاوش اور یہی تازگی ہم میں بھی ہو تو پھر ہمارے تمدن کا کوئی شعبہ سرسبزی اور شادابی سے محروم
نہیں رہ سکتا۔ ہمارا کوئی مقصد ایسا نہیں ہو سکتا جس کے انجام تک پہنچنے میں ہمیں ذرا بھی ناکامی ہو۔
پس حریفوں کا محاسبہ کرنے سے پہلے ہم کو خود اپنے نفسوں کا محاسبہ کرنا لازم ہی۔

حضرات! انجمن ترقی اردو کی ضرورت پہلے بھی تھی اور اب بھی ہی۔ مگر اب زمانہ کے حوادث
پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ غفلت کا زمانہ ہو چکا۔ اگر اب بھی بیدار نہ ہوگے تو مشکلات و شدائد کے
پہاڑ سر پر ٹوٹ پڑیں گے۔ اپنی زبان کی حفاظت کرنا، اس کو زندہ رکھنا، اس کو ترقی دینا، اس میں
بلند پایۂ معلومات و خیالات کا سرمایہ جمع کرنا ہر اُس قوم کا فرض ہی جو اس دُنیا میں زندہ رہنا چاہتی
ہی۔ جو چاہتی ہی کہ حوادث کی کشمکش سے اس کی ہستی ملیامیٹ نہ ہو جائے۔ زبان کیا ہی؟ تبادلۂ خیال
کا ذریعہ ہی، اتحاد و اتفاق کا وسیلہ ہی، جہالت کے مرض کا مؤثر علاج ہی، تعلیم و تربیت کا رہنما ہی۔
اس کی حفاظت و حمایت کرنا اور اس کی توسیع و اشاعت میں کوشش کرنا تمام افرادِ ملت کو
لازم ہی۔

یورپ کا ایک ادیب لکھتا ہی کہ "زبان ایک طلائی زنجیر ہی جو قوم کے افراد کو باہم ملاتی ہی۔ جو
بکھرے ہوئے دانوں کو ایک نقطہ پر جمع کرتی ہی۔ جو منتشر خیالات و افکار کو ایک مرکز پر لاتی ہی، جو
ٹوٹے ہوئے ارادوں اور حوصلوں کو جوڑ کر ان میں زندگی اور تازگی کی روح پھونکتی ہی۔ ایک زبان
بولنے، لکھنے اور پڑھنے والی قومیں ایک ہی دماغ سے سوچتی، ایک ہی دل سے ارادہ کرتی، ایک
ہی ہاتھ سے کام کرتی اور ایک ہی پاؤں سے ترقی کے میدان میں جست لگاتی ہیں۔"

حضرات! تو کیا اب آپ پر لازم نہیں ہی کہ اپنی زبان سے محبت کریں۔ اس کو اپنی تعلیم و تربیت
اور تمدن و [illegible] کا ذریعہ بنا کر اس کے ساتھ پوری قدر شناسی کا ثبوت دیں۔ [illegible]

کوئی ہو۔ وہ گجراتی ہو، جو علاقہ بمبئی سے باہر ہندوستان میں کسی جگہ بولی اور سمجھی نہیں جاتی ہو۔ وہ بنگالی یا پنجابی یا کوئی اور ایسی ہی زبان ہو، جو ایک صوبہ یا علاقہ سے باہر کام نہیں دیتی۔ وہ تنہا کہ وہ زبان جس سے آپ یہ کام لے سکتے ہیں صرف اُردو ہے۔ بس یہی ایک زبان ہے جو تمام ہندوستان کے مسلمانوں بلکہ تمام ہندوستانیوں کی مشترک زبان ہے۔ یہ اِسی زبان کو شرف حاصل ہے کہ ہندوستان کے جس صوبہ میں آپ کوئی ملکی یا قومی کانفرنس منعقد کریں اور اِس کو تبادلۂ خیالات کا ذریعہ گردانیں تو کانفرنس کے تمام ارکان جو ہندوستان کے دُور دراز گوشوں سے ایک جگہ آکر جمع ہوئے ہوں۔ نہایت آسانی اور بے تکلفی کے ساتھ اپنے خیالات ایک دوسرے کو سمجھا سکتے ہیں۔ یہ زبان ہمارے لیے خدا کی ایک نعمت ہے۔ اگر ہم اِس نعمت کی قدر کریں اور اس کو ہندوستان کے ہر گوشہ میں وسیع طور سے پھیلانے میں مدد دیں، اور ملک و قوم کے ہر ایک فرزند کو اِس کے حاصل کرنے کا شوق دلائیں۔ تو پھر یہ سماں ہم اپنی آنکھوں سے بہت جلد دیکھ لینگے کہ جو آواز کسی ملکی مرکز سے بلند ہوگی وہ پہاڑوں اور دریاؤں کو چیرتی ہندوستان کے ایک کنارہ سے دوسرے کنارے تک آنِ واحد میں پہنچ جائیگی۔ ہر قومی خیال ایک ہی وقت میں بجلی کی رَو کی طرح قوم کے تمام افراد کے ذہنوں میں نہایت سُرعت کے ساتھ دوڑتا ہوا نظر آئیگا۔ اگرچہ اب بھی یہ کیفیت کم و بیش دکھائی دیتی ہے۔ مگر یہ منظر اُس وقت اور بھی شاندار ہوگا جب کہ ہر صوبہ کا ہر مُسلمان بلکہ اگر ممکن ہو تو ہر انسان اِس زبان کو آسانی سے بول سکتا اور سمجھ سکتا ہو۔ اُس وقت ملک و قوم کے تمام اختلافات رفع ہو جائینگے اجنبیت کی خندقیں جو مختلف صوبہ جات کے باشندوں کے درمیان حائل ہیں پاٹ دی جائیں گی۔ اِتحادِ خیالات کا نُور ملک کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک پھیل جائیگا۔ باہمی تعصب و نفاق کی آگ خود بخود مدہم ہو کر رہ جائیگی۔ جہالت و بے علمی کا اندھیرا جو ملت کے اُفق پر چھایا ہوا ہے رفتہ رفتہ کافور ہو جائیگا۔

•

اے میرے شفیق دوستو! اور اے میرے محترم بزرگو! اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ خیر و برکت کے ساتھ اُس دن کی صبح طلوع ہو اور وہ دلفریب اور شاندار نظارہ آپ اپنی آنکھوں سے دیکھیں تو ہم

آپ کو ہی سے اپنی زبان، اپنی قومی زبان، اپنی محبوب اور دلکش زبان اُردو سے محبت کرنا شروع کر دیں۔ خود اس کے حاصل کرنے پر کمر باندھیں اور اپنے بچوں کو اس زبان میں تعلیم دینے کا نہایت محکم بندوبست کریں۔ اس زبان کے حقوق کی حفاظت میں کوشش اور سرگرمی کا کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھیں۔ اپنے علاقہ اور اپنے صوبہ میں اس زبان کو انتہا تک پھیلائیں۔ اور قوم کے ہر فرزند تک اس روشنی کو پہنچانے میں ذرا کوتاہی نہ کریں۔

میں اس موقع پر صوبۂ بمبئی کے مسلمانوں کو تہِ دل سے مبارکباد دیتا ہوں جنھوں نے اُردو زبان کی حمایت و حفاظت میں دلیری اور مستعدی کا اظہار کیا۔ سب کو معلوم ہے کہ پہلے اس صوبہ کے مدارس میں مسلمانوں کے لیے اُردو زبان لازمی تھی۔ پھر انتظام بدل گیا۔ قانونِ حکومت نے نئی کروٹ لی۔ کسی خاص وجہ سے اُردو زبان لازمی نہیں رہی۔ مسلمان اس زبان کے سیکھنے سے محروم کر دیے گئے۔ اگر اس صوبہ کے مسلمان اس وقت بے پروائی سے کام لیتے، تو اس کا انجام عبرت انگیز ہوتا۔ مگر ہزار آفریں ان زندہ دل بزرگوں پر، جنھوں نے عین وقت پر اپنی اس قومی ضرورت کا احساس کیا۔ وہ فوراً اپنی زبان کی حمایت و حفاظت پر کمر باندھ کر کھڑے ہو گئے۔ اُنھوں نے صوبہ کے ایوانِ حکومت میں صدائے احتجاج بلند کی۔ اُنھوں نے جدوجہد کی رفتار کو ذرا بھی دھیما نہیں ہونے دیا۔ اس کا نتیجہ یہی ہوا اور یہی ہونا تھا کہ انصاف کا آئینہ گرد و غبار سے پاک ہو گیا۔ مسلمانوں کے حقوق حکومت کی نظر میں نہایت صفائی سے جلوہ گر ہو گئے۔ وہ اپنے مقصد میں ایک حد تک کامیاب ہوئے۔ اور خدا نے چاہا تو وہ بہت زیادہ کامیاب ہوں گے اگر اُنھوں نے آئندہ بھی اپنی عرق ریزیوں اور گرمجوشیوں کی باگ کو ڈھیلا نہ ہونے دیا۔ خدا اُن کے ارادوں میں برکت دے۔ ان کے حوصلوں کو بلند رکھے۔ ان کو حبِ قومی کے روشن رستہ پر ہمیشہ چلاتا رہے۔ اور قومی زبان کی محبت کے نور سے ان کے سینوں کو منور کرتا رہے۔

اے حضرات! یہی وہ زندگی اور ترقی کا اصلی سبق ہے جو ہر صوبہ کے مسلمانوں کو از بر کرنا چاہیئے۔ اگر وہ اس سبق کو فراموش کر دیں گے تو ان کا رشتۂ اُلفت ہماری قوم کے ساتھ مضبوط

نہیں ہوسکتا۔ اُن کی آنکھیں اتحادِ ملت کی روشنی سے کبھی روشن نہیں ہوسکتیں۔ ہندوستان کے
اور ہر علاقے کے فرزندانِ اسلام کا فرض ہے کہ وہ اپنے مدارس میں اردو زبان کی تعلیم کو اپنے بچوں کے
لیے لازمی کردیں اور اگر غفلت یا تساہل سے حکومت اس باب میں کوتاہی کرے تو اس حق کے حاصل
کرنے میں آئینی جدوجہد کی زنجیر ہلائیں اور چین سے نہ بیٹھیں جب تک کہ وہ منزلِ مقصود تک نہ پہنچ
برطانوی حکومت ایک انسانی حکومت ہے وہ انسانوں کی طرح غلطی اور غفلت کرسکتی ہے۔ مگر اس کے ساتھ
ہی یہ خوبی بھی ہے کہ جب اس پر وہ غلطی یا غفلت واضح ہوجاتی ہے تو اس کی اصلاح میں مستعدی دکھاتی ہے
تاہم اس شائستہ اور آئینی حکومت سے بھی یہ توقع نہیں ہوسکتی کہ وہ آپ کے فرائض کو خود آپ کی بغل
میں جلوہ گر کرے۔ اور آپ کو عین وقت پر کام کرنے اور مستعد ہونے کا سبق سکھائے۔ یہ بوجھ آپ ہی
کو اپنی گردنوں پر اٹھانا پڑیگا۔ یہ سبق آپ ہی کو ازبر کرنا ہوگا۔ اگر آپ اپنے فرائض سے جی چرائیںگے
تو پھر حکومت بری الذمہ ہے۔ اس کی انصاف پرستی یا دادرسی پر کوئی الزام نہیں آسکتا۔ دیکھو ہندوستان
میں ایک دوسری قوم بھی ہے جس کے ساتھ ہمارا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ یہ قوم ایک زندہ دل اور
قوم ہے۔ اس کی کامیابیوں اور سرفرازیوں کی بنیاد اس کی وقت شناسی اور بروقت کارگزاری
ہے۔ وہ اپنے کسی حق کو پامال ہونے نہیں دیتی۔ وہ اپنے کسی مقصد کے انجام دینے میں کوتاہی نہیں
کرتی۔ وہ ہر میدان میں گرم جوشی کے ساتھ قدم مارنے پر تیار رہتی ہے۔ وہ ہر بام پر دلیری اور استقلال
کے زینے لگانے کے لیے کمربستہ رہتی ہے۔ کیا اس قوم کی اولوالعزمیاں ہمارے لیے سبق آموز نہیں
ہیں؟ ہر صوبہ کے مسلمانوں کو اپنے ہی صوبہ میں یہ زندگی اور جوشش کی مثالیں نظر آسکتی ہیں۔ اگر
وہ دل کی آنکھیں کھول کر دیکھیں، تو اُن کو اپنے ہی گرد وپیش ایسے بیشمار واقعات دکھائی دینگے جو
تازیانۂ غفلت کا کام دے سکتے ہیں۔ فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ

حضرات! اردو زبان کی اشاعت کے ذریعے مختلف ہیں جن میں سے ایک ذریعہ
مکاتب و مدارس کا جاری کرنا ہے۔ جس کی طرف میں نے ابھی اشارہ کیا ہے۔ مسلمانوں کو مکاتب
و مدارس بکثرت جاری کرنے چاہئیں۔ ممکن ہے کہ ان مکاتب و مدارس میں مضامین تعلیم

[illegible] ہندوستان [illegible] اردو زبان کی تعلیم لازمی ہونی چاہیئے۔ ہماری قوم کا ہر بچہ خواہ وہ
ملک کے کسی گوشہ میں پیدا ہوا ہو اپنی قومی زبان سے محروم نہ رہے۔ اگر وہ اُردو زبان بولتا ہو
لکھتا اور پڑھتا ہو تو ہر وقت یہ بات اُس کے ذہن میں موجود رہیگی کہ میں کوئی تنہا ہستی نہیں ہوں
میں کسی چھوٹی سی جماعت کا ممبر نہیں ہوں۔ میں اس سات کروڑ تعداد والی قوم کا ایک فرد ہوں
جو اس ملک میں شمال سے جنوب تک اور مشرق سے مغرب تک پھیلی ہوئی ہے۔ میرے خیالات محض ذاتی
خیالات ہی نہیں ہیں، بلکہ پوری قوم کے دل سے اُٹھے ہیں اور ان کی ایک لہر میرے دل میں بھی ہے
میرے جذبات تنہا میرے ہی قلب سے آشکار نہیں ہوئے بلکہ وہ ان جذبات کی ایک جھلک ہیں
جو ہماری قوم کے سینہ میں موجزن ہیں۔ میں اُس زنجیر کی ایک کڑی ہوں جس نے ہندوستان کے
کروڑوں لوں کو باہم ملا رکھا ہے۔ میں اُس سیل کا ایک قطرہ ہوں جس نے رواں دواں ہو کر
اس ملک کی وادیوں کو شاداب کیا ہے۔

دوسرا ذریعہ اردو زبان کی اشاعت کا **لکچر خانے** ہیں۔ لکچر خانہ سے میری مراد وہ
مقام ہے جہاں مختلف مفید مضامین پر تقریریں کی جاتی ہوں۔ اس مقصد کے لیے ہر چھوٹے سے چھوٹے
قصبہ میں ایک جگہ ایسی مقرر کر لی جائے جہاں ہر ہفتہ کسی دلچسپ اور نافع مضمون پر کوئی ایک شخص
تقریر کرے۔ اور بہت سے آدمی جمع ہو کر اُس تقریر کو سُنیں اور اس سے محظوظ اور مستفید ہوں۔
پھر تقریر کے خاتمہ پر دیگر اشخاص اس مضمون پر اپنی رائیں یا خیالات ظاہر کریں۔ ہر ایسے جلسہ کا
اشتہار پہلے سے شایع کر دینا چاہیئے تاکہ لوگوں کو اس میں آنے اور مضمون سُننے اور اس پر
اظہار خیالات کرنے کی ترغیب ہو۔

تیسرا ذریعہ زبان کی اشاعت کا **کتب خانے** ہیں۔ کتب خانے نہایت کثرت سے قائم ہونے
چاہئیں۔ کوئی قصبہ جہاں معتدبہ آبادی ہو اس برکت سے محروم نہ رہے۔ اگر کوشش کی جائے
چھوٹے سے چھوٹے قصبہ میں ایسی تدبیر ہو سکتی ہے کہ ہر سال نئی کتابیں مہیا کرنے کے لیے کم سے کم دو چار
[illegible] جمع ہو جایا کرے۔ ان کتب خانوں میں رفتہ رفتہ تمام کتابیں جمع کر دینی چاہئیں، جو

اُردو زبان میں مضمون اور انشا کے لحاظ سے دلچسپ اور مفید ہوں۔ کتابوں کے مطالعہ سے
زبان کی تعلیم ہوتی ہی۔ انسانوں کے اخلاق اور طرزِ معاشرت پر اُن کا بین اثر ہوتا ہی۔ دل و
دماغ علم کی روشنی سے منوّر ہو جاتے ہیں۔ جو لذّت و سرور کتابوں کے مطالعہ سے حاصل ہوتا
وہ اور کسی طرح حاصل نہیں ہوتا۔ مہذب ملکوں میں کتابوں کا مطالعہ زندگی کی اہم ضروریات میں
شمار کیا جاتا ہی۔ اسی سبب سے وہاں ہر شہر، ہر قصبہ بلکہ ہر گاؤں میں کتب خانے مہیا کیے گئے ہیں
بے شمار روپیہ اس مد میں خرچ کیا جاتا ہی۔ مگر یاد رہے کہ اگر کتابیں عمدہ نہوں تو ان کے مطالعہ
کا اثر زہرِ ہلاہل سے زیادہ خوفناک ہوتا ہی۔ اس بنا پر جو کتب خانہ قایم کیے جائیں اُن میں صرف
عمدہ اور پاکیزہ کتابیں جمع ہونی چاہئیں۔ کتب خانہ کی میز پر ایک دو عمدہ اخبار اور رسالے بھی مہیا
کرنے چاہئیں۔ کیونکہ یہ بھی کتابوں کی طرح تعلیم و تربیت کا بہترین ذریعہ ہیں۔ اگر لکچر خانہ، مطالعہ گاہ
اور کتب خانہ کا کام ایک ہی جگہ سے لیا جائے تو اس میں سراسر کفایت ہی۔ میری رائے میں
انجمن کی طرف سے چند ایسے لایق سفیر مقرر ہونے چاہئیں جو برابر ہندوستان کا دَورہ کرتے رہیں
ان کا کام یہی نہو کہ وہ انجمن کے لیے چندہ وصول کریں اور اس کی کتابیں فروخت کریں۔ بلکہ
ان کے فرایض میں یہ بات بھی داخل ہو، کہ وہ سلسلہ وار ہر قصبہ میں جہاں معقول تعداد کی
آبادی ہو پہنچیں اور وہاں کے باشندوں کو ترغیب دیکر لکچر خانے، مطالعہ گاہیں اور کتب خانے
قایم کرائیں۔ اور ایسا مستقل انتظام کریں کہ ہر سال کم سے کم سو روپئے کی رقم نئی کتابوں کے
فراہم کرنے کے لیے مہیا ہوتی رہے۔ پھر ان مقامات میں بار بار دَورہ کرکے یہ بھی دیکھتے رہیں
کہ اس انتظام میں کوئی خلل تو پیدا نہیں ہوا۔ اگر کام عمدہ پیمانہ پر چل رہا ہی تو انجمن کو اس کی
رپورٹ کریں ورنہ از سرِ نو اصلاح کی کوشش کریں۔

زبان کی اشاعت کا چوتھا ذریعہ اخبار ہیں۔ اگر انجمن اپنے خاص اثر سے کام لے اور
کوشش کرے تو ہندوستان کے ہر صوبہ سے کم سے کم ایک ایسا اُردو روزانہ اخبار جاری
ہو سکتا ہی جس کا انتظام ایک کمپنی کے ہاتھ میں ہو اور جس کا اسٹاف اور انتظام نہایت اعلیٰ

ہو۔ افسوس ہے کہ اُردو زبان میں اب تک کوئی ایسا روزانہ اخبار نہیں نکلا جو عمدہ انگریزی اخباروں
کے نمونہ پر ہو اور جس کا انتظام اعلیٰ اور جس کا سرمایہ کثیر ہو۔ آج تک جو اخبار نکالے گئے ہیں
وہ اکثر شخصی اور انفرادی کوششوں کی مثال ہیں۔ پھر ان میں بہت سے اخبار تو ایسے اشخاص
کے ہاتھ میں رہے ہیں جو اپنی لیاقت اور قابلیت کے لحاظ سے کسی طرح اس کام کے لیے موزوں
نہ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان سے کوئی مستقل اور پائدار فائدہ ہماری قوم کو نہیں پہنچا۔ ہماری اخبار خواں
جماعت آج تک اندازہ نہیں کر سکی کہ عمدہ اخبار کا صحیح معیار کیا ہے۔ اگر سرمایہ مشترک ہو، اور اس
کی مقدار کافی ہو، اخبار کا اسٹاف نہایت لائق اور محنتی ہو اور عمدہ انگریزی اخباروں کے نمونے
پر اخبار نکالنے کی کوشش کی جائے تو ممکن نہیں کہ جمہور اس کی قدر شناسی نہ کرے اور وہ
رفتہ رفتہ اس قابل نہ ہو جائے کہ اس کی آمدنی کا کافی حصہ پس انداز ہوا کرے۔ اس موقع پر قدرتی
طور سے اخبار کی پالیسی کا سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اگر اخبار کی پالیسی گرم ہو تو چند ہی دن
کے بعد قانون کی تلوار اس کے سر پر آ گرتی اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے اُڑا دیتی ہے۔ برخلاف
اس کے اگر اخبار کی پالیسی نرم ہو تو اس کے خریداروں کا دائرہ وسیع نہیں ہوتا اور بہت جلد
اس کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ مگر سوچنے اور غور کرنے والوں کا فیصلہ اس کے خلاف ہے۔ وہ پہلی قسم کے
اخباروں کی نسبت یہ رائے رکھتے ہیں کہ ان میں بدزبانیوں اور زہر چکانیوں کے سوا اور
کچھ نہیں ہوتا۔ اس لیے حکومت بجا طور پر ان کی زندگی کا خاتمہ کر دیتی ہے۔ اگر وہ معقولیت اور استدلال
سے کام لیں اور ہر مسئلہ پر شائستگی اور وسعتِ معلومات کے ساتھ بحث کریں جیسا کہ انگریزی اخباروں
کا شیوہ ہے تو ان کے لیے خطرہ کا موقع بہت ہی کم ہے۔ دوسری قسم کے اخباروں کی نسبت وہ کہتے
ہیں کہ ان کی پالیسی نرم تو ضرور رہے مگر اس کے علاوہ کچھ اور بھی ہونا چاہیے۔ ان میں کوئی ایسی چیز
نہیں ہوتی جو پڑھنے والوں کے دل و دماغ کو روشنی میں لائے۔ واقفیت اور معلومات کا کوئی
دلچسپ و مفید سرمایہ ان میں نہیں پایا جاتا، جیسا کہ انگریزی اخباروں میں ہوتا ہے۔ اگر وہ ایسا
سامان ناظرین کے لیے ہمیشہ مہیا کرتے رہیں تو ناقدر شناسی کی شکایت ان کی زبان پر کبھی نہ

چونکہ اس فیصلے کے مطابق کوئی تجربہ آج تک نہیں کیا گیا، اس لیے یہ میدان ابھی تک خالی ہو اگر انجمن کے خاص اثر اور کوشش سے اوّل کسی صوبہ میں ایسا شاندار و اعلیٰ پیمانہ کا اخبار جاری ہو جائے۔ اور چند سال کے تجربے سے یہ منصوبہ کامیاب ثابت ہو، تو پھر ہر صوبے کے مسلمان خود بخود اس نقش قدم پہ چلنے کے لیے تیار ہو جائینگے۔ اور یہ اتنا بڑا احسان انجمن کا ہوگا اور ہماری قوم کی زبان پر ہوگا کہ وہ رہتی دنیا تک فراموش نہیں ہوگا۔

اُردو زبان کی اشاعت کے جو ذریعے میں نے بیان کیے، وہ نہایت اہم ہیں۔ یہ سچ ہے کہ انجمن نے موجودہ روشن خیال معتمد کے زمانۂ ادارت میں اپنی کئی شاخیں اور کئی کتب خانے جابجا قایم کیے ہیں۔ مگر ان شاخوں اور کتب خانوں کی تعداد بس انگلیوں پر گنی جا سکتی ہے لیکن اگر انجمن اب سے زیادہ سرگرمی اور جوش سے کام لے۔ اور ایسے چند لایق سفیر مامور کرے جو سال بھر ملک کا دورہ کرتے رہیں، اور ان تجاویز کے مطابق انجمن کی شاخیں، لکچر حلقے، مطالعہ گاہیں اور کتب خانے شہروں اور قصبوں میں قایم کراتے اور قایم ہونے کے بعد ان کی نگرانی کا کام انجام دیتے رہیں تو دس سال میں اشاعتِ اُردو کا ایک ایسا وسیع نظام ملک کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک پھیل جائیگا جس سے ہماری قومی طاقت مجتمع ہو کر نظر آنے لگے گی۔ لیکن ایسے لایق اور سرگرم سفیروں کے لیے معقول تنخواہ اور معقول معاوضۂ سفر کی ضرورت ہوگی۔ اب سوال یہ ہے کہ ہماری قوم کو کسی ایسے شاندار نظام کی ضرورت ہے یا نہیں؟ ہماری قوم اپنی مجموعی طاقت کو مجتمع طور سے نمایاں کرنے کی آرزو دل میں رکھتی ہے یا نہیں؟ اگر اس سوال کا جواب نفی میں نہیں بلکہ اثبات میں ہے تو پھر بتائیے کہ اس باب میں تنہا معتمد کیا کر سکتا ہے؟ اس کا کام بس اُسی وقت ختم ہو گیا جب کہ اس نے آپ کی ایک اہم ضرورت کا احساس کر کے اس ضرورت کو آپ کے سامنے پیش کر دیا۔ انجمن کے سرمایہ کا دائرہ جس قدر وسیع ہوتا جائیگا اُس کی خدمات بھی پھیلتی اور بڑھتی جائیں گی۔ اگر تمام ہندوستان کے دورہ کے لیے چند سفیر مامور ہوں تو فی کس تنخواہ اور معاوضہ سفر کی [illegible]

ماہوار ہوگی۔ اور کل سفیروں کا سالانہ خرچ پندرہ ہزار ہوگا۔ اب یہ تمام ارکان ملت کا کام ہو کہ وہ دس سال کے لئے اس خرچ کی رقم مہیا کریں۔ کہا جاتا ہو کہ قومی کاموں کے لئے روپیہ آسانی سے فراہم ہوسکتا ہی۔ مگر دیانت دار جفاکش، روشن خیال اور ہمدرد کام کرنے والے نہیں ملتے۔ موجودہ حالت میں یہ ہماری خوش نصیبی ہو کہ مولوی عبدالحق جیسا معتمد ہاتھ آگیا ہے۔ اُن پر نہ صرف کانفرنس کو بلکہ تمام قوم کو اعتماد ہے۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ ہندوستان کے ہر گوشہ میں آپ کی قوم کے افراد اپنی محبوب قومی زبان کو حاصل کر کے اس میں آسانی کے ساتھ اظہار خیالات کرنے لگیں۔ اُن کی بکھری ہوئی قوتیں ایک دوسرے سے وابستہ ہوجائیں۔ اُن کے دلوں میں اتحاد کی لہریں دوڑنے لگیں۔ اُن دماغوں میں علم کی طراوت و تازگی پیدا ہوجائے، اُن کی جمعیت کا شیرازہ جو اب تک ٹوٹا ہوا ہے بندھ جائے اور ایک مجسم قومی طاقت کا نظام آنکھوں کے سامنے آجائے تو پھر اے قوم کے دولت مندو! اپنی فیاضی کے ہاتھ بڑھاؤ، اور معتمد کے دامن کو جو فی الحقیقت آپ کا معتمد علیہ ہی جواہر ایثار سے بھر دو۔ زندہ قوموں کی یہی علامت ہی۔ اے اُس زندہ قوم کے جانشینو، جس کی علمی فیاضیوں کی داستان سے تاریخ کے اوراق مزین ہیں آگے بڑھو اور اس بات کا ثبوت دو کہ اگرچہ قوم کا سارا جسم سر سے پاؤں تک زندہ نہیں ہی مگر تم اس شاندار جسم کے وہ اعضا ہو جس میں زندگی کے آثار اب بھی باقی ہیں، اگر تم نے کروٹ لی اور اپنی زندگی کی لہر کو اس تمام افسردہ جسم میں پھیلا دیا، تو پھر ساری قوم کے زندہ ہوجانے میں کوئی شبہ نہیں رہے گا۔ اے غیرت مند امیرو! تمہارا وجود جس قوم میں نہیں ہی۔ اس کی ترقی کے ولولے پست ہوکر رہ جاتے ہیں، اس کی کامیابی کی اُمنگیں اُڑتی چنگاریوں کی طرح بجھ کر رہ جاتی ہیں۔ امریکا کے فیاض دل امیر کارنیگی اور راک فیلر کا نام کس نے نہ سنا ہوگا ان کی علمی فیاضیوں کی زندہ یادگاریں اُس ملک میں چاروں طرف نظر آتی ہیں۔ ان کے پُرجوش ہمدردانہ کارنامے اخباروں کے صفحات ہی پر جلوہ گر نہیں ہیں۔ بلکہ ہر امریکن کے

ممنون دل پر ثبت ہیں۔ یورپ کے جامعے، یورپ کی درسگاہیں، یورپ کے کتب خانے اور شفاخانے ایسے ہی زندہ دل ارباب ثروت کی فیاضیوں سے مالامال ہیں۔ ہماری قوم میں خدا کے فضل سے ایسے امرا اور دولت مند موجود ہیں جن کے پہلو میں حب قوم کی چنگاریاں دبی ہوئی ہیں جن کے دل دردِ ملت کے اثر سے سیماب کی طرح لوٹتے اور تڑپتے رہتے ہیں۔ اے ملت کے دردمند اور قوم پرست امیرو! یہ خطاب تمہیں سے ہے۔ یہ صدا تمہارے ہی حضور میں بلند کی گئی ہے۔ تمہاری فیاضانہ جنبشیں ایک انجمن ترقی اردو ہی کو نہیں، بلکہ تمام قومی مشینوں کے پرزوں کو متحرک کرسکتی ہیں۔ تمہاری ہمدردانہ اولوالعزمیاں وہ سرچشمے ہیں جن کے پانیوں کی روانی ہماری امیدوں کی کھیتیوں میں شادابی کی روح پھونک سکتی ہے۔ کامیابی اب تک سیکڑوں دروازے جھانک چکی ہے۔ مگر آج اس نے ملت کے دروازہ پر سر جھکایا ہے۔ پھر کیا ممکن ہے کہ اس کی صدا رد کر دی جائے اور اس کی التجا سمع قبول تک نہ پہنچے؟

حضرات! اب تک انجمن نے جو کتابیں چھاپ کر شائع کی ہیں جن شاخوں کی مختلف مقامات پر بنیاد ڈالی ہے، جو کتب خانے جاری کئے ہیں جو کارنامے انجام دیئے ہیں۔ ان سب کا حال معتمد کی مرتب کردہ روداد سے معلوم ہو جاتا ہے۔ یہ سب کام بلاشبہ مفید ہیں اور اس لائق ہیں کہ ان کی قدر کی جائے۔ مگر بعض ایسے کام بھی انجمن کے پیش نظر ہیں جو محض شخصی اہتمام سے انجام نہیں پا سکتے۔ ایسے کام اور بھی زیادہ قدر شناسی کے مستحق ہیں، مثلاً وہ ایک ضخیم کتاب تیار کرانا چاہتی ہے جس کا نام ہوگا "ہمارا ملک"۔ اس میں ہندوستان کے متعلق جغرافیہ، مذاہب، تاریخ کے سوا ہر قسم کی معلومات اور ہر طرح کی واقفیت کا سامان جمع کیا جائے گا۔ مضامین جدا جدا عنوان میں تقسیم کر دئے گئے ہیں، ہر عنوان پر اس شخص سے مضمون لکھوانے کی درخواست کی جائے گی۔ جو اپنے مضمون میں کامل مہارت اور اس کے ساتھ پورا شغف رکھتا ہو۔ اس میں ذرا شک نہیں کہ اردو زبان کی کسی کتاب میں اب تک ہندوستان کے متعلق اس قدر معلومات کا ذخیرہ فراہم نہیں کیا گیا ہے۔ انگریزی زبان میں ہندوستان کے

متعلق بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں۔ مگر اول تو اُردو خواں جماعت ان سے کوئی فائدہ نہیں اُٹھا سکتی دوسرے ان کتابوں میں جو کچھ درج ہے وہ یوروپین نقطۂ نظر سے لکھا گیا ہے۔ برخلاف اس کے جو منظر اس کتاب میں نظر آئے گا اس کی تصویر ہندوستانی عینک آنکھوں پر لگا کر کھینچی جائے گی۔ انجمن اُردو زبان کا ایک جامع اور مکمل لغت بھی تیار کرا رہی ہے، پھر علمی اصطلاحات کے لغت کی ترتیب بھی اس کے زیر اہتمام ہے۔ یہ آخری کام بہت زیادہ اہم ہے۔ انگریزی زبان سے علمی کتابوں کا اُردو ترجمہ اس لغت کی تیاری کے بعد نہایت آسان ہو جائے گا۔ علمی اصطلاحات کے وضع کرنے میں انجمن نے اس عظیم الشان اصول کو پیش نظر رکھا ہے کہ اُردو زبان کی قدرتی ساخت کے مطابق الفاظ بنائے جائیں۔ ہماری زبان میں جو علمی اصطلاحات اب سے پہلے مرتب کی گئی ہیں ان میں اس اصول کا لحاظ کبھی نہیں کیا گیا۔ ہم کو یقین ہے کہ اس اصول کے اختیار کرنے سے نہ صرف وضع اصطلاحات میں آسانی ہو گی بلکہ اُردو زبان اپنی قدرتی رفتار پر چل پڑے گی۔ اور اس کی ترقی کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا جائے گا انجمن کا ارادہ ہے کہ اصطلاحات کے لغت کے ساتھ ایک مقدمہ کا اضافہ کرے جس میں وضع اصطلاحات کے تمام اصول شرح و بسط سے بیان کر دیئے جائیں، تاکہ آیندہ نئے الفاظ بنانے میں وہ اصول پیش نظر رکھے جائیں۔ اگر یہ سب اہم کام جو انجمن کو مدِ نظر ہیں پورے ہو جائیں تو تمام اُردو خواں جماعت اس کی شکر گزار ہو گی اور اس کا یہ شاندار کارنامہ ہمیشہ یادگار رہے گا۔

حضرات! میں اس موقع پر انجمن کو دو اشد ضرورتوں کی طرف متوجہ کرتا ہوں۔ ان میں سے ایک ضرورت اُردو زبان کے مرکزی کتب خانہ کی ہے۔ اب تک کوئی کتب خانہ تمام ملک میں ایسا نہیں ہے جس میں ہماری زبان کی قدیم و جدید کتابیں مہیا کی گئی ہوں۔ نثر و نظم کی بہت سی قدیم کتابیں ہیں جن میں سے اکثر تو چھپنے سے محروم رہی ہیں، ان کے قلمی نسخے خاص لوگوں کی ملکیت میں رہ کر کچھ تو ضائع ہو گئے ہیں کچھ باقی ہیں۔ اگر یہ نسخے جو بچی

ہیں خرید کر محفوظ نہ کیے جائیں تو ان کے تلف ہونے میں بھی کوئی شبہ نہیں ہو۔ اکثر قدیم کتابیں ایسی ہیں جو ایک بار چھپ کر نہیں چھپیں۔ اگر یہ کتابیں جلد تر حاصل کر کے محفوظ نہ کی جائیں گی تو پھر ان کا دستیاب ہونا بھی محال ہو جائے گا۔ انجمن کا فرض ہو کہ وہ ایک عظیم الشان کتب خانہ کی بنیاد ڈالے اور اس میں اُردو زبان کی تمام قدیم وجدید کتابیں جمع کرے۔ خاص کر وہ قدیم کتابیں جو اب تک نہیں چھپیں یا ایک بار چھپ کر پھر معرض طبع میں نہیں آئیں۔ ڈھونڈ ڈھونڈ کر فراہم کرے۔ اس کتب خانہ کے مہیا ہو جانے کے بعد اُردو زبان اور اُردو ادب کا مطالعہ اور اس کی تحقیقات نہایت آسان ہو جائے گی۔ دوسری ضرورت جس پر میں انجمن کی توجہ کو مائل کرنا چاہتا ہوں ایک ایسے ماہوار یا سہ ماہی رسالے کی ہو جو انجمن کے لئے زبان حال کا کام دے۔ مہذب ملکوں میں جو علمی مجلسیں ہیں ان میں سے ہر ایک مجلس ایک ایسا رسالہ خاص اوقات پر شائع کرتی ہے جس میں اس مجلس کی کارگزاری اور علمی تحقیقات درج کی جاتی ہے۔ مجھے اُمید ہو کہ انجمن ان دو ضرورتوں کو حتی الامکان جلد پورا کرے گی۔ اس سے جمہور کی نظر میں انجمن اور اس کے کاموں کی خاص وقعت ہو گی۔ اور اس کی ہر دلعزیزی کا دائرہ وسیع ہو جائے گا۔

حضرات! جو کتابیں انجمن کی طرف سے ترجمہ یا تالیف ہو کر اب تک شائع ہو چکی ہیں ان کی زبان اور طریقۂ بیان سادہ اور رواں ہو۔ مگر میں چاہتا ہوں کہ انجمن اپنی کتابوں کی زبان اور طریقۂ بیان کی روانی اور سادگی کی طرف اور بھی زیادہ توجہ کرے۔ کیونکہ ان کتابوں کے شائع کرنے سے بڑا مقصد عوام کی تعلیم ہو۔ اس زمانہ میں انشا پردازی کے دو اسلوب ایسے رائج ہیں جو انجمن کی کتابوں کے لئے کسی طرح موزوں نہیں ہیں۔ ان میں سے ایک اسلوب وہ ہو جس کو ہم انگریزی نما اُردو کہہ سکتے ہیں۔ اس طریقہ کے انشا پرداز اپنے مضامین میں انگریزی لفظوں کی بھرمار کرتے ہیں۔ اور بعض جگہ انگریزی طرز تحریر کا لفظی ترجمہ کر دیتے ہیں۔ یہ دونوں باتیں اُردو زبان کی قدرتی بناوٹ کے بالکل برخلاف ہیں۔ دوسرا اسلوب وہ ہے جس کو ہم عربی نما اُردو کہہ سکتے ہیں۔ اس طریقہ کے مضمون نگار عربی زبان کے ایسے الفاظ بے ضرورت

اپنے مضامین میں داخل کرتے ہیں جن کی جگہ پہلے سے اُردو الفاظ موجود ہیں۔ یہ اسلوب بھی ہماری زبان کی فطرت کے برخلاف ہے۔ دونوں گروہوں کے انشا پردازوں کا خیال ہے کہ اجنبی زبانوں کے الفاظ ہماری زبان میں زور اور شوکت پیدا کرتے ہیں۔ مگر یہ خیال کسی طرح صحیح نہیں ہے۔ انگریزی زبان کے اوّل انشا پردازوں کا بھی یہی خیال تھا۔ اور وہ لاطینی اور یونانی الفاظ اپنے مضامین میں بہت زیادہ داخل کرتے تھے۔ مگر کچھ عرصہ کے بعد وہ اپنی غلطی سے آگاہ ہوئے۔ اور لاطینی اور یونانی الفاظ کی جگہ انگریزی زبان کے سادہ الفاظ استعمال کرنے لگے۔ یہی وقت تھا جبکہ اصلی انگریزی ادب کا آغاز ہوا۔ اور انگریزی زبان اجنبی زبانوں کی غلامی سے آزاد ہو کر سرعت کے ساتھ ترقی کرنے لگی۔ رفتہ رفتہ انگریزی کے وہی معمولی الفاظ جو پہلے زور اور شوکت سے خالی نظر آتے تھے۔ زوردار اور پُرشوکت دکھائی دینے لگے۔ اجنبی الفاظ کے داخل کرنے سے اُردو زبان کی فطرت پر دباؤ ڈالنا اور اس کو مسخ کرنا ہی متصور نہیں ہے، بلکہ اس میں یہ نقص بھی ہے کہ عبارت عام فہم نہیں رہتی۔ اور جو مضامین عوام کی تعلیم کے لئے لکھے جاتے ہیں۔ ان سے وہ مقصد پورا نہیں ہوتا۔ چونکہ انجمن کی کتابیں عام اُردو خوان جماعت کی تعلیم کے لئے شائع کی جاتی ہیں، اس لئے میری رائے میں اس کو ان دونوں اسلوبوں سے پرہیز کرنا چاہیئے۔ اور جو قدرتی سادگی اور روانی اُردو زبان کی فطرت میں ہے اس کا اب اور بھی زیادہ لحاظ رکھنا چاہیئے۔

حضرات! انجمن کی گزشتہ رودادوں کے دیکھنے سے یہ بات معلوم کر کے مجھے نہایت افسوس ہوا ہے کہ اس کے ممبر کم ہیں۔ ممبری کا سالانہ چندہ بہت کم رکھا گیا ہے اور ممبروں کے ساتھ خاص رعایت کتابوں کی قیمت میں بھی کی جاتی ہے۔ تاہم بہت کم لوگ ہیں جنھوں نے انجمن کا ممبر ہونا منظور کیا ہے۔ اگر اس کے ممبروں کا دائرہ وسیع ہوتا۔ اور اسی نسبت سے اس کا سرمایہ بھی کثیر ہوتا۔ تو اس قلیل عرصہ میں بھی وہ بہت سے اہم کام انجام دے سکتی تھی۔ اس کی موجودہ حالت بھی کسی طرح قایم نہیں رہ سکتی تھی، اگر اعلیٰ حضرت تاجدار قلمرو دکن خلد اللہ ملکہ اس کی سرپرستی نہ فرماتے۔ حضور پُرنور خلد اللہ ملکہ کو اُردو زبان کی ترقی سے جو دلچسپی ہے وہ دنیا

...مقصد حل ان دونوں قوموں کی زبانوں سے مرکب ہی۔ اسی طرح انجمن ترقی اُردو
...دونوں قوموں سے یکساں تعلق رکھتی ہے اور دونوں قوموں کا فرض ہی کہ زبان اُردو کو
...دونوں میں قومی زبان یا ملکی زبان تصور کرکے اس کو ترقی دینے کی کوشش کریں۔ اور یہ زبان
...ان اقوام کی یادگار ہی۔ اس کو دونوں قومیں مل کر زندہ اور تازہ رکھنے میں ذرا کوتاہی
...کریں۔ لیکن فرض کرو کہ دوسری قوم جس کے ساتھ ہمارا چولی دامن کا ساتھ ہے اور جو اُردو
...زبان پر وہی حق رکھتی ہے جو ہمارا حق ہی۔ اس حُبِ وطن کی منزل میں کسی خاص وجہ سے
ہمارا ساتھ نہ دے جس کو ہم بدقسمتی کے سوا اور کچھ نہیں کہہ سکتا، تو پھر اے فرزندانِ اسلام
تم اپنے فرض سے کیوں غفلت کرو۔ تم اس محبوب زبان کو ترقی دینے اور اس کو بلند ترین
درجہ تک پہنچانے میں کیوں کوتاہی کرو۔ یاد رکھو کہ اگر تم اپنا فرض ادا کروگے اور اپنی جدوجہد
سے ایک قدم پیچھے نہ ہٹاؤگے اور اپنے اس قومی یا ملکی منصوبہ کو پیشِ نظر رکھکر برابر آگے
بڑھتے اور منزلِ مقصود کے قریب پہنچتے جاؤگے، تو وہ جو کسی غلطی سے اصلی شاہراہ کو
چھوڑکر کسی اور پگ ڈنڈی پر چل پڑے ہیں اور وہ جو کوتاہ بینی یا غفلت سے بھائیوں کا ساتھ
چھوڑکر منزل سے دُور جا رہے ہیں تمہارے نقشِ قدم کو پھر تلاش کریں گے۔ تمہارے قافلے کے
جرس کی صدا پر پھر کان لگائیں گے تمہاری گردِ راہ کی پرواز کو پھر آنکھیں کھول کر اور دُوربین
لگاکر دیکھیں گے۔ اپنی پگ ڈنڈی کے انجام پر منزلِ مقصد کو نہ پاکر پھر اس اصلی شاہراہ پر
قدم فرسا ہوں گے۔ اُس وقت سمجھیں گے کہ نجات کا آبِ حیات جس کی تلاش میں وہ نکلے
تھے تعصب و نفاق کے رستہ پہ چلنے سے اس کے کنارے تک نہیں پہنچ سکتے۔ اس وقت
وہ دوڑ دھوپ کریں گے۔ تاکہ خضرِ اتحاد کا سُراغ لگائیں اور اس کی دستگیری سے آبِ حیات
کے چشمہ تک پہنچیں۔

پس اے فرزندانِ اسلام! تمہارا فرض ہی کہ اُس وقت کے آنے تک اپنے فرض کے
انجام دینے میں سرگرم رہو اور پیچھے پھر پھر کر اپنے بھائیوں کو دیکھتے جاؤ۔ اور یہ خیال دل میں

آخر کب تک وہ بھائی بھائی میں بیر ڈلوائیں گے۔ محبت کا جوش کب تک ان کے دلوں کو بے چین نہ کرے گا۔ نفاقیوں کا غبار کب تک ان کی آنکھوں کو دھندلا کرتا رہے گا۔ کب تک وہ یہ نہ جانیں گے کہ جس منزل پر تم چل رہے ہو۔ اس پر تمہارے اور اُن کے آبا و اجداد پہلے عرصہ دراز تک چلتے رہے ہیں۔ کب تک وہ یہ نہ سمجھیں گے کہ تمہارے اور ان کے اسلاف دونوں نے مل کر اس رستے کو خس و خاشاک سے پاک کیا تھا۔ اس کے نشیب و فراز کو ہموار کیا تھا۔ اس کے کنارے پر جا بجا سنگِ نشان قایم کئے تھے پھر دونوں طرف کوسوں تک پھولوں اور میووں کے درخت قطار در قطار لگائے تھے۔ اب یہ وہی منزل ہے جس سے تم آگے بڑھنا چاہتے ہو اور تمہارے بھائی اس منزل کے سرے سے دوسرا رستہ اختیار کرنا چاہتے ہیں اور اپنی نئی پگ ڈنڈی کی داغ بیل ڈال کر اس کو اس منزل کی طرح آراستہ و پیراستہ کرنا چاہتے ہیں آخر کب تک یہ تنک مزاجی اور تنگ چشمی باقی رہے گی۔ کب تک سرد مہری اور بے پروائی سے کام لیا جائے گا۔ بڑھو۔ آگے بڑھو۔ نہ اپنے فرض کو بھولو اور نہ اپنے بھائیوں کو بھولو وہ وقت آج نہیں تو کل ضرور آئے گا جبکہ ہمارے بھائی اسی منزل کو پھر محبت کی نگاہ سے دیکھیں گے جس پر ہمارے اور ان کے آبائے کرام مدت تک گام زن رہے ہیں جہاں تک تمہارے امکان میں ہے اُردو زبان کو تمام ملک میں پھیلاؤ خود دیکھو اور اپنے بچوں کو یہ پیاری اور محبوب زبان سکھاؤ۔ جہاں تک تمہاری طاقت ہے انجمن ترقی اُردو کو ترقی دو۔ اس کے ممبروں کا دائرہ وسیع کرو۔ اس کی زندگی اور بقا کے لئے کثیر سرمایہ فراہم کرو۔ اپنی قوم کی اُن جماعتوں کو باہم متحد کرنے میں مدد دو جو ہندوستان کے مختلف صوبوں میں آباد ہیں اور زبان کی اجنبیت کے سبب ایک دوسرے سے الگ تھلگ ہیں۔ اسلام بہ آواز بلند پکارتا ہے کہ باہمی محبت واتحاد کی حبل المتین کو مضبوط پکڑو اگر تم ایک دوسرے سے جدا ہوگے، اگر تمہاری زنجیر کی کڑیاں بکھری ہوں گی تو تمہاری ہوا بگڑ جائے گی اور تم ترقی کے میدان میں پس پا ہو جاؤ گے۔ یاد رکھو کہ زبان کا اتحاد باہمی اُلفت و اتفاق

ایک اہم ذریعہ ہے۔ اس ذریعہ کو جہاں تک ممکن ہو تقویت دو تاکہ تمہاری آوازیں یک جا ہوں تمہاری رائیں متحد ہوں تمہارے خیالات ایک نقطہ پر جمع ہوں تمہارے جذبات ایک محور کے گرد گردش کریں۔

سنو اے اسلام کے فرزندو سنو اور گوش ہوش سے سنو کہ آج تم ملک کے دروازہ پر ہو پھر کیوں نہ آج ہی سے کعبۂ ملت کا احرام باندھو، کیوں نہ آج ہی سے منادی حق کی صدا پر لبیک کہو۔ میرے آخری کلمات بجز دعا کے اور کیا ہو سکتے ہیں۔ خدا تمہاری ہمتوں اور حوصلوں کو بلند کرے۔ تمہارے دلوں میں سرگرمی اور جوش کی روح پھونکے۔ تمہارے سروں پر رحمتوں اور برکتوں کے بادل سایہ کریں۔ تم کامیابی اور ترقی کے مرحلے ہنستے کھیلتے طے کرو۔ اور آخرکار منزلِ مقصد پر دم لو! آمین یا ثم آمین !!!

سالانہ رپورٹ

بابت سنہ ۱۹۱۸ء

جناب صدر انجمن!

میں گزشتہ سال اپنی رپورٹ میں عثمانیہ یونیورسٹی کی تجویز قیام کے متعلق ذکر کر چکا ہوں۔ اس سال میں جناب کی خدمت میں یہ مسرت انگیز اور روح افزا خوش خبری سنانے کی عزت حاصل کرتا ہوں کہ اعلیٰ حضرت واقدس محی الملّت والدین خسرو دکن خلد اللہ ملکہ نے بہ کمال عطوفت و مراحم خسروانہ وازراہ علم پروری و ہنر گستری قیام جامعہ عثمانیہ کے لئے منشور خسروی (چارٹر) عطا فرمایا ہے۔ یہ منشور درحقیقت ترقی علم و اشاعت تعلیم کا فرمان ہے، جو تہذیب ذوق کی آبیاری کرے گا، تحقیق و اکتشافات کی نئی راہیں کھولیگا دلوں میں امنگیں پیدا کرے گا، علم کو گھر گھر پھیلائے گا اور ان خطوں کو سیراب کیگا جو اب تک افتادہ اور پائمال خلت تھے۔

جامعہ عثمانیہ کے سلسلہ میں سب سے اوّل سررشتہ تالیف و ترجمہ قائم ہوا جس کے ارکان تاریخ، فلسفہ، ریاضیات، سائنس، معاشیات، سیاسیات پر اُردو زبان میں ترجمہ و تالیف کر رہے ہیں جو طبع ہو رہے ہیں اور چند ہی روز میں کلیہ عثمانیہ کے طلبہ کے ہاتھوں میں ہوں گے اور شائقین علم تک پہنچیں گے۔

یوں تغیرات دنیا میں ہر گھڑی اور ہر آن ہوتے رہتے ہیں لیکن یہ زمانہ خاص طور سے تغیرات و انقلابات کا زمانہ ہے۔ خالات عالم میں ایک تموج پیدا ہو رہا ہے جسکی لہریں ایک سرحد سے دوسرے سرحد تک پہنچ رہی ہیں اور شاید ہی کوئی خطہ ایسا ہو

ہو اس کے اثر سے محفوظ ہو اور جہاں آزادی و ترقی کی صدائیں نہ گونج رہی ہوں لیکن ہماری آزادی و ترقی صحیح طریقۂ تعلیم اور اشاعت علم میں ہے۔ اور اس کا قدرتی اور صحیح ذریعہ ہماری اپنی زبان ہے۔ اگرچہ یہ صاف اور صریح مسئلہ ہے لیکن ملک کے حالات کچھ اس قسم کے ہیں کہ اس مراد کا برآنا اور اس مقصد کا عمل میں لانا بہت کٹھن اور نہایت دشوار مرحلہ تھا اعلیٰ حضرت واقدس فرماں روائے دکن خلد اللہ ملکہ کی نظر دوربین نے اس رمز کو پہچانا اور جو بات کچھ دنوں پہلے ناممکن معلوم ہوتی تھی اُسے ممکن کر دکھایا عثمانیہ یونیورسٹی کے قیام سے ہندوستان کی تعلیمی تاریخ میں ایک نئے دور کا آغاز ہوگا، اور وہ زمانہ کچھ دور نہیں کہ ملک کے ہر حصے میں اُس کی تقلید کی کوشش کی جائیگی بلکہ ہم دیکھتے ہیں کہ ابھی سے اس قسم کی صدائیں ہمارے کانوں میں پہنچ رہی ہیں۔

یہ سال جنگ یورپ اور وبائی امراض کی وجہ سے جس طرح ہر کاروبار کا مزاحم اور غارتگر ثابت ہوا، اسی طرح چھاپے خانے بھی اُس کی زد سے محفوظ نہ رہے۔ چھپائی اور کاغذ کی گرانی کے سبب سے ہمت نہیں ہوتی کہ کتابیں چھپوائی جائیں۔ تاہم اس سال حسب ذیل کتابیں طبع کے لئے دی گئیں جو انشاء اللہ جلد شایع ہو جائیں گی۔

(۱) مشاہیر یونان و رومہ جلد دوم (مترجمہ مولوی سید ہاشمی صاحب) اس کتاب کے متعلق میں اپنی گزشتہ رپورٹوں میں ذکر کر چکا ہوں۔

(۲) رسالہ علم نباتات مؤلفہ محمد یوسف صاحب صدیقی یہ علم نباتات کا پہلا رسالہ ہے جس میں بہت سلاست اور صفائی کے ساتھ نباتات سے بحث کی گئی ہے اور عام اُردو خواں اسے آسانی سے سمجھ سکتے ہیں۔ نظام فطرت کے مطالعہ اور قوت مشاہدہ کی تربیت کے لئے اس کا پڑھنا مفید ہوگا۔

(۳) علم و عمل حفظان صحت۔ مؤلفہ کپتان لطافت حسین خاں صاحب آئی ایم ایس یہ کتاب بھی بہت سادہ اور صاف زبان میں لکھی گئی ہے اور یہ لحاظ ترتیب مضامین و

معلومات اردو زبان میں اپنا جواب نہیں رکھتی۔ مؤلف نے اس کے لکھنے میں بڑی محنت کی ہے۔

(۳) تاریخ اخلاق یورپ۔ مترجمہ مولوی عبدالماجد صاحب۔ یہ دوسری جلد ہے پہلی اس سے قبل شائع ہو چکی ہے۔

اب میں ان کتابوں کا مختصر ذکر کرتا ہوں جو ترجمہ کی ہوئی رکھی ہیں یا زیر ترجمہ و تالیف ہیں۔

(۱) تاریخ تمدن مصنفہ بکل۔ مترجمہ مولوی عبدالماجد صاحب۔

(۲) تاریخ تمدن یورپ مصنفہ گزو مترجمہ مولوی مرزا مہدی خاں صاحب کوکب۔ اس پر نظر ثانی کرنا باقی ہے۔

(۳) مشاہیر یونان و روما حصہ سوم۔ اس کا ترجمہ مولوی سید ہاشمی صاحب کر رہے ہیں۔

(۴) نامۂ دانشوراں۔ اس کے کچھ اجزا مدت ہوئی ترجمہ ہو چکے تھے کچھ اجزا اس سال ترجمہ ہوئے۔ لیکن بعض بعض مقامات سے چند چند سطریں ترجمہ سے رہ گئی تھیں۔ اس کی تکمیل کے لئے قابل مترجم مولوی ریاض حسن صاحب کی خدمت میں یہ ترجمہ واپس کیا گیا۔ لیکن افسوس ہے کہ مولوی صاحب بعض مجبوریوں کی وجہ سے اب تک اس کی تکمیل نہ فرما سکے اس ترجمے کے طبع کا ایک مدت سے اعلان کیا جا رہا ہے لیکن قابل مترجم کی بیماری، عدم فرصت اور بعض مجبوریوں سے ہر سال رہ جاتا ہے۔ مجھے امید ہے کہ مولوی صاحب انجمن کے حال پر رحم فرما کر بہت جلد اس کی تکمیل فرما دیں گے۔ کیونکہ اب اس میں کچھ زیادہ کام نہیں ہے۔

(۵) کتاب الہند مصنفہ حکیم ابوریحان بیرونی۔ مولوی سید حسن صاحب برنی بی اے۔ اصل عربی اور انگریزی ترجمہ کو سامنے رکھ کر بڑی محنت سے اس کا ترجمہ

کررہے ہیں۔ پہلی جلد ختم ہوگئی ہے اور اس سال طبع کے لئے دیدی جائے گی۔

(۶) تاریخ ادبیات ایران۔ یہ بہت معرکہ آرا کتاب ہے مولوی سید سجاد صاحب ایم اے، اس کا ترجمہ بڑی تحقیق اور محنت سے کررہے ہیں پہلی جلد ختم ہوچکی ہے۔ اس کتاب کے ترجمہ سے اُردو زبان میں قابل قدر اضافہ ہوگا۔ میں اس امر کو نہایت مسرت کے ساتھ آپ کی خدمت میں عرض کرتا ہوں کہ علامہ ای۔ جی براؤن ایم اے، پروفیسر کیمبرج یونیورسٹی نے بڑی خوشی کے ساتھ اپنی اس کتاب کے ترجمہ کی اجازت عطا فرمائی ہے نیز اپنے پبلشر (مسٹر فشران ون) کو لکھ کر اجازت دلوائی اور انجمن سے خاص دلچسپی اور ہمدردی کا اظہار فرمایا۔ انجمن علامہ ممدوح کی اس عنایت کی نہایت شکر گزار ہے۔

(۷) نفح الطیب کا ترجمہ مولوی خلیل الرحمٰن صاحب نے فرمایا ہے۔ یہ درحقیقت ترجمہ نہیں بلکہ مولوی صاحب موصوف نے اسے "ایڈٹ" یعنی مرتب کیا ہے۔ یعنی بیکار اور غیر ضروری چیزیں خارج کردی ہیں۔ یہ کتاب اسپین کی اسلامی تاریخ پر معلومات کا بڑا ذخیرہ ہے۔

(۸) مورش ایمپائر ان سپین۔ (خلافت اندلس کی تاریخ) مصنفہ مسٹر اسکاٹ۔ یہ تین بڑی بڑی جلدوں میں مفصل اور جامع تاریخ ہے اور مصنف نہایت بے لاگ اور منصف مزاج ہے۔ اگر کوئی مسلمان بھی یہ تاریخ لکھتا تو اس سے زیادہ بے لاگ نہ لکھ سکتا۔ اس کا ترجمہ بھی مولوی خلیل الرحمٰن صاحب نے کیا ہے اور ایک جلد کا ترجمہ مکمل کرچکے ہیں۔

(۹) علم الاخلاق (مصنفہ ہربرٹ اسپنسر) کا ترجمہ مولوی حافظ علی صاحب مرحوم مغفور کررہے تھے لیکن ابھی وہ ترجمہ مکمل نہ کرنے پائے تھے کہ ان کا انتقال ہوگیا۔ اس سال کوشش کی جائے گی کہ اس کی تکمیل ہوجائے۔

(۱۰) میں اپنی گزشتہ رپورٹ میں اطلاع دے چکا ہوں کہ جناب سید راس مسعود

صاحب انجمن کے لئے فرانسیسی زبان سے ایک کتاب جس کا موضوع فرانس پر مربوں
کی فوج کشی ہے ترجمہ کر رہے ہیں۔ اس کتاب کا بہت سا ترجمہ ہو چکا ہے صرف دو ایک
باب باقی ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی صاحب موصوف نے ایک دوسری فرانسیسی کتاب
کا ترجمہ بھی شروع کر دیا ہے۔ یہ کتاب مسلمانوں کی فن تعمیر پر ہے اس کتاب کے متعلق
ماہرین فن کی یہ رائے ہے کہ اس موضوع پر اس سے بہتر کوئی کتاب نہیں۔ اور خوشی کی
بات یہ ہے کہ اس کے مصنف بھی ایک مسلمان عالم صلاح الدین نامی ہیں۔ یہ کتاب
دو جلدوں میں ہے۔ پہلی جلد مسلمانوں کی فن تعمیر پر ہے اور دوسری جلد مسلمانوں کے
فنون لطیفہ پر۔ دوسری جلد کسی فرانسیسی عالم کی لکھی ہوئی ہے۔ انجمن اس عنایت اور زحمت
کے لئے سید صاحب موصوف کی بہت ممنون ہے۔

(۱۱) مولوی سید افتخار عالم صاحب ابھی تک تاج خسروی کے لکھنے میں مصروف
ہیں۔

(۱۲) میں اپنی گزشتہ سال کی رپورٹ میں مولانا کرامت حسین مرحوم کی مبسوط اور
عالمانہ کتاب المرأ کا مفصل ذکر کر چکا ہوں۔ یہ کتاب جناب راجہ صاحب محمود آباد کے
قبضہ میں ہے۔ میں نے اس بارہ میں جناب راجہ صاحب کے قابل سکرٹری سید سجاد حیدر
صاحب بی اے سے خط و کتابت کی۔ انہوں نے تحریر فرمایا کہ جناب راجہ صاحب بڑی
خوشی سے اس کتاب کو طبع کے لئے انجمن کو دینے کے لئے رضامند ہیں لیکن ان کا منشا یہ
ہے کہ بعض حوالے وغیرہ جو درج کرنے سے رہ گئے پہلے اس کی تکمیل کرا لیں۔ چنانچہ
اس غرض کے لئے انہوں نے ایک صاحب کو جو مولانا مرحوم کے ساتھ کام کر چکے
ہیں اس کام پر مامور فرما دیا۔ امید ہے کہ جناب راجہ صاحب کی عنایت سے اس کی تکمیل
جلد ہو جائے گی۔

(۱۳) انگلستان کے نامور انشا پرداز اور عالم لارڈ مارلے نے حال ہی میں ایک

کتاب شائع کی ہے جس میں انہوں نے اپنی زندگی اور اپنے زمانے کے حالات معاصرانہ
نہایت خوبی سے لکھے ہیں یہ کتاب ہندوستان میں بڑے شوق و ذوق سے پڑھی
گئی ہے اس کے ایک حصے میں صرف ہندوستان کے حالات سے بحث کی ہے۔ اس
حصے کے ترجمہ کی انجمن نے لارڈ مارلے سے اجازت طلب کی، لارڈ ممدوح نے
بطیب خاطر اس تحریک منظور فرمایا ہے اور نہایت خوشی سے اس کی اجازت
عنایت فرمائی یہ کتاب اُردو داں حضرات کے لئے بہت دلچسپ اور مفید ہوگی انجمن
لارڈ مارلے کی اس عنایت کی ممنون ہے۔

(۱۴) حال ہی میں انجمن کو فخر شعرائے اُردو میر تقی میر کے تذکرۂ شعرائے ہندی
یعنی نکات الشعرا کا ایک قلمی نسخہ دستیاب ہوا ہے۔ یہ ایک نایاب کتاب ہے۔ اور
خاص وجوہ سے بہت قابل قدر ہے۔ یہ تذکرہ اسی سال چھپ کر شائع ہو جاتا لیکن اتفاق
سے یہ معلوم ہوا کہ اس کا ایک نسخہ جناب مولوی حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی
کے کتب خانہ میں بھی ہے۔ اس لئے یہ مناسب معلوم ہوا کہ دونوں نسخوں کو مطابقت
کے بعد شائع کیا جائے۔ مولانائے ممدوح نے اپنی عنایت سے یہ نسخہ مستعار دینے
کا وعدہ فرمایا ہے۔ اس لئے آیندہ سال ضرور طبع ہو جائے گا۔

(۱۵) انجمن دو تین سال سے مرزا غالب کے اُردو دیوان کا صحیح اور عمدہ نسخہ شائع
کرنے کا اعلان کر رہی ہے۔ اس کا مسودہ بڑی تلاش اور محنت سے مرتب کیا گیا تھا اور
صرف طبع کی دیر تھی اور غالباً اس سال طبع بھی ہو جاتا۔ لیکن ایک خاص واقعہ کی وجہ سے
ملتوی کرنا پڑا۔ اگرچہ یہ تاخیر ناگوار ہوئی لیکن حکمت سے خالی نہ تھی، اس لئے کہ اب انجمن
کو مرزا صاحب مرحوم کے تمام (مطبوعہ و غیر مطبوعہ) کلام کے جمع کرنے کا فخر نصیب ہوگا
اس کی مختصر کیفیت میں جناب کی خدمت میں عرض کرتا ہوں۔

یہ سب کو معلوم ہے کہ مرزا صاحب نے اُردو میں جو کچھ لکھا تھا اُسے بعض بعض

دوستوں کے حوالے کر دیا تھا اور انہوں نے بہت سے شعر غیر مانوس بندش یا دقتِ معانی کی بنا پر کاٹ دیے تھے۔ منتخب کلام جو باقی رہا وہ موجودہ دیوانِ غالب اردو کی شکل میں شائع ہوا۔ خارج شدہ اشعار کو مرزا صاحب نے خود تلف کر دیا اور وہ بالکل نایاب تھے۔

انجمن ترقی اردو کو تلاش سے بعض غیر مطبوعہ غزلیں اور خارج شدہ اشعار ضرور مل گئے تھے، لیکن اس بات کی کسی کو امید نہ تھی کہ مرزا صاحب کا پورا خارج شدہ کلام کبھی میسر آ جائے گا۔ یہ محض حسن اتفاق اور ڈاکٹر عبدالرحمٰن بجنوری مرحوم کی سعی کا نتیجہ ہے کہ بھوپال کے ایک کتب خانہ سے یہ گنج گم شدہ برآمد ہو گیا۔ انجمن کی درخواست پر ڈاکٹر صاحب مرحوم اس کی تصحیح و ترتیب و طبع کا انتظام فرما رہے تھے کہ ان کی بے وقت اور پر الم موت نے اس کے ساتھ بہت سی آرزوؤں کو خاک میں ملا دیا۔

یہ دیوان خاص نواب فوجدار محمد خاں صاحب برادر نواب قدسیہ بیگم کا ہے۔ دیوان کے شروع اور وسط میں مہریں موجود ہیں۔ کلاں مہر پر ۱۲۶۱ھ درج ہے دیوان قلمی ہے، بہت خوش خط لکھا ہوا ہے اور ۲۲۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ بہت زیادہ ایسے اشعار ہر غزل میں موجود ہیں جو موجودہ دیوانوں میں نہیں پائے جاتے۔ بہت سی نئی غزلیں ہیں۔ بعض اشعار میں مرزا صاحب نے اپنی قلم سے خفیف یا زیادہ الفاظ کا ردوبدل کیا ہے، گویا نظرِ ثانی کے بعد مروجہ دیوان طبع ہوا ہے۔ الفاظ کی اس ردوبدل اور اصلاح سے شاعر کے ذوق و نظر کا خوب اندازہ ہوتا ہے۔

جناب صاحبزادہ نواب حمید اللہ خاں بہادر بی۔ اے نے اپنی خاص عنایت اور علمی قدردانی کی وجہ سے اس نسخہ کے استعمال کی اجازت انجمن کو عطا فرمائی۔ انجمن جناب ممدوح کی بے حد ممنون ہے۔

میں اس امر کا اظہار کر دینا ضروری خیال کرتا ہوں کہ سب سے پہلے کتب خانہ حمیدیہ بھوپال میں اس نسخہ پر مولوی عبدالسلام خاں صاحب

میں نے یہ مختصر خاکہ انجمن کی علمی کارگزاری کا جناب کی خدمت میں پیش کیا ہے لیکن اب میں ایک خاص امر کی طرف توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں۔ آپ کی انجمن کا یہ قاعدہ رہا ہے کہ جو کتابیں عام طور پر ملک کے اردو داں طبقہ کے لئے مفید خیال کی گئیں اُن کا ترجمہ کرایا گیا یا جن علوم اور مضامین کو اردو میں لانے کی ضرورت خیال کی گئی اُن پر کتابیں تالیف کرانے کی کوشش کی گئی۔ لیکن اس میں کسی خاص ترتیب یا سلسلہ کا خیال نہیں رکھا گیا۔ یہ بات ایک مدت سے مجھے کھٹکتی تھی، لیکن انجمن کی حیثیت اور حالت اس قابل نہ تھی کہ وہ موجودہ روش کو ترک کر کے کسی خاص یا مستقل طرزِ عمل کو اختیار کرے اب چونکہ اس کی حالت قابلِ اطمینان ہو گئی ہے نیز ملک کے اکثر اہلِ قلم کی نظرِ توجہ اُس پر ہے اور وہ اس عرصہ میں بہت ایسے صاحبوں سے بھی روشناس ہو چکی ہے جو تالیف و ترجمہ کی صلاحیت اور شوق رکھتے ہیں، اس لئے اُسے اب کسی خاص پروگرام پر عمل کرنے میں چنداں دشواری پیش نہیں آئے گی۔ چنانچہ بعض ارکان شوریٰ کے ہمدردانہ مشورے سے مفصلہ ذیل پروگرام مرتب کیا گیا ہے جس پر آئندہ پابندی کے ساتھ عمل کیا جائے گا۔ ہر عنوان کے تحت میں مختصراً میں اُن کاموں کا بھی ذکر کرتا جاؤں گا جو اس ضمن میں جاری ہیں یا جو عنقریب ہونے والے ہیں۔

(۱) ممالک عالم کا تاریخی سلسلہ۔

(الف) اس سلسلہ میں تاریخ یونان قدیم شائع ہو چکی ہے۔

(ب) جاپان کی تاریخ سید محمد عمر صاحب لکھ رہے ہیں جس کے لئے انہوں نے کافی سامان جمع کیا ہے۔ اور چونکہ وہ خود وہاں رہ چکے ہیں اور وہاں کے تعلیم یافتہ ہیں اس لئے امید ہے کہ یہ کتاب بہت مفید ثابت ہوگی۔

(ج) سندھ کی اسلامی حکومت کی قدیم تاریخیں جو بہت کمیاب ہیں مولوی عبدالغنی صاحب پرنسپل مدرسۃ الاسلام لاڑکانہ نے بڑی محنت سے اصل نسخے کا

کئے ہیں جن میں سے وہ تاریخ معصومی اور چچ نامہ کا ترجمہ ختم کر چکے ہیں اور تحفۃ الکرام کا ترجمہ کر رہے ہیں۔ کوشش کی جاے گی کہ یہ تینوں کتابیں آیندہ سال شایع ہو جائیں۔ مولوی عبدالغنی صاحب نے جس شوق اور محنت سے یہ کام انجام دیا ہے وہ بہت ہی لایق تعریف و شکریہ ہے۔

(۵) لیکن سب سے زیادہ ضروری اور اہم ہندوستان کی تاریخ ہے۔ یہ کس قدر افسوس اور شرم کی بات ہے کہ ہماری زبان میں خود ہمارے ہی ملک کی تاریخ نہیں غیر زبانوں میں جو تاریخیں لکھی گئی ہیں وہ ہمارے کام کی نہیں۔ لہذا بعض ارکان شوریٰ کے مشورے سے یہ قرار پایا ہے کہ ابتدا میں ہندوستان کے عہد اسلامی کی تاریخ لکھی جاے۔ عنقریب اس کے لئے ایک کمیٹی قایم کی جاے گی جو اس کے تمام پہلوؤں پر غور کرے گی اور مضامین کی تقسیم و ترتیب تفصیل کے ساتھ قلمبند کرے گی۔ اس کے بعد چند ایسے لوگ منتخب کئے جائیں گے جو اپنے علم اور مطالعہ اور انشا پردازی کے لحاظ سے اس کام کے اہل ہوں تاکہ یہ کام اُن میں تقسیم کر دیا جاے۔ کیونکہ یہ کام کسی ایک شخص کے بس کا نہیں ہے اس کے لئے ضرورت ہے کہ متعدد شخص مل کر اسے انجام دیں۔ اس زمانہ میں جو تنقید و تنقیح کا زمانہ ہے اور جبکہ کھود کھود کر اور کرید کرید کر ایک ایک موقعہ کو دیکھا جاتا ہے مستند، جامع صحیح اور عمدہ تاریخ کا لکھنا نہایت دشوار کام ہے خصوصاً ہندوستان کی تاریخ لکھنا سب سے دشوار ہے اس لئے کہ غیروں کے ہاتھوں سے اس پر دانستہ یا نادانستہ بڑی بڑی رنگ آمیزیاں اور افترا پردازیاں ہوئی ہیں۔ اگر انجمن کو اس کام کے اہل چند شخص مل گئے اور امید ہے کہ ضرور مل جائیں گے تو یہ انجمن کا ایک بڑا کارنامہ ہوگا۔

اسی طرح دوسرے ممالک کی تاریخیں بھی اردو میں اسی طور سے لکھی جائیں کہ وہ ہمارے اہل ملک کے لئے مفید ہوں۔

(۲) اُردو لغات کا لکھنا۔

(الف) سب سے اوّل اس وقت لغت اصطلاحات علمیہ کا کام ہے جو جاری ہے۔ اس کام میں سررشتہ تالیف و ترجمہ عثمانیہ یونیورسٹی سے بڑی مدد ملی۔ اس کام کے لئے ایک خاص مجلس قایم ہے اور اصطلاحات اس میں پیش ہوتی ہیں بعد کامل غور و فکر و بحث مباحثہ کے جو لفظ سب سے زیادہ موزوں اور مناسب معلوم ہوتا ہے وہی اصطلاح قرار پاتا ہے۔ علاوہ اس مجلس کے ارکان کے دیگر اصحاب سے بھی جنہیں اس کا ذوق ہے مشورہ کیا جاتا ہے۔ بعض بعض صورتوں میں خاص خاص اصول بھی قرار دے لئے گئے ہیں۔ غرض اس طرح طبیعات، ریاضیات، معاشیات، فلکیات، سیاسیات و تاریخ کی کئی ہزار اصطلاحات تیار ہو چکی ہیں۔ آیندہ سال اس میں اور اضافہ ہوگا اور بعد ازاں اشاعت سے پہلے ان کا مسودہ صاحبان ذوق و اہل نظر کی خدمت میں بھیجا جائے گا اور بعد کافی تحقیق و مشورہ کے شائع کی جائیں گی۔ چونکہ اصول وضع اصطلاحات پر کسی قدر اختلاف پایا جاتا ہے اس لئے انجمن نے یہ ارادہ کیا ہے کہ اُن اصحاب سے جنہیں وضع اصطلاحات کا تجربہ ہے اور اس کا خاص ذوق رکھتے ہیں اور جنہوں نے اس پر غور کیا ہے اس موضوع پر مضامین لکھوائے جائیں اور ان سب کو کتاب کی صورت میں شائع کیا جائے۔ نواب عماد الملک بہادر نے بہت زمانہ ہوا ایک مضمون اس بحث پر انگریزی میں لکھا تھا اس کا ترجمہ ہو رہا ہے نواب صاحب ممدوح نے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ اس پر نظر ثانی فرمائیں گے۔ دوسرا مضمون مرحوم ڈاکٹر عبد الرحمن بجنوری نے اس غرض سے وفات سے قبل بھیج کر دیا ہے۔ چودھری برکت علی صاحب بی ایس سی کا ایک مضمون طریق تسمیہ کیمیاوی پر لکھا ہے۔ ایک مضمون سید مہدی حسن صاحب نے بڑے غور کے بعد لکھا ہے۔ مولوی حمید الدین صاحب بی اے ایک مبسوط اور اعلیٰ درجہ کا مضمون تحریر فرما رہے ہیں۔ بعض اور حضرات سے بھی اس کی درخواست کی گئی ہے۔ امید ہے کہ یہ مضامین جب ملک میں شائع ہوں گے

اور عام طور پر اخبارات وغیرہ میں چرچا ہوگا، تو لوگوں کے خیالات پر بڑا اثر پڑے گا اور
انہیں اس کام کی اہمیت و دشواری سے واقف ہونے کے بعد صحیح رائے قایم کرنے
میں مدد ملے گی۔

(ب) دوسرا کام اُردو زبان کی لغت کا ہے۔ پہلے یہ خیال تھا کہ ایک جامع
مبسوط اور محققانہ لغت مرتب کی جائے لیکن اس کے لئے بہت بڑے سرمایہ اور وقت
کی ضرورت تھی۔ بعض ارکان انجمن و دیگر اصحاب کی یہ رائے ہوئی (جن میں مسٹر مہدی حسن
صاحب افادی الاقتصادی کا نام سب میں ممتاز ہے) کہ اوّل ایک جامع اور مختصر لغت لکھی
جائے جو طلبہ اور عام پڑھنے والوں کے کام آئے۔ کیونکہ اس وقت کوئی ایسی کتاب نہیں
ہے اور اس کی شدید ضرورت پائی جاتی ہے۔ چنانچہ اتفاق اس پر ہوا کہ اوّل اسی کام کو
شروع کیا جائے۔ اسی بنا پر کام کی ابتدا ہو چکی ہے۔ رائے یہ قرار پائی ہے کہ جب ایک
حرف ختم ہو جائے تو اس کی متعدد نقلیں کرا کر نامور اہل زبان اور صاحب تحقیق حضرات کی
خدمت میں بغرض مشورہ بھیجی جائیں اسی طرح اول سے آخر تک تمام مسودہ پر نظر ڈالی جائے
اور اس کے بعد کتاب طبع کر کے شایع کی جائے۔

جب یہ کتاب ختم ہو جائے تو اسے بنیاد قرار دیکر مبسوط اور محققانہ لغت تیار کی جائے

(۳) خاص زبان کے متعلق

علاوہ لغات کے جو خاص شعبہ ہے، اس کا مطلب ایسی کتابوں سے ہے جن کا
تعلق زبان کی تحقیق و تنقید اور تاریخ سے ہے یا جن کا اثر تہذیب و اصلاح ذوق پر پڑتا ہے
مثلاً انتخاب کلام میر جو گزشتہ سال شایع ہوا۔ لغات الشعرا جس کا ذکر میں ابھی کر چکا ہوں
یا دیوان غالب کا مکمل اور جدید اڈیشن اسی ذیل میں شریک ہیں۔ اس قسم کی اور کتابیں
بھی وقتاً فوقتاً شایع ہوتی رہیں گی۔

انجمن کے بعض ارکان نے یہ تجویز پیش کی کہ چونکہ مولنا حالی مرحوم کا کلام اب

نہیں ملتا اور نہ وہ ایک جگہ جمع ہے لہذا انجمن کو چاہیے کہ اُن کے تمام کلام کو ایک جا جمع کرے اور اس کا صحیح اور عمدہ اڈیشن شایع کرے۔ مولانا حالی اُردو کے بہت بڑے محسن ہیں اور اُنہوں نے اپنے خاص رنگ سے اُردو زبان میں ایک انقلاب پیدا کیا ہے۔ انجمن کی رائے میں ملک میں صحیح ذوق پیدا کرنے اور اعلیٰ جذبات کے اُبھارنے کے لئے مولانا مرحوم کے کلام کا چھپوانا نہایت ضروری ہے۔ چنانچہ اس بارے میں مولانا کے فرزند رشید خواجہ سجاد حسین صاحب بی اے سے خط و کتابت کی گئی اور اُنہوں نے خوشی سے اس شرط کے ساتھ طبع کرنے کی اجازت عطا فرمائی ہے کہ اسکا منافع حالی میموریل ہائی اسکول، مولانا کے ورثہ اور انجمن میں ایک خاص مناسبت سے تقسیم کر دیا جائے ارادہ ہے کہ آیندہ سال مولوی وحیدالدین سلیم و دیگر حضرات کے مشورہ سے خاص ترتیب کے ساتھ مولانا کے کلام کا مکمل اڈیشن شایع کیا جائے۔

اس ضمن میں میں ایک اور تجویز کا ذکر کرنا بھی مناسب خیال کرتا ہوں جو انجمن نے حال ہی میں شایع کی ہے اور رائے کی غرض سے ارکان و بہی خواہان انجمن کی خدمت میں بھیجی ہے۔ یہ تجویز اُردو کی درسی کتب کے متعلق ہے۔ انجمن کا منشا اس سے یہ ہے کہ اُردو کی جدید درسی کتب (یعنی ریڈریں) اس نہج سے لکھی جائیں کہ وہ بچوں کے مدارج و عمر و تجربہ کے مناسب حال اور دماغی اور اخلاقی قویٰ کی تربیت کا آلہ اور شریفانہ جذبات کی تحریک کا باعث ہوں۔ زبان صاف ستھری ہو اور تقریباً ہندوستان کے ہر حصے کے لئے بکار آمد ہوں۔ اس کے متعلق کچھ رائیں وصول ہوئی ہیں۔ اس کے بعد یہ معاملہ ایک خاص مجلس میں پیش کیا جائے گا اور وہ مجلس تمام پہلوؤں پر غور کر کے یہ فیصلہ کرے گی کہ آیا موجودہ حالت میں جدید درسی کتب کے مرتب کرنے کی ضرورت ہے یا نہیں اور اگر ہے تو کیا اُن اصول پر لکھوانا مناسب ہوگا جو انجمن کی تجویز میں پیش کئے گئے ہیں یا اُن میں کسی ردّ و بدل کی ضرورت ہے۔

یہ تجویز انجمن کی درخواست پر محمد الیاس صاحب محتشم نے بڑے غور اور احتیاط سے تحریر فرمائی تھی۔ جس کا انجمن شکریہ ادا کرتی ہے۔

(۴) معلومات عامہ

ہمارے اہل وطن اور خاصکر اُردو داں طبقہ کو جس طرح خاص خاص چیزوں کی ضرورت ہے اسی طرح وہ عام معلومات کے بھی محتاج ہیں مختلف لغت کا لکھنا، زبان کی اصلاح و توسیع کے متعلق کوشش کرنا نہایت مستحسن اور ضروری ہے۔ لیکن جب تک عام اور علمی معلومات میں اضافہ نہ ہوگا اس وقت تک اصل ترقی کی توقع نہیں ہو سکتی۔ انجمن کا یہ فرض ہے کہ وہ اُردو داں اصحاب کی خدمت میں ایسی تحریریں اور مضامین پیش کرے جن کے مطالعہ سے اُن کی نظر میں وسعت، خیالات میں انقلاب اور دماغوں میں روشنی پیدا ہو۔ یہی ایک ذریعہ ہے اس مقصد تک پہنچنے کا جو ہمارے پیش نظر ہے۔ چنانچہ علم نباتات اور حفظان صحت پر جو دو کتابیں اس سال طبع ہوئی ہیں وہ اسی ذیل میں ہیں۔ اسی طرح یہ ارادہ ہے کہ اُن علوم پر جن کا جاننا ہمارے لئے ضروری ہے عام فہم زبان میں رسالے اور کتابیں لکھوا کر شایع کی جائیں۔

لیکن ان تمام ضرورتوں سے بالاتر ایک اور ضرورت ہے جس کی اُردو زبان میں بہت کمی ہے۔ افسوس ہے کہ اُردو داں طبقہ کو ایک ایسے زمانہ میں جبکہ ہر طرف انقلاب کی ہوائیں چل رہی ہیں اور اصلاح و ترقی کی صداؤں سے ہوا گونج رہی ہے، اپنے ملک کی موجودہ حالات سے کماحقہٗ واقفیت حاصل کرنے کا موقع نہیں حالانکہ تمام سیاسی معاشی تعلیمی ترقی کا انحصار صحیح معلومات پر ہے ایک طرف ہمیں یہ شکایت کہ ہماری گزشتہ زمانہ کی تاریخ پر تعصب و ناواقفیت نے پردہ ڈال رکھا ہے اور صحیح واقعات ہمدردی کے پیرایہ میں ظاہر نہیں کئے جاتے۔ دوسری طرف ہمیں اپنے ملک کے حالات موجودہ کا کافی علم نہیں۔ کیا ایسا طبقہ ترقی کے مسئلہ میں قدم بڑھا سکتا ہے؟ نصاب تعلیم کی نئی نئی کتابوں کے

لکھوانے اور کتب خانوں کے قائم کرنے سے کیا فائدہ جبکہ کتابیں غیر زبان میں ہیں اور اُن کے لکھنے والے غیر ہیں کیا ایسی کتابوں کے مطالعہ سے ہمارے دلوں میں اپنے گزشتہ عہد کی عظمت یا آیندہ کے لئے امید کا ولولہ پیدا ہوسکتا ہے؟ یہی وجہ ہے کہ انجمن نے اِن دونوں کاموں کے انجام دینے کا تہیہ کیا ہے تاکہ ایک طرف وہ اپنی تاریخ کو اپنے ہی اہل قلم سے لکھوائے اور دوسری طرف اُس کے ساتھ ساتھ حالات موجودہ پر کافی اور مکمل معلومات جمع کرے کہ گزشتہ کی عظمت اور حال کا علم آیندہ کی ترقی کے محرک ہوں۔

"ہمارے ملک" کی تالیف کی تجویز اسی بنا پر تھی۔ اس سے انجمن کا منشا یہ ہے کہ ایک ایسی جامع اور مستند کتاب لکھی جائے جس میں ملکی حالات وضاحت اور صفائی کے ساتھ بیان کئے گئے ہوں۔ وہ صرف عام معلومات کی جمع کردینے پر اکتفا کرنا نہیں چاہتی بلکہ اس میں ایک محققانہ نیز علمی شان بھی چاہتی ہے۔ اسی خیال سے کتاب کے مختلف حصے اُن نامور حضرات سے لکھوانے کی کوشش کی گئی جو خاص مضامین میں پورا ابجر رکھتے ہیں۔ چنانچہ ان میں سے اکثر حضرات نے وعدہ بھی فرمایا لیکن افسوس ہے کہ یہ زمانہ ایسا پرشورش اور عام مصروفیت کا تھا کہ وہ وعدے ابھی پورے نہیں ہوسکے منجملہ اُن حضرات کے جن کا نام میں اپنی گزشتہ سال کی رپورٹ میں لکھ چکا ہوں۔ میں مسٹر عبداللہ یوسف علی (آئی سی ایس) کا نام نامی کا بھی خاص طور پر ذکر کرنا چاہتا ہوں صاحب موصوف نے اس کتاب کے متعلق خاص دلچسپی کا اظہار فرمایا ہے اور اپنی عنایت سے اس کے پہلے باب (یعنی مقدمے) کے لکھنے کا وعدہ کیا ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ کتاب کیا اہمیت اور حیثیت رکھتی ہے۔ اس بارے میں بعض ارکان شوریٰ کی یہ رائے ہے کہ کتاب کے وہ ابواب جن میں صرف معلومات جمع کرنے کی ضرورت ہے اور کسی جدت یا مذہبی نقطۂ نظر سے بحث کی ضرورت نہیں وہ کسی

کسی شخص سے اجرت دے کر یا ملازم رکھ کر لکھوائے جائیں اور اُسے تمام ضروری سامان مہیا کر دیا جائے۔ البتہ خاص خاص مضامین خاص خاص حضرات سے لکھوائے جائیں اور اُن سے مسلسل خط و کتابت کی جائے یہ رائے معقول معلوم ہوتی ہے۔ ایسے شخص کی تلاش ہے اور اس کے مل جانے پر فوراً کام شروع کر دیا جائے گا۔

(۵) انجمن کا رسالہ۔

یہ اس پروگرام کا بہت بڑا جزو ہے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ انجمن کے مقاصد کی اشاعت اور اس پروگرام کی کامیابی زیادہ تر اسی پر منحصر ہے۔ ایک مدت سے اکثر ارکان انجمن کا یہ اصرار تھا کہ انجمن کا خاص رسالہ ہونا چاہیے۔ خاص کر مرحوم ڈاکٹر عبدالرحمٰن بجنوری اس پر بہت مصر تھے۔ اس کی ضرورت اس قدر صاف اور عیاں ہے کہ اس پر بحث کرنے کی مطلق ضرورت نہیں۔ کیونکہ اس کے ذریعے سے نہ صرف انجمن کی مقاصد اور مختلف تجاویز کی اشاعت ہوگی اور ارکان انجمن اور دوسرے حضرات اس کی کارگزاریوں سے واقف ہوتے رہیں گے اور انہیں اُن پر بحث کرنے اور اپنی رائے کا کے اظہار کا موقع ملے گا بلکہ یہ رسالہ تہذیب و اصلاح ذوق کا زبردست آلہ ہوگا۔ مجھے رسالہ کے جاری کرنے میں شروع سے تامل رہا اور جنگ یورپ نے میرے اس تامل کو اور پختہ کر دیا تھا۔ اب جنگ کا خاتمہ ہو گیا ہے۔ اگر کاغذ اور چھپائی کی گرانی نے اجازت دی اور دوسرے مناسب سامان بھی فراہم ہو گئے تو رسالہ کے اجرا میں تامل باقی نہ رہیگا تاہم اس مسئلہ پر غور و فکر اور مختلف اصحاب سے مشورہ کی ضرورت ہے۔

(۶) انجمن کا مرکزی کتب خانہ۔

انجمن کے اغراض و مقاصد کا اہم جزو ہے لیکن انجمن میں ابھی تک اس قدر استطاعت نہیں ہوئی کہ وہ اس مقصد کو پورا کر سکتی۔ تاہم دو سال سے یہ ہو رہا ہے کہ تھوڑی تھوڑی رقم اردو کی قدیم قلمی کتابیں یا ایسی مطبوعہ کتابیں جو ایک زمانہ میں بہم پہنچیں اور اب دستیاب نہیں ہوتیں، مہیا کرنے میں صرف کی جاتی ہے۔ اسوقت

انجمن کے پاس چھوٹا سا عمدہ ذخیرہ جمع ہو گیا ہے۔
اب میں انجمن کے علمی کارنامے کو چھوڑ کر اس کی دوسری کارگزاریوں کا مختصر طور پر ذکر کرنا چاہتا ہوں۔

(۱) اشاعتِ مطبوعات

	سکۂ انگریزی	حالی	
گزشتہ سال کل	[illegible]	[illegible]	کی کتابیں

فروخت ہوئی تھیں۔

اس سال	[illegible]	[illegible]	کی فروخت ہوئیں

ایجنٹوں کے ذریعہ سے صرف [illegible] کی کتابیں فروخت ہوئیں لیکن اس میں آخری سہ ماہی کا حساب شامل نہیں۔ ہمارے ایجنٹوں میں سے ہمدم، خطیب، الکاشف، دلاور کانہ (؟) احمد صاحب انصاری (حیدر آباد) مولوی احمد اللہ صاحب ندوی نے خوب کام کیا جن کا شکریہ ادا کیا جاتا ہے۔

(۲) ارکان انجمن

۱۹۱۶ء میں ارکان اعانت کی تعداد	۸۳	تھی
گزشتہ سال	۱۹۲	ہوئی
اور اس سال	۳۲۲	ہے
ارکان دوامی گزشتہ سال	۱۱	تھے
اس سال	۲۸	ہوئے

اگرچہ جس مناسبت سے ارکان انجمن میں ترقی ہوئی ہے وہ قابل اطمینان ہے لیکن تاہم ایک ایسی انجمن کے لئے جو ایک ایسے اہم فرض کو انجام دے رہی ہے، یہ تعداد بہت کم ہے اور یہی وجہ ہے کہ انجمن ابھی تک دریوزہ گری سے مستغنی نہیں ہے۔

(۳) نئی شاخیں اور کتب خانے

(۱) اسلامیہ انگلش ہائی اسکول بہار شریف ضلع پٹنہ۔ مولوی سید محمد حسن صاحب آنریری سکرٹری کی حمایت سے یہ کتب خانہ قایم ہوا۔ جن کا شکریہ ادا کیا جاتا ہے۔

(۲) کاکو ضلع گیا۔ مولوی محمد یوسف حسین صاحب رئیس کاکو کی فیاضی و علم دوستی کی بدولت یہاں شاخ اور کتب خانہ قایم ہوا۔

(۳) انجمن اسلامیہ دارجلنگ۔ مولوی مظفر حسین صاحب عینی مدرس مدرسۂ عربیہ چاٹگام کی مساعی جمیلہ سے شاخ اور کتب خانہ قایم ہوا۔ عینی صاحب ہمارے بڑے ہمدرد اور معاون ہیں اور خاص طور سے شکریہ کے مستحق ہیں۔

(۴) چاٹگام۔ خان بہادر مولوی عبدالعزیز صاحب بی اے، انسپکٹر مدارس چاٹگام کی نوازش و توجہ سے چاٹگام میں شاخ و کتب خانہ قایم ہوا۔ کتب خانہ اور شاخ وکٹوریہ اسلام ہوسٹل میں کھولی گئی ہے۔

(۵) ڈھاکہ۔ مولانا حکیم حبیب الرحمٰن صاحب اور مرزا فقیر محمد صاحب اثر نے ایک عظیم الشان کتب خانہ کی بنا ڈالی۔ جناب حکیم صاحب نے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ اپنی کتابیں (مطبوعہ و قلمی) جن کی تعداد دو ہزار کے قریب ہی عنقریب دیدیں گے۔ حکیم صاحب کی یہ فیاضی اور اولوالعزمی بہت قابل تعریف ہے۔ اسی طرح مرزا فقیر محمد صاحب اثر رئیس احسن منزل ڈھاکہ نے بھی متعدد کتابیں دینے کا وعدہ فرمایا ہے۔ یہ دونوں صاحب ترقی و توسیع اُردو کے دل و جان سے حامی ہیں اور مشرقی بنگالہ میں ان کا دم غنیمت سی ہے۔

(۶) پکی سرائے مظفرپور۔ میں جناب ایس ایم محمود صاحب اور دیگر حضرات نے محض اپنے ذاتی علمی شوق اور زبان اُردو سے محبت کی خاطر شاخ قایم کی۔

(۷) بلگام (بمبئی)۔ مولوی سید فضل اللہ صاحب اور محمد حسین صاحب سکرٹری

انجمن اسلام بگام و دیگر اصحاب کی مساعی سے شاخ قایم ہوئی۔ ان دونوں صاحبوں کا شکریہ ادا کیا جاتا ہے۔

(۸) مالدہ۔ عبدالغنی صاحب سکرٹری محمڈن ایجوکیشنل ایسوسی ایشن کی اعانت سے مالدہ میں شاخ قایم ہوئی۔

(۹) نلگنڈہ (ممالک محروسہ سرکار عالی) مولوی غلام محمد صاحب اوّل تعلقدار ضلع کی نوازش اور کوشش سے اوّل درجہ کی شاخ اور کتب خانہ قایم ہوا۔ اس شاخ اور کتب خانہ کی حالت بہت عمدہ ہے۔ جناب مولوی صاحب موصوف جو خود عالم اور علم کے قدردان ہیں بہت قابل شکریہ ہیں۔

(۱۰) کوآتھ ضلع آرہ۔ یہاں سید وصی صاحب بلگرامی نے شاخ قایم کی۔

(۱۱) شاہ آباد کرنال۔ مولوی عبداللہ خاں صاحب شروانی و مولوی محمد رفیق صاحب انصاری و دیگر اہل قلم و علم دوست حضرات کی کوشش سے شاخ و کتب خانہ قایم ہوا۔

(۱۲) گھتنی ضلع پرتاب گڑھ۔ مولوی عبدالحی خاں صاحب سکرٹری بیت الاشراق کا شکریہ جنھوں نے بیت الاشراق کو انجمن سے ملحق کر دیا اور شاخ قرار دیا۔

(۱۳) صمدن ضلع فرخ آباد۔ مولوی نور احمد صاحب رضوی کی سعی سے شاخ و کتب خانہ قایم ہوا۔

(۱۴) کراچی۔ فدا حسین محمد علی صاحب کوئٹے والے سکرٹری انجمن ترقی اردو سندھ کراچی کی درخواست پر اسے مرکز انجمن سے ملحق کیا گیا۔ سکرٹری صاحب اور ان کے احباب نے سندھ اردو کانفرنس منعقد کی جلسہ بڑے دھوم دھام سے ہوا۔

(۱۵) شاخ انجمن ترقی اردو سینٹ جانس کالج آگرہ نے ممالک متحدہ کے تمام کالجوں کے طلبہ کو دعوت دی کہ

(۱) شمس العلما مولانا نذیر احمد مرحوم کے کلام پر تبصرہ کریں یا۔

(۲) پریس کی ذمہ داریاں اور اُردو پریس کی حالت موجودہ پر مضامین لکھیں۔

اور دو انعام مقرر کئے، جو بابو چھل بہاری لال صاحب رئیس آگرہ اور سید ذرحسین صاحب رئیس آگرہ نے طلائی اور نقرئی تمغوں کی صورت میں عطا فرمائے۔

کتب خانوں کو انجمن نے اپنی ۴۹۹ مطبوعات مفت دیں جن کی مجموعی قیمت صالہ صہ ہوتی ہے بیرونی کتب فروشوں سے تقریباً دو سو کی کتابیں فراہم کی گئیں۔

(۴) ہمدردان و محسنین انجمن کا شکریہ

(۱) میں جناب آنریبل سیٹھ عبدالکریم حاجی عبدالشکور صاحب جمال سی آئی ای کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انھوں نے انجمن کو ایک ہزار روپیہ عطا فرمایا۔

(۲) مسٹر محسن علی صاحب ڈائیگو کوڈ انجنیر - امپیریل سروس، مرزاپور خاص طور سے انجمن کے شکریہ کے مستحق ہیں کہ وہ بغیر کسی تحریک کے خود رکن دوامی ہو گئے اور کئی اور اصحاب کو ارکان دوامی وارکان اعانت بنایا اور انجمن کے مطبوعات کی اشاعت کی کوشش کی صاحب موصوف انجمن کے بہت ہی مخلص ہمدرد ہیں۔

(۳) جناب غلام حسین عارف صاحب (کلکتہ) نے ارکان اعانت بہم پہنچانے میں مدد دی۔

(۴) مولوی مودود الرحمٰن صاحب بیرسٹر ایٹ لا۔ کلکتہ نے ارکان اعانت بہم پہنچانے میں مدد دی۔

(۵) قاضی عبدالغفار صاحب کلکتہ نے ارکان اعانت بہم پہنچانے میں مدد دی۔

(۶) شیخ اخلاق احمد صاحب سوداگر کولوٹولہ کلکتہ۔ سفیر کو مہمان رکھا اور پنجابی سوداگروں کو ارکان بنانے میں مدد دی۔

(۷) مولوی محمد قاسم صاحب سپرنٹنڈنٹ ایلیٹ ہوسٹل کلکتہ۔

(۸) خان بہادر محمد اعظم صاحب رئیس دلکشا ڈھاکہ
(۹) خواجہ محمد موسیٰ صاحب رئیس ڈھاکہ (سفیر کو خاص طور پر مدعو کیا)
(۱۰) خواجہ عبدالحفیظ صاحب رئیس ڈھاکہ
(۱۱) بھپندر وچندر وداس صاحب گپتا مرچنٹ نواین گنج
(۱۲) نواب زادہ ابوالفیض محمد عبدالعلی صاحب ایم اے ڈویژنل مجسٹریٹ میمن سنگھ
(۱۳) مولوی مصلح الدین احمد خان صاحب جواد رئیس اعظم بولائی
(۱۴) مولوی عبدالکریم صاحب بی اے بی ایل گورنمنٹ پلیڈر کمیلا
(۱۵) خان بہادر نواب حسام حیدر صاحب رئیس اعظم کمیلا
(۱۶) مولوی شیخ فضل الرحمن صاحب (علیگ) رئیس اعظم پراگن پور
ل۵ (۱۷) خان بہادر نواب علی نواب چودہری رئیس اعظم چھم گاؤں (رکن دامی)
(۱۸) چودہری مولوی حکیم سکندر علی صاحب رئیس وزمیندار چھم گاؤں
(۱۹) سیٹھ عبداللطیف احمد صاحب۔ کلکتہ (رکن دامی)
۵۲ (۲۰) خان بہادر نواب میرزا شجاعت علی بیگ صاحب قونصل ایران کلکتہ (رکن دامی)
(۲۱) نواب سید نصیر الدین صاحب خیال رئیس کلکتہ (رکن دامی)
۵۳ (۲۲) مولوی خلیل الرحمن صاحب۔ مولوی منظر علی صاحب۔ مولوی مسعود احمد صاحب
رئیسان ندول۔
۵۴ (۲۳) مولوی حافظ شاہ حمید الدین احمد صاحب رئیس ضلع پٹنہ (رکن دامی)
۵۵ (۲۴) مولوی شیخ عبدالرحمن صاحب آنریری مجسٹریٹ کاکو (رکن دامی)
۵۶ (۲۵) قاضی مولوی فرزند احمد صاحب رئیس اعظم گیا (قیصر ہند) (رکن دامی)
۵۷ (۲۶) مسٹر سلطان احمد صاحب بیرسٹرایٹ لا گورنمنٹ ایڈوکیٹ جنرل سابق پٹنہ
(۲۷) جناب مسز عباس طیب جی صاحبہ بڑودہ (رکن دامی)

(۲۸) جناب مس ریحانہ طیب جی بڑودہ (رکن دائمی)

(۲۹) جناب مسٹر سید حسن امام صاحب بیرسٹرایٹ لا بانکی پور (رکن دائمی)

(۳۰) مولوی معشوق حسین خاں صاحب بی اے (علیگ) اسسٹنٹ رجسٹرار انجمن ہائے اتحادی (حیدرآباد دکن)

(۳۱) مولوی غلام ربانی صاحب بی اے نلگنڈہ

(۳۲) مولوی سجاد علی صاحب تحصیلدار اجنٹہ (ممالک محروسہ سرکار عالی)

(۳۳) مولوی محی الدین احمد صاحب نلگنڈہ (ممالک محروسہ سرکار عالی)

(۳۴) حکیم شمس الحسن صاحب گیا

ان سب کے بعد میں کانفرنس کے محترم جائنٹ سکرٹری جناب مولانا حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی کا دلی شکریہ ادا کرتا ہوں کہ اُنہوں نے انجمن کی تمام کارروائیوں کو بنظر استحسان دیکھا اس سے غایت درجہ کی ہمدردی ظاہر کی اور ہر قسم کی مدد دینے کے لئے آمادگی ظاہر فرمائی۔

حاجی مظہر علیم صاحب سفیر انجمن کی کارگزاری باوجودیکہ زمانہ ناموافق تھا نہایت قابل تعریف ہی۔ اُنہوں نے ارکان بنانے، نئی شاخیں اور کتب خانے قایم کرنے اور عطیوں کے حاصل کرنے میں انجمن کی بہت بڑی مدد کی اور اپنے فرض کو بڑی محنت اور دلی شوق سے انجام دیا۔

میں اڈیٹر صاحبان وکیل، مشرق، دلگداز، نیر اعظم، ذوالقرنین، خطیب کا شکرگزار ہوں جنہوں نے اپنے اخبارات کے ذریعہ سے اُردو زبان کی خدمت فرمائی اور انجمن کی کارروائیوں پر نظر ڈالی۔

آخر میں میں نہایت رنج والم اور افسوس وحسرت کے ساتھ ڈاکٹر عبدالرحمن بجنوری مرحوم کی وفات کا ذکر کرتا ہوں ڈاکٹر صاحب مرحوم علی گڈہ کالج کے تعلیم یافتہ تھے۔ کالج کی تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد اُنہوں نے انگلستان اور جرمنی کی یونیورسٹیوں میں تعلیم حاصل کی۔ علی گڈہ کالج سے جو گنتی کے چند ایسے تعلیم یافتہ نکلے ہیں جن پر کالج فخر کر سکتا ہی اُنہیں ڈاکٹر صاحب کا بھی شمار ہی۔ بلکہ میری ذاتی رائے یہ ہی کہ وہ فرزندان کالج میں سب سے سعید اور قابل قدر تھے مسلم یونیورسٹی کے متعلق جو پر زور اور اعلیٰ درجہ کے مضامین اُنہوں نے لکھے اور کانسٹی ٹیوشن کے مرتب کرنے میں [illegible] بعد وہ محتاج تعریف نہیں۔ ریاست بھوپال میں وہ مفت اور جبریہ تعلیم کی اسکیم مرتب کرنے کے لئے طلب کیے گئے تھے جس پر اُنہوں نے بڑی محنت کی اور قبل وفات ان کا کام قریب الاختتام تھا مسئلہ تعلیم پر وہ خاص رائے رکھتے تھے جو اُنہوں نے مدتوں غور کرنے کے بعد قایم کی تھی۔ اُردو زبان سے مرحوم کو بے انتہا محبت تھی اور انجمن ترقی اُردو سے

تعلق تھا۔ اُن کے مخلصانہ اور دوستانہ مشوروں سے انجمن کو بڑی تقویت تھی اور انجمن کے لئے کام کرنے کو
قت مستعد رہتے تھے دیوان غالب کا جدید اڈیشن (جس کا ذکر ہو چکا ہے) مرتب کر رہے تھے اور اُسکے لئے
ن سے ایک سب بے نظیر اور عالمانہ مقدمہ غالب کی شاعری پر لکھا تھا جو اردو زبان میں بالکل نئی چیز ہے۔ سوائے
ن احباب کے بہت کم لوگ ایسے ہیں جن کو اس بات کا علم ہے کہ مرحوم شاعر بھی تھے جب یہ نظمیں شائع ہوں گی
لوم ہوگا کہ اُن کی شاعری نئے انداز کی تھی اور اردو زبان میں اُنہوں نے ایک جدید شاعری کا ڈول ڈالا تھا۔ وہ
دو میں ارتقا پر ایک کتاب لکھ رہے تھے۔ لکھنے سے پہلے اُنہوں نے کتاب کا ایک خاکہ کھینچا تھا جو یورپ کے بڑے
ے سائنس دانوں کے پاس رائے کی غرض سے بھیجا تھا اُنہوں نے اس کی بہت تعریف کی اور داد دی تھی۔ ابھی
نہوں نے یہ کتاب لکھنی شروع کی تھی۔ ادب میں اُن کا ذوق نہایت سلیم اور کامل واقع ہوا تھا لیکن اس تمام علم و فضل کے
واسب سے قابل تعریف اور لائق قدر اس شخص کا کیرکٹر یعنی سیرت تھی۔ اُس کی نیکی، شرافت نفس اور خاموشی میں
ب جادو تھا اور یہی وجہ تھی کہ اُس کے ملنے والے اُس پر فدا تھے۔ نوجوانی کے عالم میں اس میں ایسی خوبیاں اور
مالات تھے جو بڑی عمر میں بھی حاصل نہیں ہو سکتے۔ وہ بہت ہونہار تھا، اُس سے قوم اور ملک کو بڑی بڑی امیدیں
تھیں لیکن افسوس کہ اس کی بے وقت موت نے بہت سی آرزوؤں کو خاک میں ملا دیا۔ اور گوہر نایاب کو ایسے وقت
بں جبکہ قوم میں قحط الرجال ہے ہم سے چھین لیا۔

میں مولوی عبدالغنی صاحب عظیم آبادی کی وفات پر کمال افسوس اور رنج کا اظہار کرتا ہوں۔ مرحوم ایک عالم
اور علم دوست شخص تھے۔ حالانکہ وہ ریاست حیدرآباد میں ایک عہدۂ جلیلہ پر ممتاز تھے لیکن علمی شوق سے کبھی
غافل نہ رہے۔ سرکاری فرائض سے جو وقت بچتا تھا وہ علمی مشاغل میں صرف کرتے تھے۔ انہوں نے اردو میں متعدد
کتابیں تالیف و ترجمہ کیں جو مقبول ہوئیں۔ ان کا مصمم ارادہ تھا کہ وظیفہ لینے کے بعد وہ انجمن کی خدمت کریں گے
لیکن افسوس کہ وظیفہ حاصل کرنے اور وطن جانے کے بعد ابھی وہ اطمینان سے رہنے نہ پائے تھے کہ پیام اجل
پہنچا اور وہیں داغ مفارقت دے گئے۔ مرحوم پختہ خیال، مستقل مزاج، بہت بے تکلف اور آشنا پرست تھے۔
انکی زندگی بہت بے لوث تھی اور ہمیشہ اچھے مشاغل میں بسر ہوئی۔

عبدالحق
آنریری سکریٹری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کانفرنس گزٹ

حصہ دوم

(۱) اخلاقی تعلیم ایک اخلاقی سبق | مسٹر ظفر حسین خاں گورنمنٹ ٹریننگ کالج لکھنؤ۔

اخلاقی تعلیم

(سلسلہ کے لئے ملاحظہ ہو کانفرنس گزٹ جلد ۱۳ نمبر ۹ و ۱۰ بابت ماہ دسمبر و جنوری ۱۹۱۸ و ۱۹۱۹ء)

پچھلے نمبر میں ہم اخلاقی تعلیم کی تاریخ محمدیہ عہد کی ترقی، اور ہندوستان میں اس کی شدید ضرورت اور اس سے شدید غفلت سے بحث کر چکے ہیں اس نمبر میں جدید اصول تعلیم کے مطابق ایک اخلاقی سبق کی تصویر نذر ناظرین کی جاتی ہے۔ ہم اس کو مکالمہ کے انداز پر بیان کرتے ہیں۔

سین۔ درجہ نہم

مدرس میز کے پاس کھڑا ہے۔ دو بورڈ اس کے داہنی جانب اور دو بائیں جانب رکھے ہیں۔ کچھ آلات تعلیم کاغذات اور کتابیں میز پر رکھی ہیں۔

مدرس: لڑکو، فرض کرو کہ ایک لڑکا اسکول سے واپسی پر راہ میں ایک انگشتری پڑی پاتا ہے۔ انگشتری پر نظر پڑتے ہی فطرۃً وہ کیا کرے گا۔

لڑکا : انگوٹھی اٹھائے گا۔

مدرس : ٹھیک وہ انگوٹھی اٹھالیتا ہے اور غور سے دیکھتا ہے تو اس کو پیلی دھات کی بنی ہوئی جس میں ایک سُرخ نگینہ جڑا ہے پاتا ہے (ان دونوں باتوں کو مدرس اپنے بائیں جانب کی دوسرے بورڈ پر لکھ دیتا ہے) اچھا تو مجھے بتاؤ کہ وہ لڑکا اس انگوٹھی کے متعلق فطرۃً کیا معلوم کرنا چاہے گا تم بتاؤ۔

لڑکا : یہ کہ آیا وہ سونے کی ہے یا پیتل کی اور نگینہ سچا ہے یا جھوٹا۔

مدرس : شاباش، بیٹھو۔ اچھا وہ لڑکا ایک جوہری کے پاس جاتا ہے اور اس کو وہ انگوٹھی دکھاتا ہے۔ جوہری بتاتا ہے کہ انگوٹھی نقلی سونے کی ہے اور نگینہ بھی نقلی ہے۔ لڑکا رنجیدہ جوہری کی دُکان سے پلٹتا ہے اور راستہ میں اس کو اس کے ایک دوست کا باپ ملتا ہے۔ لڑکا انگشتری دکھاتا ہے اور دوست کا باپ اس انگوٹھی کو پچاس روپیہ پر خریدنے کے واسطے تیار ہو جاتا ہے۔ اب اگر وہ لڑکا ساری حقیقت بیان کر دیتا ہے تو بتاؤ وہ کون سی اخلاقی صفت کا اظہار کرتا ہے۔

لڑکا : صداقت۔

مدرس : تو لڑکو آج میں تم کو صداقت کے متعلق کچھ باتیں بتانا چاہتا ہوں (یہ کہہ کر مدرس بائیں جانب والے پہلے بورڈ پر جاتا ہے اور اس کو گھما کر چند عنوانات لڑکوں کے سامنے کر دیتا ہے) میں ان عنوانات کے تحت میں صداقت پر بحث کروں گا۔ اس بورڈ پر کیا کیا سُرخیاں لکھی دیکھتے ہو۔ تم پڑھو۔

لڑکا : اوّل تعریف۔ دوسرے دروغ بیانی کے طریقے، تیسرے اقسام کذب چوتھے دروغ بیانی کے اسباب اور ان کا علاج، پانچویں راستبازی فن ہے۔ چھٹے جھوٹ کے نتائج۔

مدرس : فرض کرو ایک شخص جس کا نام احمد ہے اپنے دوست محمود کے پاس قریب دس بجے شب کو جاتا ہے۔ محمود اس وقت کھانا کھا رہا ہے۔ وہ احمد سے کھانا کھانے کو کہتا ہے تو

طالب علم کسی اور وجہ سے کہتا ہے:-

"میں سات بجے کھانا کھا لیتا ہوں" (مدرس اس عبارت کو بورڈ پر لکھ دیتا ہے)
یہ بالکل صحیح ہے کہ احمد سات بجے شام کو کھانا کھانے کا عادی ہے لیکن اس روز اس نے کھانا نہیں کھایا ہے۔ ان دونوں کو ملحوظ رکھو۔ آؤ ہم اب اس کے جواب پر غور کریں (مدرس بورڈ کے پاس جاتا ہے اور عبارت کی طرف اشارہ کر کے کہتا ہے)۔
"یہ واقعہ ہے کہ احمد سات بجے کھانا کھاتا ہے تو تم ایسے جواب کو کیا کہو گے جو کسی واقعہ کو بیان کرتا ہو؟"

لڑکا: سچ۔

مدرس: ٹھیک۔ لیکن اس جواب سے محمود کیا سمجھے گا؟

لڑکا: یہ کہ احمد نے کھانا کھا لیا ہے۔

مدرس: لیکن میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ احمد نے اس شب کو سات بجے کھانا نہیں کھایا تھا اس لئے تم ایسے جواب کو کیا کہو گے جس سے واقعہ کے خلاف اظہار ہوتا ہے۔

لڑکا: جھوٹ (مدرس "سچ" اور "جھوٹ" کے لفظ احمد کے جواب کے مقابلے میں لکھ دیتا ہے)

مدرس: تو احمد کا جواب صحیح بھی ہے اور غلط بھی، جھوٹ بھی ہے اور سچ بھی۔ کس نقطۂ نظر سے سچ ہے اور کس نقطۂ نظر سے جھوٹ ہے؟

لڑکا: جھوٹ تو اس لحاظ سے ہے کہ اس کا جواب محمود کو دھوکہ میں ڈالتا ہے اور صحیح اس لحاظ سے کہا جا سکتا ہے کہ بہر طور وہ سات بجے کھانا کھانے کا عادی تو ہے ہی اور وہی وہ کہتا ہے۔

مدرس: شاباش! بالفاظ دیگر یوں کہو کہ جہاں تک محض لفظوں کا تعلق ہے وہ بیان صحیح ہے لیکن جب ہم اس معنی کا لحاظ کرتے ہیں کہ جو محمود یا کوئی جو اس جگہ پر ہو سمجھے گا احمد کا بیان جھوٹا معلوم ہوتا ہے تو احمد کا بیان لفظی حیثیت سے صحیح ہے لیکن معنوی حیثیت

بالکل غلط ہے (یہ دونوں باتیں بورڈ پر لکھدی جاتی ہیں)

ایک اور مثال لو۔ فرض کرو تمہارا دوست تم سے بائیسکل مانگتا ہے، اور تم یہ عذر کرکے ٹال دیتے ہو کہ "میری بائیسکل میں پنکچر ہے" (مدرس اس عبارت کو بھی اسکے جواب کے نیچے لکھ دیتا ہے)

یہ سچ ہے کہ تمہاری بائیسکل میں پنکچر ہے مگر وہ پنکچر بہت خفیف ہے اور بائیسکل استعمال کی جاسکتی ہے۔ ان دونوں باتوں کو پیش نظر رکھو۔ لاؤ اب ہم تمہارے جواب کی جانچ کریں۔ (مدرس بورڈ کے پاس جاتا ہے)

تمہاری بائیسکل میں بیشک پنکچر ہے۔ لہذا تمہارا جواب کیسا ہوا۔

لڑکا: سچا۔

مدرس: لیکن تمہارا دوست اس جواب سے کیا سمجھے گا؟

لڑکا: کہ اتنا بڑا پنکچر ہے کہ بائیسکل چل نہیں سکتی۔

مدرس: لیکن میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ پنکچر بہت چھوٹا ہے اور بائیسکل استعمال کی جاسکتی ہے۔ لہذا ایسے جواب کو کیا کہو گے جو خلاف واقع معنی ظاہر کرتا ہو۔

لڑکا: جھوٹ۔

مدرس: تو یہ جواب بھی سچا اور جھوٹا، دونوں ہوا، کس حیثیت سے سچ ہے اور کس حیثیت سے جھوٹ۔

لڑکا: لفظاً سچ ہے اور معناً جھوٹ (یہ بورڈ پر لکھ دیا جاتا ہے)

مدرس: ایک مثال اور لیتا ہوں، ایک بیمار ڈاکٹر کو بلاتا ہے۔ ڈاکٹر اس کے سینہ میں آلہ لگا کر دیکھتا ہے۔ مریض ڈاکٹر سے اپنا اصلی حال پوچھتا ہے۔ ڈاکٹر کہتا ہے تم کو دق ہوگئی ہے (ڈاکٹر کا جواب بورڈ پر لکھ دیا جاتا ہے) یہ سچ ہے کہ مریض مبتلائے دق ہے لیکن دق کا آغاز ہے۔ اور تھوڑے سے علاج اور کما حقہ پرہیز سے مریض بہت جلد صحیح ہو جا سکتا ہے

ان دونوں باتوں کو ذہن نشین رکھو۔ لاؤ اب ڈاکٹر کے جواب کی پڑتال کریں۔ یہ سچ ہے کہ مریض کو دق ہو گئی ہے۔ اس لئے تم ایسے جواب کو کیا کہو گے جس سے واقعہ ظاہر ہوتا ہے

لڑکا: سچ۔

مدرس: لیکن مریض اس جواب سے کیا سمجھے گا۔

لڑکا: یہ کہ اب اس کی موت قریب ہے۔ وہ اب نہیں بچے گا۔

مدرس: لیکن میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ اس کی حالت نازک نہیں ہے وہ بہت جلد اچھا ہو سکتا ہے۔ اس لئے تم جواب کو کیا کہو گے جس سے واقعہ کے خلاف ظاہر ہوتا ہے۔

لڑکا: جھوٹ

مدرس: تو یہ جواب بھی سچ اور جھوٹ دونوں پر مشتمل ہے۔ کس لحاظ سے سچ ہے اور کس سے جھوٹ۔

لڑکا: لفظاً سچ ہے اور معناً جھوٹ (بورڈ پر مدرس لکھ دیتا ہے)

مدرس: اب اس سوال کا سوچ کر جواب دو: لفظی اور معنوی حیثیتوں میں کونسی حیثیت زیادہ تر اہم ہے؟

لڑکا: معنوی حیثیت۔

مدرس: تو تم صداقت کی اصلی تعریف کیا کرو گے۔

لڑکا: کہ صداقت محض لفظی صحت کا نام نہیں، بلکہ کسی بات کے سچ اور جھوٹ ہونے کا مدار اس اثر پر ہے جو سننے والے کے قلب پر پڑتا ہے۔

مدرس: شاباش۔ مختصر اور بہتر لفظوں میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ صداقت وہ اخلاقی کوشش ہے جس کے ذریعہ ہم مخاطب کے ذہن پر صحیح اثر ڈالتے ہیں۔ آج کی اس دقیق تحقیق کو میں تمہارے واسطے بورڈ پر لکھتا ہوں (مدرس اپنے دالان جانے سے پہلے بورڈ پر جاتا ہے اور لکھتا ہے)

۱۔ **تعریف:** صداقت مخاطب کے ذہن پر صحیح اثر ڈالنے کی اخلاقی کوشش کا نام ہے۔

پڑھو تم!

(ایک لڑکا بورڈ پر لکھی ہوئی تعریف کو پڑھتا ہے)

مدرس: فرض کرو تم سے کوئی علی گڑھ کالج کی راہ پوچھتا ہے اور تم بجائے مغرب کے مشرق کی جانب اشارہ کر دیتے ہو۔ مُنہ سے کچھ نہیں بولتے ہو۔ تمہارا یہ فعل صداقت پر محمول ہوگا یا کذب پر۔

لڑکا: کذب پر۔

مدرس: تم کس طرح مرتکب کذب ہوتے ہو؟

لڑکا: اشارہ سے۔

مدرس: ٹھیک تو جھوٹ کا ارتکاب غلط اشارہ سے بھی ہو سکتا ہے۔ خواہ ہمارے مُنہ سے ایک حرف نہ نکلے اچھا احمد محمود اور ڈاکٹر والے بیانات میں جھوٹ سچ کا کیا ذریعہ تھا۔

لڑکا: الفاظ

مدرس: تو دوسرا آلہ کذب زبان ہوئی۔ اچھا فرض کرو کہ ایک لڑکے نے کھڑکی کے شیشے توڑ ڈالے ہیں اور ماسٹر غلطی سے اس کی سزا دوسرے غریب لڑکے کو دے رہا ہے۔ مجرم اپنی جگہ چپکا بیٹھا ہے۔ کیا تم اس لڑکے کو راستباز کہہ سکتے ہو؟

لڑکا: نہیں

مدرس: اگر یہ راستباز نہیں ہے تو بتاؤ جھوٹ کا کس طور پر مرتکب ہو رہا ہے؟

لڑکا: خاموشی کے ذریعہ۔

مدرس: ان سب میں عام ترین کون طریقہ ہے؟

لڑکا: زبان سے جھوٹ بولنے کا۔

مدرس: اس لئے ترتیباً اس کو پہلے کہنا چاہیے۔ لاؤ ان امور کو ہم اپنی نوٹ بک میں درج کر

سے پہ چلیں ہماری دوسری شرعی کیا ہے؟ (لڑکا پہلے بورڈ پر سے پڑھکر بتاتا ہے۔ مدرس اپنے دائیں جانب کے پہلے بورڈ پر جاتا ہے اور تعریف کے نیچے کہتا ہے)

۲- دروغ بیانی کے طریقے۔

(۱) لساناً

(۲) اشارۃً

(۳) سکوۃً

(یہ کہنے کے بعد لکھی ہوئی عبارت لڑکوں سے پڑھوائی جاتی ہے)

مدرس: اچھا اب فرض کرو کہ ایک لڑکے کو دو کتابیں انعام میں ملتی ہیں، لیکن وہ سارے جہان میں کہتا پھرتا ہے کہ مجھے پانچ نہایت قیمتی کتابیں انعام میں ملی ہیں۔ تو بتاؤ یہ لڑکا کس قسم کا جھوٹ بولتا ہے یعنی اصل واقعہ اور جھوٹ کے درمیان کیا نسبت ہے؟

لڑکا: وہ اصل واقعہ سے بڑھا کر بات کہتا ہے۔

مدرس: صحیح ہے۔ ایسے جھوٹ کو ہم اصطلاحاً "کذب کثرت" کہہ سکتے ہیں۔ کیا کہہ سکتے ہیں؟

لڑکا: کذب کثرت (مدرس دونوں لفظوں کو بورڈ پر لکھتا، اور ان کا مفہوم سمجھاتا ہے)

مدرس: فرض کرو اس لڑکے کا دوست پانچ کتابیں انعام میں پاتا ہے اور یہ لڑکا سب سے یہ کہتا ہے کہ اس کو تو دو بہت بڑی کتابیں انعام میں ملی ہیں۔ اب یہ لڑکا کس قسم کا جھوٹ بول رہا ہے؟

لڑکا: اصل بات کو گھٹا کر کہتا ہے۔

مدرس: ہاں وہ واقعہ سے کم بیان کرتا ہے۔ اس کو اصطلاحاً ہم "کذب قلت" کہہ سکتے ہیں۔ کیا کہہ سکتے ہیں؟

لڑکا: کذب قلت (مدرس ان لفظوں کو بھی بائیں جانب والے بورڈ پر لکھتا اور

سمجھاتا ہے)

مدرس: لاؤ اس کو ہم اپنے تیسرے عنوان کے تحت میں لکھیں۔ ہمارا تیسرا عنوان کیا ہے (بورڈ کی طرف اشارہ کر کے)

لڑکا: اقسام کذب۔

مدرس: تو کذب کی کیا کیا قسمیں ہوئیں۔

لڑکا: کذب کثرت اور کذب قلت۔

(مدرس داہنے جانب کے بورڈ پر لکھتا ہے اور لکھکر لڑکوں سے پڑھواتا ہے)

مدرس: اس لڑکے کا خیال کرو جس نے کھڑکی کے شیشے توڑ ڈالے تھے۔ لیکن چپکا بیٹھا رہا تھا۔ اس کے جھوٹ بولنے کی کیا وجہ تھی؟

لڑکا: سزا کا خوف۔

مدرس: ٹھیک، یا دوسرے لفظوں میں بزدلی۔ لڑکو اس کا علاج سوائے اس کے کوئی نہیں کہ خوف سے بھاگنے کے بجائے خوف کا مقابلہ کیا جائے۔ ابتداءً یہ دشوار معلوم ہوگا۔ لیکن مشق کے بعد سچ بولنا بالکل آسان ہو جائے گا۔ لاؤ اس کو ہم اپنے چوتھے عنوان کے تحت میں لکھیں (مدرس بورڈ کے پاس جاتا اور لکھتا ہے)

۴۔ دروغ بیانی کے اسباب اور ان کا علاج

سبب	علاج
(۱) بزدلی	خوف کا دلیرانہ مقابلہ

مدرس: اب اس لڑکے کو یاد کرو جسے دو کتابیں ملی تھیں، لیکن وہ پانچ بتاتا تھا۔ وہاں جھوٹ کا کیا سبب تھا۔

لڑکا: شیخی۔

مدرس: ٹھیک۔ دوسرا سبب شیخی ہوتا ہے اس کا علاج قناعت ہے۔ خدا نے جو

[illegible] پوشی کے ساتھ اس پر قناعت کرنا چاہئے۔ (مدرس اس کو تفصیل کے ساتھ موثر طور پر بیان کرتا ہے) آؤ اس کو بھی ہم چوتھے عنوان کے تحت نمبر ۲ ڈال کر لکھیں (مدرس سبب اور علاج کے کالم میں لکھتا ہے اور پھر لڑکوں سے پڑھواتا ہے)

مدرس: اچھا۔ اب فرض کرو کہ تمہارا دوست اپنی غزل تم کو دکھاتا ہے غزل نہایت ادنیٰ درجہ کی ہے۔ لیکن تم اس کی تعریف کرتے ہو۔ تمہارے جھوٹ بولنے کا سبب کیا ہے؟

لڑکا: ہم صاف صاف اس لئے نہیں کہتے کہ دوست کو بُرا لگے گا۔

مدرس: ہاں مُروّت اور خوش اخلاقی فی زمانناً دروغ بیانی کا عام سبب ہیں۔ اس کا علاج یہ ہے کہ انجام پر نظر رکھو، تم مروت سے اپنے دوست کو آگاہ نہیں کرتے ہو کہ اس کی غزل خراب ہے لیکن جانتے ہو کہ اس کا نتیجہ کیا ہوگا کہ وہ شاعری کے پیچھے پڑا رہے گا۔ اور اپنا بہت سا وقت اس شے پر صرف کرے گا۔ جس کے لئے وہ فطرتاً قطعاً موزوں نہیں ہے۔ اس لئے موجودہ رنج کے ساتھ جو تمہاری حق گوئی سے ہو سکتا ہے، انجام پر بھی نظر رکھو۔ وقتی اور اضطراری الم کو دائمی اور آخری الم پر ترجیح نہ دو۔ حال و مستقبل دونوں پر نظر رکھو۔

(مدرس اس کو بھی چوتھے عنوان کے تحت میں لکھ دیتا ہے)

مدرس: صداقت کی تعریف کیا ہے؟

لڑکا: صداقت مخاطب کے ذہن پر صحیح اثر پیدا کرنے کو کہتے ہیں۔

مدرس: چونکہ صداقت کا تعلق صحیح اثر سے ہے۔ اس لئے ظاہر ہے کہ صداقت کوئی آسان کام نہیں۔ ابتدائی اپنے خیال کو صحیح صحیح حوالہ زبان کر دینے ہی کو نہیں کہتے ہیں۔ بلکہ ہم کو سوچنا چاہیئے کہ ہم کیا کہہ رہے ہیں اور کس سے کہہ رہے ہیں۔ مثلاً اپنے دوست کا واقعہ لو جو غزل دکھانے لاتا ہے اگر اس سے تم غزل کی بُرائی اور اس کی شاعری سے نامناسبت اس طرح کہتے ہو کہ اس کا دل دُکھتا ہے تو یہ ضرور بُرا ہے۔ لیکن اگر تم اس سے غزل کی تعریف

سمجھ لو کہ یہ جھوٹ ہے اور یہ اپنی جگہ پر ٹھیک ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا کوئی
ہو سکتا ہے کہ سانپ ہم سے زیادہ ڈرتے جھوٹ بھی نہ بولنا پڑے اور دل بھی [illegible]
اس کو بھی شخص انجام دے سکتا ہے۔ جس میں یہ ہے
اول پیش بینی کا مادہ ہو یعنی اس کا صحیح اندازہ کر سکتا ہو کہ اس کے الفاظ کا دوسروں
پر کیا اثر ہوگا۔

دوسرے تیاری کی ضرورت یعنی پہلے سے مناسب جواب سوچ لینا چاہیے۔ مثلاً
تم کسی جگہ جا رہے ہو اور جانتے ہو کہ وہاں فلاں فلاں سوال آئیں گے تو اس کے لئے
پہلے سے تیار رہنا چاہیے۔

تیسرے مشق کی ضرورت ہے۔ جب حق گوئی کی تائید سے نازک موقعوں پر بغیر
کسی کی دل آزاری کئے ہوئے مشق ہو جاتی ہے تو چنداں دشواری نہیں رہتی۔ چنانچہ
راست بیانی اچھا خاصا ایک فن ہے۔ جس کا زوال نہیں اور اس کے لئے ان تینوں صفتوں کی
ضرورت ہوتی ہے۔ اس کو ہم پانچویں سرخی کے نیچے لکھیں گے۔ پانچویں سرخی کیا ہے؟

لڑکا: راست بیانی فن ہے۔

مدرس: ہاں راست بیانی فن ہے۔ اور اس کے لئے کن صفتوں کی ضرورت ہے؟

لڑکا: پیش بینی، تیاری، مشق۔

(مدرس ان کو بورڈ پر لکھتا ہے اور پڑھواتا ہے۔)

مدرس: تم کو اس گڈریئے کے لڑکے کی حکایت یاد ہے جس نے مزاحاً شور مچایا
تھا کہ "دوڑو بھیڑیا" اور جب گاؤں والے اس کی حمایت کو آئے تو اس نے ہنس کر جواب
دیا تھا کہ میں تو مذاق کرتا تھا۔ تم کو یاد ہوگا کہ اس نے یہ حرکت کئی بار کی۔ ایک روز جب
فی الحقیقت بھیڑیا آ گیا اور وہ بہت چیخا چلایا لیکن کوئی نہیں آیا۔ لوگ اس کی مدد کو
کیوں نہیں آئے؟

لڑکا: [illegible] عمل سے خیال کیا جاتا ہے [illegible]

مدرس: تو اس کے جھوٹ کا نتیجہ [illegible]

لڑکا: اس کا اعتبار جاتا رہا۔

مدرس: ٹھیک۔ تو دروغ بیانی کا ایک نتیجہ یہ ہے کہ اعتبار جاتا رہتا ہے (لاؤ اس کو لیپ بورڈ پر عنوان کے ذیل میں لکھیں دکھاتا ہے)

مدرس: اگر تمہارا مکان بن رہا ہے، اور مدد کی ہوئی ہے تو تم مزدوروں کی نگرانی کیوں کرتے ہو؟

لڑکا: تاکہ وہ کام ٹھیک ٹھیک کریں۔

مدرس: ہاں مزدور قابل اعتماد نہیں ہیں۔ اس لئے ہم ان کی نگرانی کرتے ہیں۔ اگر وہ بااعتبار ہوتے تو نگرانی کی اور ہر وقت وہاں موجود رہنے کی ضرورت نہ ہوتی تو ان کی غلط بے ایمانی کا تمہارے اوپر کیا اثر پڑتا ہے؟

لڑکا: ہم کو ان کے سر پر مسلط رہنا پڑتا ہے۔ کہیں آجا نہیں سکتے۔

مدرس: ٹھیک ہے ہماری آزادی جاتی رہتی ہے۔ دنیا بہت آزاد ہوتی اگر جھوٹ نہ ہوتا۔ الغرض جھوٹ کا دوسرا نتیجہ یہ ہے کہ آزادی جاتی رہتی ہے۔ لاؤ اس کو بھی بورڈ پر اسی عنوان کے ماتحت لکھیں (لکھتا ہے) اچھا اب فرض کرو کہ کسی شخص نے عدالت میں جھوٹا حلف اٹھا لیا ہے اور یہ فعل ایسا ہے کہ اگر عدالت کو پتہ چل جائے تو دروغ حلفی میں ماخوذ ہو سکتا ہے۔ تو اس شخص کی قلبی حالت کیا ہو گی۔

لڑکا: ڈرتا رہے گا کہ کہیں بھانڈا نہ پھوٹ جائے۔

مدرس: ذہن کی تو جھوٹ کا تیسرا نتیجہ کیا ہوا؟

لڑکا: آدمی پریشان رہتا ہے۔

مدرس: ٹھیک، ہمارا اطمینان قلب جاتا رہتا ہے اور ہر وقت دُکھ سے میں

سہتے ہیں۔ لاؤ اس کو بھی بہ حیثیت [illegible] کے بورڈ پر لکھ دیں۔ دکھتا ہوا

اس کے بعد مدرس داہنے جانب کے بورڈ پر لکھا ہوا خلاصہ لڑکوں سے پڑھواتا ہے اور اصل نکات کی توضیح کرتا ہے۔ اس کے بعد دوسرے بورڈ کو گھما کر حسب ذیل نقشہ لڑکوں کے پیش نظر کر دیتا ہے۔

راستبازی کا مینار مستحکم
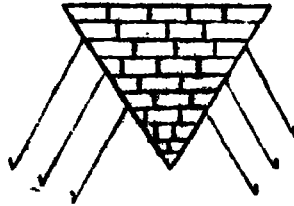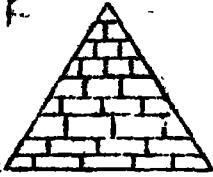
دروغ بیانی کا مینار معکوس

مدرس: دیکھو راستبازی اس مینار کی طرح مستحکم ہے اس کو کوئی شے جنبش نہیں دے سکتی۔ اس کے برخلاف دروغ بیانی ایسا مینار ہے جو اُلٹا بنایا گیا ہو، یہ جھوٹ کے طنابوں سے رُکا ہوا ہے۔ لہذا، تا بکے، ہر جھوٹ گویا ایک ردّا ہے جو اس کی چوٹی پر رکھا جاتا ہے اور بالآخر اس کی چوٹی اس قدر وزنی ہو جائے گی کہ جھوٹ کی طنابیں ٹوٹ جائیں گی اور یہ مینار سرنگوں ہو جائے گا۔

(آخیر میں مدرس ان تاریخی اصحاب کا ذکر کرتا ہے جنھوں نے بکمال خندہ پیشانی حق گوئی کی موت کو دروغ بیانی کی زیست پر ترجیح دی)

ظفر حسین خاں

(گورنمنٹ ٹریننگ کالج لکھنو)

نمبر ۱۱
جلد اول

فروری ۱۹۱۹ء
جمادی الاول ۱۳۳۷ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کانفرنس گزٹ

حصہ سوم

سائنس یا علوم جدیدہ

آنریری ایڈیٹر
شیخ فیروز الدین مراد ایم، ایس، سی پروفیسر علم طبیعات علی گڑھ

فہرست مضامین

معمۂ کائنات*

(مترجمہ پروفیسر فیروز الدین مراد بی۔ اے، ایم۔ ایس، مدرسۃ العلوم علی گڑھ)

حقایق کے حصول میں جذبات بالکل ناکارہ ہیں۔ جذبہ دماغی فعلیت کا ایک پیچیدہ مظہر ہے جو حظ و الم، غمی اور خوشی کے احساس، انقباض و انبساط کی حرکات اور خواہش و نفرت کے ہیجانات پر مشتمل ہوتا ہے۔ یہ معدہ، حواس، اعضائے تناسل کی خواہشات اور عضلات کی حرکات غرضکہ جسم کے نہایت مختلف افعال سے متاثر ہو سکتا ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ ان گوناگوں حالات اور جذبات کے اختلال و انحطاط سے تلاشِ حق میں کوئی مدد نہیں مل سکتی۔ بلکہ اس کے برعکس امر واقعہ یہ ہے کہ ایسے کوائفِ جذبی بسا اوقات اس "عقل" کو جو حصول حقایق کا واحد انسانی آلہ ہے مختل کر دیتے ہیں اور اس کی قدرت مدرکہ کو ناقص بنا دیتے ہیں۔ دماغ کے اس وظیفہ سے جو جذبہ کے نام سے پکارا جاتا ہے کائنات کا کوئی عقدہ نہ حل ہوا ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔ یہی کچھ نام نہاد "الہام" اور ان "حقایق مذہبیات" کے متعلق جو الہام کے ذریعہ سے معلوم ہوتے ہیں کہا جا سکتا ہے۔ ان کی بنا، جیسا کہ ہم آیندہ ابواب میں بتائیں گے محض ایک دھوکا اور وہم ہے۔

مسائلِ کائنات کے حل ہونے کے لئے یہ امر ایک نیک فال ہے کہ زمانۂ حال میں ان دونوں ذرائع تحقیقات یعنی تجربہ اور تفکر یا سوچ بچار کو جو ادھر رہنمائی کر سکتے ہیں یکساں اہم اور باہمی معاون تسلیم کرنے کی طرف روز افزوں رجحان ہے۔ فلسفی و حکماء اب سمجھ گئے ہیں کہ تفکر محض سے اصلیت کا علم حاصل نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح سائنس دان بھی اب متیقن ہو گئے ہیں کہ نرا تجربہ ایک مکمل نظام علم کی تدوین کے لئے ناکافی ہے۔ حصول علم کے یہ دو بڑے ذرائع: تجربہ حسی اور عقلی تفکر، دماغ کے دو جداگانہ افعال ہیں اور صحیح علم ان دونوں کے اتحاد سے حاصل ہو سکتا ہے۔ بایں ہمہ ابھی تک بعض حکماء کائنات کی معرفت صرف اپنے

* سلسلہ کے لئے اشاعت سابقہ ملاحظہ ہو۔

[illegible] حاصل کرنا چاہتے ہیں [illegible] اصلی دنیا کے حالات سے بے بہرہ رہتے ہیں اس لئے وہ ہماری تجربی سائنس کو خطرہ سمجھتے ہیں۔ برخلاف اس کے بعض سائنس داں اس امر کے مدعی ہیں کہ سائنس کا مقصد وحید "واقعات کا علم حاصل کرنا اور مظاہر فطرت کی خارجی توجیہات کرنا" ہے۔ یہ حضرات کہتے ہیں کہ "فلسفہ کا زمانہ گزر چکا ہے اور سائنس نے اس کی جگہ لے لی ہے۔ تجربہ کی خانہ بندی کا یہ یک طرفہ مبالغہ آمیز اندازہ ویسا ہی خطرناک مغالطہ ہے جیسا کہ تفکر کو ہر لحاظ سے کافی تسلیم کرنا ہے۔ امر حق یہ ہے کہ حصول علم کے یہ دونوں ذریعے باہمدگر لازم و ملزوم ہیں۔ علوم جدیدہ کی برگزیدہ ترین فتوحات: نظریہ خلوی، حرارت کا نظریہ میکانیکی، نظریۂ ارتقا، اور ناموس بقائے مواد، فلسفیانہ کامیابیاں ہیں لیکن تفکر محض کا پھل نہیں ہیں بلکہ اُن کے لئے نہایت وسیع اور غامض تجربہ کی ضرورت تھی۔

موجودہ سائنس کے نقطۂ نگاہ سے مختلف مذاہب فلسفہ دو متضاد گروہوں میں تقسیم کئے جا سکتے ہیں۔ یا تو وہ کائنات کی تشریح دو جداگانہ ہستیوں کو تسلیم کر کے کرتے ہیں یا صرف ایک ہی ہستی کو مان کر جملہ مسائل عالم کو حل کرنا چاہتے ہیں۔ مقدم الذکر نظام دوئی (فلسفہ ثنویت) خیالی اور مابعد الطبیعاتی عقائد پر مبنی ہے۔ موخر الذکر نظام یکتائی (فلسفہ وحدیت) میکانیکی اور عقلی قیاسات پر منحصر ہے۔ ثنویت اپنے وسیع ترین مفہوم کے مطابق کائنات کو دو بالکل متبائن چیزوں میں تقسیم کرتی ہے یعنی مادی دنیا اور غیر مادی خدا جو اس عالم مادیات کا خالق رب اور حاکم ہے۔ وحدیت اس کے برخلاف اپنے وسیع ترین مفہوم کے مطابق کائنات میں صرف ایک چیز کو تسلیم کرتی ہے جو "خدا اور فطرت" (نیچر) دونوں کے مرادف ہے۔ اس عقیدہ کی رُو سے "جسم اور روح" یا "مادہ اور قوت" لاینفک ہستیاں ہیں۔ ثنویت کا (دنیا سے الگ اور باہر رہنے والا) خارجی خدا، وحدانیت خدا، یعنی صرف ایک معبود پر ایمان لانے کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ وحدیت کا دنیا سے غیر منفک خدا ہمہ اوست کا راستہ بتاتا ہے۔

عام لوگ "وحدیت" اور "مادیت" کے اختلاف کو نظر انداز کر جاتے ہیں چونکہ [illegible]

اور اس کے مشابہ دیگر التباسات نہ صرف علم کی ترقی کے سدراہ ہوتے ہیں بلکہ ان سے بعض خرابیاں پیدا ہوتی ہیں اس سلئے ہم یہاں غلط فہمی کے ازالے کے لئے مندرجۂ ذیل ملاحظات پیش کرتے ہیں :-

(الف) خالص وحدیت نہ تو نظری مادیت ہی جو روح کی ہستی کی منکر ہی اور دُنیا کو مردہ سالمات کا اجتماع خیال کرتی ہے اور نہ نظری روحانیت ہی ہی جو مادہ کے خیال کو مسترد کرتی ہی اور دنیا کو خاص طور سے منتظم قویٰ یا غیر مادی فطری طاقتوں کا مجموعہ خیال کرتی ہی۔

(ب) اس کے برخلاف ہم گیٹے سے ہم آہنگ ہو کر کہتے ہیں کہ روح اور مادہ ایک دوسرے کے بغیر نہ تو موجود رہ سکتے ہیں اور نہ عمل پیرا ہی ہو سکتے ہیں۔ ہم کلیتاً اسپی نوزا کی خالص اور غیر متشابہ وحدیت کے قائل ہیں۔ مادہ (یعنی غیر محدود وسیع و ممتد مواد) اور روح یا قوت (یعنی حساس اور سوچنے والا مواد) دنیا کے ہمہ گیر لاہوتی جوہر یعنی "عالمگیر مواد" کے دو اہم وصف یا بڑے خواص ہیں۔

(تمّ الباب الاوّل)

باب دوم

ہمارا جسم

حیوانات کی شکل اور اعمالِ حیات کے متعلق ہر ایک قسم کے تفحص و تحقیقات میں سب سے پہلے ان کے مرئی جسم سے بحث کی جاتی ہی۔ لیکن تحقیقات صرف ظاہری شکل اور بیرونی ساخت کے مشاہدہ تک محدود نہیں رہنی چاہیئے۔ اندرونی ساخت اور اُس کی دقیق جزئیات کا بھی بامعانِ نظر مطالعہ کرنا لازمی ہے۔ سائنس کا وہ شعبہ جو اس اہم تحقیقات کے لئے مخصوص ہے علم تشریح الابدان (یا صرف "تشریح") کہلاتا ہی۔

انسانی جسم کے متعلق اوّلین معلومات طب کی وساطت سے حاصل ہوئیں۔ چونکہ تہذیب

قدیم میں بالعموم پیشوایانِ دین ہی علاج معالجہ کا کام کرتے تھے اس لئے رجماً بالغیب ہم یہ امر قرین قیاس سمجھتے ہیں کہ ولادت مسیح سے دو ہزار سال قبل بلکہ اس سے بھی پیشتر پیشلم پرداران مذہب تشریح الابدان میں ضرور کچھ شُدبُد رکھتے ہوں گے۔ لیکن اس کی کوئی تاریخی شہادت موجود نہیں ہے۔ مسیح سے پانچ چھ سو برس پہلے تک ذوات الثدی کو چیر پھاڑ کر صحیح مشاہدات جمع نہیں کئے گئے تھے اور نہ ان کی مثال سے انسانی جسم کے متعلق کوئی قابل قدر ذخیرہ جمع کیا گیا تھا۔ البتہ پانچویں صدی قبل از مسیح میں چند ماہرین سائنس نے ادھر توجہ کی۔ ان میں سے زیادہ مشہور ایمپی ڈوکلیز، دیمقراطیس اور ازمنۂ قدیم کا سب سے مشہور طبیب ہپاکریٹس (کوس کا رہنے والا) ہیں۔ "تاریخ فطرت کے باپ" ارسطو (جو کیا بحیثیت ایک محقق کے اور کیا بحیثیت ایک فلسفی کے یکساں مشہور ہے) انھیں محققین کے ملفوظات سے اپنی ابتدائی معلومات حاصل کی تھیں۔ ارسطو کے بعد قدیم زمانہ میں صرف ایک مشہور عالم تشریح حکیم گیلن گذرا ہے۔ گیلن دوسری صدی قبل از مسیح میں بعد شہنشاہ مارکس ایلیس روما میں ایک نامی طبیب تھا۔ ان سب اطبا کی تشریحی معلومات انسانی جسم کی چیر پھاڑ پر مبنی نہ تھیں کیونکہ انسانی جسم کا چیرنا پھاڑنا ہر حالت میں قطعاً ممنوع تھا۔ انسانی جسم کے متعلق حکمائے سلف کا علم تمام تر انسان سے ملتے جلتے دودھ دینے والے حیوانات بالخصوص لنگوروں اور بندروں کی تشریح پر مبنی تھا۔

عیسائیت اور اُس کے مخصوص عقائد دینی کی فتح سے علم تشریح الابدان اور دیگر علوم کا تنزل شروع ہوگیا۔ پاپائے روم اور پادری صاحبان بنی نوع انسان کو جہالت میں مقید رکھنے پر تلے ہوئے تھے۔ وہ خوب سمجھتے تھے کہ انسانی نظام الاعضا، کا علم فطرت انسانی کی صحیح معرفت کے متعلق خطرناک معلومات بہم پہنچائے گا۔ تیرہ صدیوں کے عرصۂ مدید میں جس طرح ارسطو کی تصانیف تاریخ فطرت کے متعلق واحد ذریعۂ معلومات تھیں اس طرح گیلن کی تحریرات تشریح انسانی کا واحد ماخذ تھیں۔ سولھویں صدی میں جبکہ عیسائیت کی

اصلاحی تحریک نے پوپ کے خلاف [illegible] ڈالا اور کوپرنیکس نے نظام شمسی
کو مرکز عالم ہونے کے نظریہ کو باطل ثابت کر دیا تو تشریح انسانی کا ایک زیادہ روشن دور
آئے۔ ویسیلیس (سکنہ برسلز) یا سیکلیس بعد فلوپیس (سکنہ موڈینہ) نے اپنے خاص تفحص سے
انسانی جسم کے متعلق صحیح معلومات میں قابل قدر اضافہ کیا۔ جدید علمی تحریک کا پیش رو ویسیلیس
جتنا قابل تھا اسی قدر انتھک محنتی تھا۔ اٹھائیس برس کی عمر (۱۵۴۳ء) میں اس نے اپنی
بڑی تصنیف "انسانی جسم" مکمل کر لی اور علم تشریح الابدان کو ایک پختہ بنیاد پر قائم کر دیا۔ اس جرم
کی پاداش میں بعد ازاں میڈرڈ میں جہاں وہ چارلس پنجم اور فلپ ثانی کا طبیب تھا عیسائیوں
کی مذہبی مجلس احتساب[1] (انکویزیشن) نے اس کے خلاف بحیثیت ایک جادوگر کے فتویٰ موت
صادر کیا۔ ویسیلیس کو اس سزا سے نجات صرف یروشلم کا حج کرنے پر نصیب ہوئی لیکن
بیچارہ واپسی پر خراب و خستہ حال میں جہاز کی تباہی کے بعد جزیرہ زنٹی پر مر گیا۔

فیروز الدین مراد

ہوائی بجلی

(نوشتہ محمد نصیر احمد صاحب بی ایس سی کالیجیٹ سکول علی گڑھ)

برق آسمانی (صاعقہ) اور رعد بجلی ہی کے توامات ہیں۔ اکثر طبیعین نے جب پہلے پہل برقی شرارہ
کو دیکھا تو اس کی چمک کو صاعقہ سے اور اس کی آواز کو گرج یا رعد سے تشبیہ دی۔ لیکن یہ ہمارا

---

[1] یہ مذہبی مجلس عیسائیت کے زمانۂ اقتدار میں اسپین میں اس غرض سے قائم کی گئی تھی کہ جو لوگ مذہب
کے خلاف کچھ کہتے ہوں ان کی تحقیقات کرے اور ان پر کفر و ارتداد کا الزام قایم کرے۔ اس متعصبانہ
مجلس نے ابتدائے قیام سے اخیر زمانہ تک تقریباً ۳½ لاکھ آدمیوں کو کافر و ملحد قرار دیا جن میں سے کئی لاکھ
آگ میں جلائے گئے تھے۔ ۱۴۸۱ء سے لے کر ۱۴۹۹ء تک یعنی صرف ۱۸ سال میں دس ہزار دو سو [illegible]
آدمی ارتداد کے الزام میں زندہ آگ میں جلائے گئے تھے۔ مقام حیرت ہے کہ یورپ میں باوجود ان زبردست
موانعات کے علم نے کس قدر فروغ پایا (ماخوذ از علم الکلام حصہ دوم صفحہ ۱۲ مصنفہ علامہ شبلی نعمانی مرحوم)

فرینکلن کی شہرت کی وجہ یہ ہے کہ اس نے پتنگ کے ذریعے سے بادلوں سے بجلی حاصل کر کے آسمانی بجلی اور برق
مصنوعی کی یکسانیت ثابت کر دی چنانچہ ۱۷۵۰ء میں جو خط اس نے شائع کیا تھا اس میں اس طریقہ
پر بحث کی ہے جس سے بادلوں سے بجلی بذریعہ نوک دار چیزوں کے حاصل کی جا سکتی ہے۔ اس خط میں
فرینکلن نے یہ لکھا ہے کہ برقی سیال نقطوں کی طرف کھنچتا ہے (برق کو سیال اس وجہ سے کہتے ہیں
کہ وہ مثل مائع کے ایک جسم سے دوسرے جسم میں سرایت کر جاتی ہے ورنہ برق کوئی سیال شے
نہیں) برق ہمیشہ نوک دار چیزوں پر زیادہ ہوتی ہے اور چونکہ آسمانی بجلی اور برق دیگر لحاظ سے
یکساں ہیں تو اس میں بھی ضرور متفق ہوں گی جس کا فیصلہ صرف تجربہ ہی کر سکتا ہے۔ چنانچہ اس
تجربہ کو فرانس میں ڈالی برڈ نے کیا تھا۔ فرینکلن اس تجربہ کے لئے فلے ڈلفیا کے ایک مینار
میں نوک دار سلاخ لگائے جانے کا منتظر تھا لیکن چونکہ اس میں دیر زیادہ تھی اس لئے اس نے
خیال کیا کہ کوئی دوسری ترکیب نکالنا چاہیئے۔ چنانچہ اس نے ایک پتنگ میں دھات کی
نوک نکال کر اس کو بادلوں تک اڑانے کی ترکیب سوچی۔ اس خیال کے مطابق اس نے
جون ۱۷۵۲ء میں طوفان خیز موسم میں فلے ڈلفیا کے قریب ایک میدان میں پتنگ اڑائی
پتنگ میں معمولی تاگا لگا ہوا تھا جس کے سرے پر فرینکلن نے ایک کنجی باندھ دی تھی اور
اس کنجی میں اس نے بجلی کو محبوس کرنے کے لئے ایک ریشم کا تاگا لگا دیا تھا۔ اس تاگے کو اس
نے ایک درخت سے باندھ دیا۔ جب اس نے دیکھا کہ پتنگ بادلوں تک پہنچ گئی ہے تو اس نے
شرارہ حاصل کرنے کے لئے اپنا ہاتھ کنجی کے سامنے کیا۔ لیکن کوئی شرارہ پیدا نہ ہوا۔ وہ ناامید
ہو چکا تھا کہ پانی برسنے سے تاگا موصل برق ہو گیا اور ایک شرارہ پیدا ہو گیا۔ فرینکلن
نے اپنے خط میں لکھا ہے کہ اس کامیابی پر اس کو اس درجہ مسرت ہوئی کہ اس کے آنسو نکل پڑے
فرینکلن کا خیال تھا کہ پتنگ بجلی کو بادلوں سے جذب کر لیتی ہے حالانکہ واقعہ یہ ہے
کہ یہ صورت امالہ برقی کی ہے (یعنی برق کا ایک جسم سے دوسرے جسم میں سرایت کرنا)
جس میں بادلوں کی بجلی پتنگ اور تاگے میں سرایت کرتی ہے۔

ہوائی بجلی:- ہوا میں برق کی موجودگی کو ظاہر کرنے کے لئے مختلف قسم کے آلات استعمال
کئے گئے ہیں۔ خوشگوار موسم میں اس قسم کی تحقیقات کے لئے ایک برق پیما استعمال کیا جا سکتا
ہے جو ساشور کی ایجاد ہے۔ یہ ایک معمولی برق پیما ہوتا ہے جس میں طلائی اوراق والے قلم
کے سرے پر دو فٹ لمبی ایک چھڑ ہوتی ہے جو یا نوک دار ہوتی ہے یا گھنڈی دار۔ آلہ کو
بارش سے بچانے کے لئے چار انچ قطر کی ایک فلزی سپر لگا دی جاتی ہے (دیکھو شکل نمبر ۱)
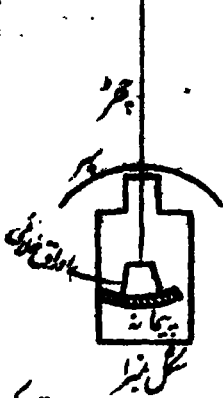
یہاں پر برق نما کی بابت چند الفاظ غالباً موجب مزید
توضیح کے ہوں گے۔ برق نما ایک آلہ ہے جس سے یہ معلوم ہوتا
ہے کہ کسی جسم میں بجلی ہے یا نہیں۔ اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ
ایک شیشہ کا ظرف ہوتا ہے جس کے منہ پر ایک آبنوس کا کاگ
ہوتا ہے۔ اس میں ایک پیتل کا قلم ہوتا ہے جس کا ایک سرا ظرف
کے اندر تھوڑی دور تک چلا جاتا ہے اور دوسرا باہر رہتا ہے۔

شکل نمبر ۱

اندر والے سرے پر دو چھوٹے اوراق طلائی لگے ہوتے ہیں اور اوپر والے سرے پر پیتل کی
ایک قرص ہوتی ہے۔ جب کسی جسم کی برقی حالت کو معلوم کرنا ہوتا ہے تو اس کو قرص کے پاس
لاتے ہیں۔ اگر اوراق طلائی منفصل ہو جاتے ہیں تو جسم مبرق ہے ورنہ نہیں (دیکھو شکل نمبر ۲)

آلہ زیر بحث میں ظرف چوکور ہے جیسا کہ شکل نمبر ۱ سے بھی ظاہر
ہے۔ اس میں ظرف کے اندر ایک پیمانہ ہوتا ہے جس سے اوراق
کا بعد معلوم ہو سکتا ہے۔

ساشور نے ہوا کی برقی حالت کو معلوم کرنے کے لئے
تانبے کا ایک گولا استعمال کیا تھا جس کو اس نے اپنے ہاتھ سے

شکل نمبر ۲

اوپر پھینکا تھا۔ یہ گولا ایک فلزی تار کے سرے پر لگا ہوا تھا جس کے سرے پر ایک حلقہ
تھا جو برق پیما کی چھڑ پر گھوم سکتا تھا۔ جس اونچائی پر کہ گولا پہنچے وہاں کی ہوا کی برقی حالت کا

انداز اوراق کے بُعد سے کیا گیا تھا۔

بکراؔل نے کوسینٹ برنرڈ پر جو تجربات کئے اُن میں ساشور کے آلات میں یہ ترمیم کی کہ بجائے گیند کے ایک تیر استعمال کیا جس کو ایک کمان سے پھینکا جاتا تھا، ۵۰۰ گز کا ریشم کا ایک ملمع تاگا تیر میں لگا ہوا تھا جس کا دوسرا سرا برق نما کے قرص سے ملحق تھا۔

ذالؔا نے ایک چھوٹے لیڈنی ظرف کو ہوائی بجلی سے مبرق کرنے کے لئے ایک دوسری ترکیب استعمال کی جو شکل نمبر ۳ سے ظاہر ہی۔ ایک معمولی چھڑ ا میں ایک شیشہ کا قلمی لگا ہوتا ہی۔ اس قلم میں ایک اور فلزی قلم ب ہوتا ہے جس میں روئی کی ایک بتی ج شراب میں بھیگی ہوئی لگی ہوتی ہے۔ ایک تار ح کے ذریعہ سے اس بتی کو ظرف کے اندرونی حصہ سے ملحق کر دیتے ہیں۔ ایک ہاتھ سے چھڑ کو پکڑتے ہیں اور ایک ہاتھ سے ظرف کو۔ بجائے ظرف کے ایک چھوٹے برق نما کو بھی استعمال کرسکتے ہیں۔ بعض اوقات ایسی پتنگوں کو بھی استعمال کرتے ہیں جو نوک دار ہوتی ہیں اور ایک ملمع دھاگے کے ذریعہ سے برق نما سے ملحق ہوتی ہیں۔

ج ب ی ا ح

شکل نمبر ۳
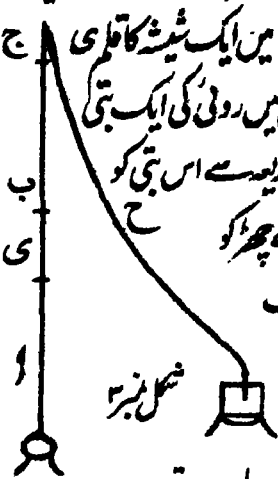
برق ہوائی کا ایک اچھا جامع مجھلی کے شکار کا مجوس دستہ دالابید ہوتا ہی۔ اس کے آخر میں ایک جلتا ہوا الکوحل کا ٹکڑا ہوتا ہی۔ اس سے جو دھواں نکلتا ہی وہ چونکہ بہت عمدہ موصل ہوتا ہے اس لئے ہوائی بجلی بید سے گزر کر ایک مجوس تار میں آجاتی ہے۔ الکحل میں بھیگا اور جلتا ہوا اسفنج بھی اچھا موصل برق ہوتا ہی۔

مزید معلومات متعلق برق ہوائی: جن آلات کا اوپر ذکر کیا گیا ہے اُن کے ذریعہ سے یہ بات بھی معلوم ہوئی ہی کہ ہوا میں برق صرف طوفان خیز موسم ہی میں نہیں ہوتی بلکہ ہمیشہ موجود رہتی ہی۔ برق ہوائی عموماً مثبت ہوتی ہے گو کبھی کبھی منفی بھی ہوتی ہے۔ بالفاظ دیگر ہوا کے کسی مقام کا برقی دباؤ عموماً زمین کے برقی دباؤ سے زیادہ ہوتا ہی گو کبھی کبھی کم بھی ہوتا

ہو پس اگر اُس مقام کو زمین سے بذریعہ کسی تار کے ملا دیا جائے تو عموماً برق مثبت [illegible]
دوڑ جاتی ہے۔

اس بحث کے سمجھنے کے لئے یہ بتلا دینا ضروری ہو کہ زمین کے برقی دباؤ کو صفر قرار دیا
جاتا ہو۔ اگر کسی جسم میں برق مثبت ہو تو اُس کا دباؤ زمین سے زیادہ مانا جاتا ہو اور اگر برق
منفی ہو تو کم سمجھا جاتا ہے۔ نیز جس طرح پانی ہمیشہ نشیب کی طرف بہتا ہو اسی طرح برق کا سیلان
بھی کم دباؤ والے جسم کی طرف ہوتا ہو۔ اسی لئے برق ہوا سے زمین کی طرف آتی ہے۔

جب مطلع صاف ہوتا ہے تو یہ دباؤ عموماً مثبت ہوتا ہو۔ (یعنی زمین کے دباؤ سے
زیادہ) لیکن اس کی مقدار مقام کے ارتفاع اور دن کے وقت کے لحاظ سے بدلتی رہتی ہو چنانچہ
دباؤ اونچے اونچے اور یکہ و تنہا مقامات میں سب سے زیادہ ہوتا ہو۔ اسی لئے مکانوں کے اندر
میں یا درختوں کے نیچے بجلی نہیں پائی جاتی۔ شہروں میں برق مثبت وسیع کشادہ جگہوں
میں بندرگاہوں میں یا پلوں پر زیادہ پائی جاتی ہے۔

۵ اور ۶ ½ بجے صبح کے درمیان ہوا میں برق مثبت بہت ہی کم ہوتی ہے۔ پھر یہ
۹ ½ بجے تک بلحاظ موسم بڑھتی ہو۔ اور پہلی مرتبہ اپنی انتہا کو پہنچتی ہے ۲ ½ بجے سے ۴ بجے
تک وہ برابر کم ہوتی رہتی ہے اور پھر بڑھنا شروع ہوتی ہے یہاں تک کہ ۷ بجے اور ۹ بجے کے درمیان
وہ دوسری مرتبہ اپنی انتہا کو پہنچ جاتی ہے۔ پھر بقیہ تمام شب طلوع آفتاب تک گھٹتی
رہتی ہو۔ یہی وجہ ہے کہ جب ہوا کا دباؤ سب سے زیادہ ہوتا ہو تو مقدار برق بھی بہت زیادہ
ہوتی ہے۔ یہ کمی اور بیشی کے زمانہ جو تمام سال مشاہدے میں آتے رہتے ہیں مطلع کے صاف
ہونے اور موسم کے زیادہ ساکن ہونے کی حالت میں خوب نمایاں ہوتے ہیں خوشگوار
موسم میں برق مثبت سرما میں گرما سے نسبتاً زیادہ ہوتی ہو۔ مختصر یہ کہ برق ہوائی اور درجہ
حرارت و رطوبت میں نسبت معکوس ہو (یعنی ایک کے بڑھنے سے دوسری چیز گھٹتی ہے)

بہرحال برق مثبت زمین سے ۵ فٹ کی بلندی ہی پر پائی جاتی ہے۔ یہیں وہ

ہوا زمین پر جو تا پانچ فٹ سے نیچی نہیں پائی جاتی۔ اس سے بلند مقامات پر اس کی مقدار ایک ایسے قانون کے مطابق بڑھتی ہے کہ جو ابھی سمجھ میں نہیں آیا ہے۔ لیکن جس پر ہوا کی رطوبتی حالت کا اثر پڑتا معلوم ہوتا ہے۔ لیکن جب مطلع ابر آلود ہوتا ہے تو برق کبھی مثبت ہوتی ہے کبھی منفی۔ ملیشیر نے زمین کی برق کو ہمیشہ منفی پایا۔ اور یہ ہوائی بجلی کا ایک اہم مسئلہ گردانا جاتا ہے۔ بہرحال کسی مقام کی رطوبتی حالت اور ہوا کے درجہ حرارت کے لحاظ سے مختلف حدود تک یہ برق منفی پائی جاتی ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ یہ علامت سبرقہ بادلوں کے گذرنے سے بدلتی رہتی ہے۔ طوفان کے زمانہ میں جبکہ پانی برستا ہو یا برف پڑتی ہو تو ایسا ممکن ہے کہ ہوا میں ایک روز برق مثبت ہو اور دوسرے روز منفی۔ زمین سے اوپر کسی جگہ کا برقی دباؤ کہر کے زمانے میں نسبتاً زیادہ ہوتا ہے۔ اور یوں بھی خوشگوار موسم میں مثبت رہتا ہے۔ کہر کی کثافت کے ساتھ یہ بھی بڑھتا جاتا ہے۔ پامیرے کا قول ہے کہ برق منفی اس امر کا یقینی ثبوت ہے کہ ۵۰ میل کے اندر اندر یا تو کہیں بارش ہوتی ہے یا برف پڑتی ہے یا اولے گرتے ہیں۔

ہوائی بجلی کے اسباب۔ بہت سے نظریے برق ہوائی کی توجیہ کے لئے قائم کئے گئے ہیں۔ چنانچہ بعض حکما کا قول ہے کہ ہوا اور زمین کی رگڑ اس کا سبب ہے۔ بعض اس کا سبب درختوں کی بالیدگی بتلاتے ہیں۔ اور بعض اس کو تبخیر آبی کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ یہ ممکن ہے کہ متعدد اسباب ایک ساتھ ان مظاہر کے باعث ہوں۔ بہرحال ہم کو اس امر کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ کوئی قابل اطمینان توجیہ اب تک نہیں کی جا سکی۔ لیکن یہ امر کہ سب سے زیادہ قوی ہوائی مظاہر کے ساتھ ہمیشہ طوفان برف و باران ہوتا ہے اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ برق کی تخلیق اور بخارات آبی کی تبرید میں کوئی تعلق ضرور ہے۔ گو وہ ابھی تجربہ کی حد سے باہر ہے۔ [illegible] آتش فشاں کے التہاب کے زمانہ میں ایک بڑی مقدار بخارات آبی کی [illegible] ہوا اور کچھ بلندی پر جا کر متکثف ہو جاتی ہے جس سے بڑے بڑے

بادل بن جاتے ہیں اور جو چمک اور گرج کے بعد اب باران کی صورت میں تحلیل ہو جاتے ہیں
سب سے پہلے والٹا نے یہ بات دکھلائی کہ پانی کی تبخیر سے برق پیدا ہوتی ہے بعدہٗ پوئیلیٹ
نے یہ ثابت کیا کہ آب مقطر کی تبخیر سے برق نہیں پیدا ہوتی۔ لیکن اس میں اگر کھاری نمک
تھوڑا سا ملا دیا جائے تو بخارات میں برق مثبت اور محلول میں برق منفی پیدا ہو جاتی ہے
لیکن اگر تیزاب ملایا جائے تو معاملہ برعکس ہو جاتا ہے۔ یعنی بخارات میں برق منفی اور محلول
میں برق مثبت آجاتی ہے۔ اسی بنا پر یہ خیال کیا گیا ہے کہ چونکہ سطح زمین یا سمندر کے پانی
میں ہمیشہ نمک ملا رہتا ہے اس لئے بخارات آبی میں برق مثبت اور زمین میں برق منفی ہونی
چاہیئے تبخیر کے اثر سے برق کی پیدائش دیکھنے کے لئے پلاٹینم کی ایک پیالی گرم کرنی چاہیئے
اس میں تھوڑی مقدار کسی رقیق شے کی ڈال دینی چاہیئے اور کل کو برق نما کی قرص پر رکھنا
چاہیئے یہ احتیاط رہے کہ برق نما کی پیندی زمین سے اچھی طرح ملی رہے۔ جب پیالی کے پانی میں
تبخیر شروع ہو جائے تو زمین سے برق نما کا تعلق قطع کر دینا چاہیئے۔ اور قرص کو اوپر اٹھانا
چاہیئے۔ اب اگر پانی میں کسی قسم کا نمک وغیرہ شامل ہے تو اوراق طلائی ایک دوسرے سے
دور ہو جائیں گے اور اگر پانی خالص ہے تو کچھ بھی اثر نہ ہوگا۔

ان ہی تجارب کی بنا پر پوئیلیٹ نے برق تبخیری کا سبب اشیاء محلولہ سے اجزاء مائیہ
کا انفکاک بتلایا ہے۔ لیکن ریخ اور ریس دونوں نے یہ ثابت کیا کہ اس کا سبب وہ احتکاک
بھی ہو سکتا ہے۔ جو پانی کے ذروں جن کو بخارات اپنے ساتھ اڑا لے جاتے ہیں اور ظرف کی
دیواروں کے مابین پیدا ہوتا ہے۔ گاگین بھی اپنے تجارب سے اسی نتیجہ پر پہنچا۔

سادہنکے نے فیرنیڈے کے ایک تجربہ کو آزمایا تو معلوم ہوا کہ پانی کے چھوٹے چھوٹے
ذروں اور خشک برف کے درمیان جو احتکاک پیدا ہوتا ہے وہ برق کا بڑا زبردست خزانہ ہے
اسی وجہ سے وہ برق ہوائی کا سبب یہ بتلاتا ہے کہ ممکن ہے کہ ابر کے طبقات میں پانی اور
برف دونوں کے اجزا موجود ہوں۔ برف کے اجزا میں تو برق مثبت پیدا ہوتی ہو اور پانی

گرنے والی قطروں میں برق منفی۔ پانی کے بخارات بارش کی صورت میں جب گرتے ہیں تو اپنی ہمراہ منفی ساتھ لاتے ہیں۔ لو وہی کا نظریہ بھی اس سے ملتا ہے۔

بادلوں کی بجلی یا برق سحابی۔ بادلوں میں عموماً برق مثبت ہوتی ہے لیکن کبھی کبھی برق منفی بھی ہوتی ہے۔ مثبت برقائے ہوئے بادلوں کی تکوین کا سبب بعضوں نے زمین سے بخارات کا اُٹھنا اور اوپر جا کر متکثف ہو جانا بتلایا ہے۔ منفی بادل کہر سے بنے ہوئے سمجھے جاتے ہیں کیونکہ کہر میں زمین کے قرب کی وجہ سے برق منفی ہوتی ہے اور اوپر اُٹھنے پر بھی یہ برق ساتھ رہتی ہے یا یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ کہر جب زمین سے اٹھتا ہے تو اس کے اور زمین کے درمیان ایک تہہ مرطوب ہوا کی آجاتی ہے اور کہر میں برق منفی مثبت بادلوں سے بذریعہ امالۂ برقی کے آجاتی ہے۔ رعد آفرین بادل بعض اوقات ۲۰۰۰۰ فٹ کی بلندی پر ہوتے ہیں۔ لیکن ان کی اونچائی عموماً ۳۰۰۰ سے ۸۰۰۰ فٹ تک ہوتی ہے۔

مختصر یہ کہ برق ہوائی کی اصل کچھ ہی کیوں نہ ہو اتنا تو ضرور ہے کہ غیر مرئی بخارات مائیہ اس کے موصل ہیں۔ دوسرے یہ کہ بادلوں کے برقی دباؤ کی توجیہ آسان ہو جاتی ہے۔

مثلاً فرض کرو کہ ۱۰۰۰ ذرات بخاریہ ہیں جن میں سے ہر ذرے کا حجم ایک ہے اور مقداراً برق بھی ایک ہے۔ پس اگر یہ ذرے مل کر ایک قطرہ بن جائیں تو اس قطرہ کا قطر ذرے کے قطر سے ۱۰ گنا ہوگا اور اس کی صلاحیت برقی بھی ۱۰ گنا ہوگی۔ لیکن مقدار برق ۱۰۰۰ گنا زیادہ ہوگی اور برقی دباؤ ۱۰۰ گنا ہوگا۔ اس لئے ذرات بخاریہ کے برقی دباؤ کو ہم کتنا ہی کم مانیں لیکن قطروں کا برقی دباؤ بہت ہی زیادہ ہوگا۔ اور یہی وجہ بادلوں کے برقی دباؤ کے زیادہ ہونے کی ہے۔

صاعقہ یا آسمانی بجلی۔ آسمانی بجلی سے جیسا کہ عام طور پر سب جانتے ہیں مراد وہ مظہر ہے جو رعد و گرج سے پہلے مبرقہ بادلوں سے برقی شرارے کے نکلنے کے وقت دیکھنے میں

تا ہم ہوا کے نیچے کے طبقوں میں صاعقہ کی روشنی سفید ہوتی ہے۔ لیکن اوپر کے طبقوں میں رنگ سُرخی مائل ہوتا ہے۔

آج کل جو بے انتہا فنی الحس خشک تصویری الواح بنائی جاتی ہیں اُن کی وجہ سے عملی جزئیات کو ایک بڑا زبردست ذریعہ بجلی کی چمک کے مطالعہ کرنے کا ہاتھ آگیا ہے۔ چنانچہ مختلف مقامات اور اوقات میں اس قسم کی تصویریں لی گئیں ہیں۔

صاعقہ کی چمک عموماً طول میں ایک میل سے زائد ہوتی ہے اور بسا اوقات سہ یا میل تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ ہوا میں اس کا راستہ عموماً بہت پیچدار اور بے قاعدہ ہوتا ہے اس پیچیدگی کا سبب یہ ہے کہ ایک زبردست برقی رَو کے گزرنے سے ہوا کی برقی مزاحمت بڑھ جاتی ہے اس لئے برقی شرارہ نیا راستہ اختیار کرتا ہے جہاں برقی رُکاوٹ نسبتاً کم ہوتی ہے چنانچہ خلا میں بجلی کا راستہ خط مستقیم ہوتا ہے۔

جب ہم برقی مشین سے شرارہ پیدا کرتے ہیں تو عموماً صورت یہ ہوتی ہے کہ دو موصل برق گولیاں برقی کل میں ہوتی ہیں جن کو ایک دوسرے سے اتنے فاصلہ پر رکھا جاتا ہے کہ اُن کے مابین برقی دباؤ شرارہ پیدا کرسکے۔ بالفاظ دیگر جب برقی شرارہ پیدا ہوتا ہے تو عموماً برق ایک زیادہ دباؤ والے موصل برق سے ایک کم دباؤ والے جسم میں گزر جاتی ہے۔ لیکن سوال زیر بحث میں ہم صاعقہ کے چمک کو دو موصل برق اجسام کے درمیان بجلی گزرنا نہیں کہہ سکتے اس لئے کہ بجلی کے راستہ میں چھوٹے چھوٹے قطرے ملتے ہیں جو بجائے خود موصل برق ہوتے ہیں۔ چمک کی نوعیت کے لحاظ سے آسانی بجلی کی کئی قسمیں کی جاسکتی ہیں مثلاً ایک قسم پیچدار وغیرہ ہے جو بہت سُرعت کے ساتھ ایک آتشی خط بناتی ہوئی حرکت کرتی ہے۔ یہ خط برقی مشین کے شرارے سے بالکل مشابہ ہوتا ہے۔ حال ہی میں جو خشک تصویری الواح کے ذریعہ سے بجلی کی چمک کے عکس لئے گئے ہیں اُن سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ خط درحقیقت اس قدر پیچیدہ نہیں ہے جیسا کہ بظاہر نظر آتا ہے لیکن اس میں بہت خم ہوتے

شکل ظاہر ہوتی ہے جس میں شگاف بنا ہوا ہو اور جس میں بہت سی شاخیں ہوں۔

دوسری قسم ورقی ہے۔ یہ شکل سابق کے خطی نہیں ہے بلکہ اس کی کوئی شکل خاص نہیں ہوتی یہ کل افق پر چھا جاتی ہے۔ یہ قسم جو بہت کثرت سے ظہور میں آتی ہے خود بادلوں ہی میں پیدا ہوتی ہے اور اسی لئے کل بادل کو روشن کر دیتی ہے۔ آلہ رنگ نما کے ذریعہ سے جو مشاہدے کئے گئے ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ خطی بجلی مثل ورقی کے خود بادلوں ہی کے درمیان پیدا ہوتی ہے۔ برخلاف اس کے کہ بعض کہتے بادل اور زمین کے درمیان ظہور پذیر ہوتی۔

تیسری قسم حاری ہے۔ یہ افق کے نیچے [illegible] ہوتی ہے۔ جو گو افق کے نیچے ہوتی ہے لیکن اوپر کے طبقوں کے بادلوں کو منور کر دیتی ہے۔ اسی وجہ سے بہت فاصلہ سے بھی نظر آتی ہے۔ اس کے ساتھ اس کی گرج اس وجہ سے نہیں سنائی دیتی کہ فاصلہ اس قدر زیادہ ہوتا ہے کہ آواز ہم تک نہیں پہنچ سکتی۔

اس کے علاوہ ایک عجیب و غریب قسم مدور بجلی کی ہے۔ یہ وہ چمک ہے جو دو انچ کے قریب قطر والے آتشی کرہ کی شکل میں نمودار ہوتی ہے۔ یہ چمک بعض اوقات دس دس منٹ تک قائم رہتی ہے۔ اور بادلوں سے زمین تک اس قدر آہستہ اترتی ہے کہ ہم اس کو دیکھ سکتے ہیں۔ زمین پر پہنچکر یہ آتشی گولا اکثر منعکس ہو کر دوبارہ اوپر صعود کر جاتا ہے۔ لیکن بعض اوقات جب یہ پھٹتا ہے تو بہت سی ایک ساتھ چھوٹنے والی توپوں کی سی آواز پیدا ہوتی ہے۔ اس مظہر کی ابھی تک کوئی قابل اطمینان توجیہ نہیں کی جا سکی گو پلانٹے نے ایک بھاری تعداد میں برقی موجوں کو لے کر اس مظاہرہ کی نقل کی ہے۔

مذکورہ بالا اول تین قسموں میں بجلی کی چمک ایک ثانیہ کے دس لاکھویں حصہ تک بھی قائم نہیں رہتی۔ اس کو وہیٹسٹون نے معلوم کیا تھا۔ اس نے ایک دندانہ دار پہیہ لیا تھا یعنی جس میں [illegible] نہایت تیزی کے ساتھ گھمایا کہ دندانے دکھائی نہ دیتے تھے۔ جب اس پر بجلی کی چمک ڈالی تو اس کا ہر دندانہ اس قدر تھوڑی دیر تک چمکا کہ پہیہ بالکل ساکن معلوم

ہوتا تھا۔ بالفاظ دیگر بیتے کی حرکت چمک کے دوران میں نہیں معلوم ہوتی تھی بجلی کی چمک سے جو روشنی پیدا ہوتی ہے وہ سورج کی روشنی کے برابر تیز ہوتی ہے گو وہ ہم کو چاند سے زیادہ روشن نہیں معلوم ہوتی۔ لیکن بات یہ ہے کہ اس کا وقفہ بہت ہی قلیل ہوتا ہے اور دوسرے آنکھ پر پوری طور سے اثر کرنے کے لئے روشنی کی مدت کم از کم ثانیہ کے دسویں حصہ کے برابر ہونی چاہیئے۔ چنانچہ اگر کسی خطہ پر بجلی کی چمک برابر پڑتی ہے تو وہ ہم کو ایک لاکھ گنا زیادہ روشن معلوم ہوگا۔

اس موقع پر ایک مظہر کا ۔۔۔ش بحری کہتے ہیں ذکر کرنا نامناسب نہ ہوگا یہ اُس وقت نظر آتا ہے جبکہ بادل نیچے ہوتے ہیں اور ہوا کی برقی حالت تیز ہوتی ہے۔ یہ مثل برش کے نوک دار چیزوں مثلاً جہازوں کے مستول۔ درختوں کی چوٹیوں وغیرہ پر ظاہر ہوتی ہے۔ خود اور نیزوں کی نوکوں پر بھی اس کا مشاہدہ کیا گیا ہے۔ یہ تاریکی میں اچھی طرح سے دکھاتی ہے۔ اور اس میں کھڑکھڑاہٹ کی سی آواز سنائی دیتی ہے سمندروں میں طوفان کے وقت جہازوں کے مستولوں پر یہ اکثر دکھائی دیتی ہے۔

رعد یا گرج۔ رعد، یا گرج، وہ مہیب آواز ہے جو صاعقہ کے بعد سنائی دیتی ہے صاعقہ اور رعد دونوں ایک ساتھ پیدا ہوتے ہیں۔ لیکن چونکہ آواز کی رفتار صرف ۱۱۰۰ فٹ فی ثانیہ اور روشنی کی رفتار اس کے مقابلہ میں ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی ثانیہ ہے اس لئے صاعقہ کی چمک کے کئی سکنڈ کے بعد رعد کی آواز سنائی دیتی ہے۔ پس اگر بادل کی بلندی ۱۱۰۰ فٹ کی ۵ گنی یا ۶ گنی ہے تو آواز بھی صاعقہ کے ۵ یا ۶ سکنڈ بعد سنائی دے گی رعد کی آواز کبھی تو چابک کی پھٹک سے مشابہ ہوتی ہے اور کبھی توپ کی سی ہوتی ہے۔

بادلوں میں جب بجلی پیدا ہوتی ہے تو وہ ہوا کو خواہ گرم کرکے یا صرف حرکت دے کے بڑی سرعت کے ساتھ پھیلا دیتی ہے اور یہ اُسی وقت ممکن ہے کہ جب بادل

ہوا میں انقباض ہو۔ یہ منقبض ہوا پھیلی ہوئی ہوا کے پیدا کیے ہوئے خلا کو بھرنے
کے لئے بڑھتی ہے اور خود اپنی جگہ ایک خلا چھوڑ جاتی ہے۔ اس کو پُر کرنے کے لئے
اس کے ماحول کی ہوا بڑھتی ہے اور پھر اس کے خلا کی جگہ لینے کے لئے اس کے
ماحول کی ہوا بڑھتی ہے۔ غرضکہ اسی طرح یہ سلسلہ قایم رہتا ہے۔ بالفاظ دیگر اس اتساع
و انقباض ہوا سے ہوا میں وہ موجیں پیدا ہوتی ہیں جو ہمیں آواز کی صورت میں محسوس
ہوتی ہیں۔ جہاں بجلی گرتی ہے وہاں آواز تیز اور تھوڑی ہی دیر تک سنائی دیتی ہی
لیکن زیادہ فاصلہ پر جلد جلد یکے بعد دیگرے آوازیں سنائی دیتی ہیں۔ اس سے بھی
زیادہ فاصلہ پر آواز پہلے تو پست ہوتی ہے لیکن بعد میں پتھر کے لڑھکنے کی سی
آواز آنے لگتی ہے۔ اگر بجلی ۱۴ یا ۱۵ میل سے زیادہ فاصلہ پر ہو تو آواز بالکل نہیں
سنائی دیتی۔ کیونکہ اتنے زیادہ فاصلہ پر ہوا کی لہریں بہت کمزور ہو جاتی ہیں اور محسوس
نہیں ہوسکتیں یہی وجہ ہے کہ بعض وقت ہم کو بجلی دکھائی دیتی ہے۔ لیکن آواز نہیں
سنائی دیتی۔ اور یہ اکثر اُس وقت ہوتا ہے جبکہ آسمان بادلوں سے صاف ہوتا ہی
اس گرج کے کئی اسباب ہیں۔ منجملہ اُن کے ایک یہ ہے کہ زمین سے بادلوں سے
اور مختلف ثقل کے ہوائی طبقوں سے منعکس ہوکر بطور آواز بازگشت سنائی دیتی ہے۔
علاوہ بریں صاعقہ بھی بجلی کی فقط ایک ضرب سے نہیں پیدا ہوتی بلکہ ضربوں کا ایک
سلسلہ ہوتا ہی جس میں سے ہر ایک ضرب ایک خاص آواز پیدا کرتی ہی۔ اور جو راستہ
میں آنیوالی چیزوں سے مختلف طور پر منعکس ہوتی ہے۔ اس لئے ہر ضرب کی آواز مختلف
وقت اور شدت کے ساتھ سنائی دیتی ہے۔ انھیں آوازوں کے یکے بعد دیگرے
سنائی دینے سے گرج پیدا ہوتی ہے۔ دوسرا سبب اس کا یہ بھی سمجھا جاتا ہے
کہ صاعقہ کا راستہ خود بہت غیر مستقیم ہوتا ہے۔ اس کی وجہ سے ہوا کا دباؤ راستہ
کے ہر زاویہ پر زیادہ ہوجاتا ہے۔ اور اسی وجہ سے آواز کی شدت میں فرق

ہوجاتا ہے۔

صاعقہ کے اثرات۔ صاعقہ بادلوں اور زمین کے درمیان ایک نہایت عظیم
برقی زور کے گزرنے کا نتیجہ ہوتا ہے زمین میں بادلوں سے بذریعہ امالہ برقی کے
مخالف برق پیدا ہو جاتی ہے۔ اور جب ان ہر دو برقیات کی باہمی کشش ہوا کی
مزاحمت پر غالب آجاتی ہے تو شرارہ پیدا ہوتا ہے جس کو عرف عام میں کہتے ہیں
کہ بجلی گری۔

بجلی پہلے سب سے نزدیک اور سب سے اچھے موصل برق اشیاء پر گرتی ہے
چنانچہ درخت۔ بلند عمارتیں وغیرہ خاص طور پر اس کی زد میں آتی ہیں۔ اس لئے برقی
طوفان کے وقت درختوں کے نیچے پناہ لینا حماقت ہے۔

صاعقہ کے اثرات مختلف ہوتے ہیں۔ صاعقہ آدمیوں۔ جانوروں کو ہلاک کر دیتی
ہے۔ جلنے والی چیزوں کو جلا دیتی ہے۔ دھاتوں کو گلا دیتی ہے اور غیر موصل اشیاء
کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیتی ہے۔ اور جب یہ زمین کے اندر تک پہنچ جاتی ہے تو راستہ
میں تمام ریتیلی چیزوں کو گلا دیتی ہے اور اسی وجہ سے بعض اوقات زیر زمین شیشے کی
نالیاں سی اس کے راستہ میں بن جاتی ہیں۔ جب لوہے کی سلاخوں پر اس کا
گزر ہوتا ہے تو اُن میں مقناطیسی قوت پیدا کر دیتی ہے اور اکثر مقناطیسی سوئیوں
کے قطبین کو پلٹ دیتی ہے۔ یعنی قطب شمالی کو جنوبی اور جنوبی کو شمالی کر دیتی
ہے۔

درختوں پر اس کا اثر بہت عجیب و غریب ہوتا ہے۔ جب ان پر گرتی ہے
تو بعض اوقات کلاً یا جزواً اُن کی چھال علیحدہ ہو جاتی ہے۔ فرینکلن اس کا سبب
پانی کی یکایک تبخیر بتلاتا ہے۔

صاعقہ کے گزرنے کے بعد ایک عجیب قسم کی بُو پیدا ہوتی ہے۔ یہ بُو وہی ہے

ہوتی ہے جو کسی کمرے میں برقی مشین چلانے کے بعد معلوم ہوتی ہے۔ یہ بو اوزون کی ہوتی ہے۔ آکسیجن کی ایک نوع ہے بجلی چونکہ بادلوں سے گذر کر زمین تک پہنچتی ہے اس لئے نیچے کی ہوا پر بہت شدید برقی دباؤ پڑتا ہے۔ اوزون کی پیدائش اسی دباؤ کا اثر ہے۔ ساحل سمندر پر اوزون بمقدار وافر پائی جاتی ہے۔ گرم ہوا میں سرد ہوا کی نسبت بجلی جلد سرایت کرتی ہے

بسا اوقات ایک شدید اور مہلک صدمہ آدمیوں اور جانوروں کو محسوس ہوتا ہے۔ حالانکہ وہ صاعقہ کی گزرگاہ سے دور ہی کیوں نہ ہو۔ اس کا سبب یہ ہے کہ بادل بذریعہ امالۂ برقی کے اُن اشیاء میں بھی برق پیدا کر دیتا ہے جو اُس کے دائرہ اثر میں ہوں۔ یہ اشیاء بھی مثل زمین کے ہیں کہ ان میں بھی برق مخالف اٹھاتی ہے۔ لیکن جب بادلوں کی بجلی زمین کی بجلی سے مل کر ایک ہو جاتی ہے تو بادل خالی رہ جاتے ہیں۔ پس کوئی امالہ نہیں ہوتا۔ اور پھر وہ اشیاء بھی برقی حالت کو چھوڑ کر بہت جلد اصلی حالت پر آ جاتی ہیں۔ لیکن اسی تبادلہ پر ایک صدمہ محسوس ہوتا ہے جس کو رد صدمہ کہنا بیجا نہ ہوگا۔

ضمیمہ

فرہنگ مصطلحات

التہاب	=	Eruption
آتش بحری	=	St. Elmo's Fire
آسمانی بجلی یا صاعقہ	=	Lightining
بجلی پیچدار و خمیدہ	=	Zigzag Lightining
ایضاً عریض	=	Sheet Lightining
ایضاً حار	=	Heat Lightining
ایضاً مدور	=	Globe Lightining
جامع برق	=	Collector
صلاحیت	=	Capacity
دباؤ برقی	=	Potential
خشک تصویری الواح	=	Photographic Dry Plates
ظرف لیڈن	=	Leyden Jar
لیڈنی ظرف	=	
رعد یا گرج	=	Thunder
ملمع دھاگا	=	Gilt thread
محبوس	=	Insulated
محلول	=	Solution
علماء جویات	=	Meteorologists

زحل کے حلقے

(از قلم ملک نذیر احمد صاحب متعلم بی ایس سی کلاس ایم اے او کالج علی گڑھ)

(یہ مقالہ مضمون گذشتہ سال بصدارت پروفیسر فیروز الدین مراد صاحب سائینٹفک سوسائٹی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے ایک عام اجلاس میں پڑھا گیا تھا اور اس کے صلہ میں قابل مضمون نگار کو سوسائٹی مذکور کی طرف سے اول درجہ کا انعام عطا ہوا تھا)

قدیم ہیئت داں زحل کو نظام شمسی کا انتہائی رکن گردانتے تھے لیکن بعد کی تحقیقات سے جس میں ناظرین شاید سن کر حیران ہوں کہ قیاس نے مشاہدہ سے زیادہ حصہ لیا۔ اس خیال کو غلط ٹھیراتے ہوئے ثابت کر دیا کہ اس سے بھی پرے ایک چھوڑ دو سیارے سورج کو اپنا مرکز بنائے چشم شب بینا کو سبق آموز ما اوتیتم من العلم الا قلیلا ہیں۔ مگر زحل کے متعلق جس حقیقت کے انکشاف نے سائنس دانوں کے دلوں کو متضاد خیالات کا جولانگاہ بنا رکھا اور جس کی گرہ کشائی کے لئے آخر ہیئت کو طبیعیات کا شرمندۂ احسان ہونا پڑا۔ وہ اس سیارہ کے گرداگرد علاوہ معمولی اقمار کے چند مساوی المرکز حلقوں کی دریافت تھی۔ یہ فی الحقیقت اپنی شان میں نرالی بات تھی کیونکہ نہ صرف نظام شمسی کے معدودے چند اجرام میں بلکہ سماء دنیا کے فضائے بسیط کی لاتعداد جھلملاتی ہوئی قندیلوں میں اس کی کہیں نظیر نہ تھی۔ اس مضمون کا مقصد ناظرین رسالہ کو ان بے مثل حلقوں کی حقیقت سے آگاہ کرنا ہے۔

حلقوں کی بحث سے پہلے خود زحل کے متعلق چند معروفی الفاظ خالی از دلچسپی نہ ہونگے۔ فاصلہ آفتاب کے لحاظ سے یہ سیارہ نظام شمسی میں چھٹے درجے پر ہے اور جسامت کے اعتبار سے دوسرے نمبر پر۔ فاصلہ آفتاب سے ۸۷۲۰۰۰۰۰۰ میل ہے اور قطر ۷۷۲۳۰ میل۔ گویا زمین سے ... گنا بڑا ہے۔ اپنی سالانہ گردش کو ۱۰۷۵۹ دنوں میں ختم کر لیتا ہے (زمین تقریباً ۳۶۵ دن

اور محوری گردش کو ۱۰ ۱/۴ گھنٹوں میں (زمین ۲۴ گھنٹے) ان عجیب حلقوں کے علاوہ آٹھ چاند (زمین ۔ ایک) اس کے گرد چکر لگاتے ہیں۔ اپنے خط استوا پر اس کی رفتار حرکت تقریباً ۳۴۸۰ میل فی منٹ ہے

زحل

۱
۲
۳
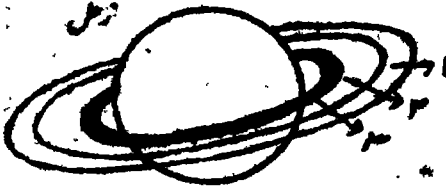
(زمین ۱۷۰۳۰ میل فی منٹ)

جیسا کہ اوپر اشارۃً کہا گیا ہے ان کے حلقے تعداد میں تین ہیں۔

پہلے اور دوسرے حلقے کے درمیان جو سیاہ سی دھاری دکھائی گئی ہے۔ اُسے تفاق کینی کہتے ہیں۔ یہ اس قدر عریض ہے کہ بعض اوقات اس میں سے ستارے ٹمٹماتے ہوئے دکھائی پڑتے ہیں۔ تیسرا حلقہ بہت ہی مدھم ہے اور دُوربین کی مدد کے باوجود دقت سے نظر آتا ہے۔ ان حلقوں کی موٹائی عام طور پر سو میل سے زیادہ نہیں ہے۔ لیکن ان کے قطروں میں معتدبہ فرق ہے۔ تیسرے حلقے کا قطر ۸۸۱۹۰ میل ہے گویا یہ سیارے سے ۴۸۰ میل کے فاصلہ پر ہے۔ پہلے حلقے کا بیرونی قطر ۱۷۲۱۳۰ میل ہے۔ گویا تینوں حلقوں کی مجموعی چوڑائی مع دونوں تفاوتوں کے ۴۲۰۶۰ میل ہے۔ حلقہ نمبر ۲ کی رفتار ۱۲۰۵ میل فی سیکنڈ ہے اور نمبر ا کی ۹۰۵ میل فی سیکنڈ۔

یہ تو ہوئے ان کے مختصر سطحی حالات، ان کا معلوم کرنا بذات خود محنت طلب ہے لیکن صرف اتنی یا اس قسم کی واقفیت سے ایک متجس قلب کا اطمینان محال ہے۔ سائنس جب تک کہ مظاہر قدرت کی اصلیتوں سے کماحقہ واقف نہیں ہو لیتی دیوانہ وار اسے چین نہیں پڑتا۔ اور اس کے نام لیوا پروانہ وار اس تلاش مقصود میں اپنی جان گھلانا زندگی کا معراج سمجھتے ہیں چنانچہ مدت تک یہ مسئلہ سائنس دانوں کے سمند فکر کا جولانگاہ بنا رہا۔ دو متقابل خیال علمی دنیا کے پیش نظر تھے۔ ایک کی رو سے یہ حلقے ٹھوس اور مسلسل قرار دیئے گئے تھے جیسے وسیع چکر۔ دوسرے کے نقطۂ نظر سے یہ بے انتہا چھوٹے چھوٹے سنگریزوں کے دل بادل تھیں کو تسلسل

کی بہ نسبت گیر توتے موجودہ ترتیب میں بجائے اگر یہ شکل دی ہوئی ہو۔ دونوں فریق اپنے اپنے دعوے
کی صحت میں دلائل دیتے ہی رہتے تھے۔ تاہم مؤخر الذکر مسلسل خیال زیادہ مقبول عام تھا حتیٰ کہ
اس کی نظر ثانی کا پول میکسویل نے ریاضی کی بنا پر یہ ثابت کر کے کھول دیا کہ ان دونوں حالات
میں جب ان پر عمل ہو تمام نظام تباہ اور حلقے پاش پاش ہو جائیں گے۔ مگر یہ حسابی کتابی
محنت فیصلہ کن نہ تھی۔ دنیا کو ضرورت تھی کسی ایسے فیصلہ کن تجربہ کی جو حق و باطل میں صاف اور
کھلے طور پر امتیاز کر سکے۔ اور وہ یوں ہوا کہ یہ دونوں قیاس ایک حلقے کے اندرونی و بیرونی
کناروں کی رفتاروں کے متعلق مختلف نتائج پیش کرتے تھے۔ پس اگر ہم کسی طریقے سے ان
رفتاروں کو معلوم کر پاتے تو یکسوئی فوراً حاصل ہو سکتی تھی۔

غالباً اکثر ناظرین اس اجمال کی تفصیل کے طالب ہونگے۔ فرض کیجیے کہ پہلا قیاس صحیح ہے
(یعنی حلقے ٹھوس ہیں) اور کسی حلقے کا اندرونی قطر ق اور بیرونی ق‾ ہے۔ اور حلقہ فی ثانیہ ل
چکر ختم کر لیتا ہے (ل غالباً کسر صحیح ہوگا) تو اندرونی کنارے کی رفتار ل × ۲۲/۷ × ق میل
فی ثانیہ ہوگی۔ اور بیرونی کی ل × ۲۲/۷ × ق‾ میل فی ثانیہ۔ چونکہ ل دونوں صورتوں میں
ایک ہی ہے اور ق‾، ق سے بڑا ہے۔ لازماً بیرونی کنارے کی رفتار بمقابلہ اندرونی کے
زیادہ ہوگی۔ اب مخالف قیاس کو صحیح تصور کیجیے۔ اس صورت میں ہر سنگریزہ دو متخالف قوتوں کے
زیر اثر متوازن ہے۔ ایک تو وہ جو بوجہ اس کی حرکت مستدیر کے اسے اپنے مرکز سے دور پھینکنا چاہتی
ہے اور دوسری وہ کشش جس سے زحل اسے اپنی طرف کھینچ رہا ہے۔ نیوٹن کے قانون ثقل کی
رو سے اگر زحل میں مقدار مادہ م ہے اور سنگریزے میں م‾ اور اس کا فاصلہ زحل کے مرکز
سے ب۔ تو یہ کشش برابر ہوگی م × م‾ / ب۲ × ج کے جہاں ج ایک عدد ثابت یعنی تجاذب مادہ
کی اکائی ہے۔ دوسری طرف اگر سنگریزے کی رفتار س میل فی گھنٹہ ہے تو قوۃ مبعدعن المرکز
برابر ہوگی س۲ × م‾ / ب کے۔ اب توازن کے لئے لازمی ہے کہ:۔

$$ق = \frac{م \times م}{ب^۲} = \frac{س^۲ \times م}{ب}$$

$$یا \quad س = \frac{ک \times ج}{ب}$$

گویا جوں جوں مرکز سے فاصلہ (ب) کم ہوتا جائے گا سنگریزے کی رفتار حرکت کم ہوتی جائیگی یہ نتیجہ جیسا کہ ارباب بصیرت پر عیاں ہے اس نتیجے کے بالکل برعکس ہے جو حلقوں کو ٹھوس اور مسلسل فرض کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ اب اس بعد پر سیارے کے متعلقات کی رفتار جو ... معلوم ہونے سے تو رہی۔ جو نادر طریقہ استعمال میں لایا گیا ہے۔ وہ تموج وارتعاش کے ایک دلچسپ قانون پر منحصر ہے۔

اس قانون کی تحقیق کا سہرا ڈاپلر کے سر ہے اور اس کو پورے طور پر سمجھنے کے لئے چند اصطلاحات کا پہلے جاننا ضروری ہے۔ فرض کیجیے کہ ایک جسم مرتعش و ثانیہ میں پورا دور ختم کرتا یعنی جس نقطے سے اس نے حرکت شروع کی تھی۔ وہیں واپس آجاتا ہے تو (و) کو اس کا وقت ارتعاش یا نوبتی وقت کہیں گے۔ ظاہر ہے کہ ایک ثانیہ میں وہ $\frac{۱}{و}$ دور ختم کرے گا۔ اگر اس مقدار کو ف کے برابر رکھیں تو ف کثرتِ ارتعاش کہلائے گی۔ اب یہ جسم ماخذ ہوگا لہروں کے ایک پیہم سلسلہ کا جو اس جسم سے پیدا ہو کر فضائے ہوا میں اس طرح پھیلتی جائیں گی جس طرح ساکن سطح آب پر کوئی وزنی شے مثلاً پتھر پھینکنے سے لہریں اٹھ کر کناروں کی طرف بڑھتی ہیں۔ صرف دونوں صورتوں میں تموج کی شکل مختلف ہوگی یعنی جہاں پانی کے ذرات اوپر نیچے حرکت کرکے لہر کو بڑھائیں گے۔ وہاں ہوا کے ذرات آگے پیچھے ہو کر یہی نتیجہ معرض وقوع میں لائیں گے۔ مگر بحث و نتائج دونوں کے حق میں یکساں صحیح ہیں اور اصطلاحات وہی مستعمل ہونگی۔ اگر فی ثانیہ لہریں ق فاصلہ طے کر سکتی ہیں تو ق کو رفتار تموج کہیں گے۔ اب ناظرین پانی والی مثال کا ...

[illegible] آواز کا بلند ہوتا معروف ہے، وقتِ تموج کے کم ہونے کے اور اس صورت میں [illegible]
جب کہ انجن کا فاصلہ ہم سے برابر گھٹ رہا ہو (یعنی جب انجن آ رہا ہو) [illegible]
تموج کی ایک شکل ہے لہٰذا ہم تخصیص کی قیود سے پہلے اپنے تئیں آزاد کر کے کہہ سکتے ہیں کہ اگر کسی
منبعِ تموج اور ہمارے درمیان فاصلہ لحظہ بلحظہ بڑھ رہا یا گھٹ رہا ہو۔ تو وقتِ تموج بھی ظاہری طور پر
بڑھتا یا گھٹتا معلوم دے گا۔ اور وقتِ تموج کی یہ کمی بیشی اس شدت پر منحصر ہوگی جس سے کہ فاصلہ کم
زیادہ ہوگا۔ یہ ہے ڈاپلر کا اہم اصول جو اپنے عمل کے لئے تموج کی کسی خاص شکل کا پابند نہیں
اتنا اور کہنا شاید ہمارے مضمون کے لئے زیادہ مفید مطلب ہوگا کہ یہ اصول جو محض مشاہدہ کی بنا پر قائم
کیا ہے۔ نظری دلائل سے بھی صحیح ثابت ہو سکتا ہے۔

اب ہم جانتے ہیں کہ روشنی بھی تموج کی ایک شکل ہے۔ منور جسم کے اجزائے لطیفہ جنہیں ہم
برقیوں کے نام سے پکارنے کے خوگر ہو گئے ہیں۔ اپنی حرکت ارتعاشی سے فضائے ایتھر میں تموج
کا ایک سلسلہ حیرت انگیز سرعت کے ساتھ پھیلاتے ہیں جو ہماری آنکھ کے اندرونی پردوں پر پڑ کر روشنی
کا احساس پیدا کرتا ہے۔ ان لہروں کی طوالت اور اوقات تموج اس قدر قلیل المقدار ہیں کہ ان کا محض
بیان کرنا سائنس کی موشگافیوں سے ناآشنا دماغ کو تھوڑی دیر تک غرقِ بحرِ حیرت کر دینے کے
لئے کافی ہے اور اس واسطے ان میں اگر کوئی کمی بیشی واقع ہو تو بلاواسطہ حس کا احساس ذرا مشکل سے
ہوتا ہے۔ نیز اب اگر ایک منور جرم فلکی خطِ بصر میں حرکت کر رہا ہو (خطِ بصر اس فرضی خط کو کہتے ہیں جو ہماری آنکھ
کو جسم زیر بحث سے ملائے) تو ظاہر ہے کہ اس کا فاصلہ ہم سے پل بہ پل بڑھ رہا یا گھٹ رہا ہوگا۔ لہٰذا اس
واسطے ان لہروں کا وقت تموج جو اس سے ہم تک پہنچتی ہیں اصول ڈاپلر کی رو سے نسبتاً بڑھتا یا گھٹتا
معلوم دے گا۔ نہ صرف یہ بلکہ دو متحرک جسموں کے متعلق یا ایک ہی متحرک جسم کے دو مختلف حصوں
کے متعلق اسی کمی بیشی کے مقابلہ سے ہم بوثوق کہہ سکتے ہیں کہ کون سا جسم زیادہ سرعت کے ساتھ
ہم سے نزدیک یا دور ہو رہا ہے [illegible] کیا۔ یہ مقدار اس قدر قلیل [illegible]
[illegible] احساس نہیں ہو سکتا [illegible]

[illegible] کو جو دیکھ سکتے ہیں جس سے ہم کو معلوم ہو ۔ شپا سکرالاتی ترنگی مدد سے
[illegible] کی مدد سے خصوصی خط سیارے سے ہی نظر آتے ہیں کہ یا ان کا پتا ہوں کے
[illegible] منشور سے ہم زمین پر واقف ہیں اور جو عینیت شمسی میں بشمول خطوط فراؤن ہوفر
پائے جاتے ہیں۔ اگر جسم منور ساکن ہے تو یہ خصوصی خطوط اپنی اصلی جگہ پر قائم رہیں گے (یعنی ..
اس جگہ جس پر کہ یہ سورج کے نقشہ نور منشور میں پائے جاتے ہیں) لیکن اگر یہ منبع متموج نور ہم سے
دور ہو رہا ہے۔ تو امواج تموج فاصلہ زیادہ ہو جائیں گے جس کی وجہ سے یہ خصوصی خطوط نقشہ الوان کے سرخ
حصے کی طرف سرک جائیں گے اور اگر منبع تموج ہم سے قریب آ رہا ہو تو امواج تموج کے فاصلہ گھٹ
جانے سے یہ خطوط نیلے حصے کی طرف کھسک آئیں گے۔

اب ہم دیر کے بچھڑے ہوئے حلقوں کی طرف پھر اور آخری دفعہ راجع ہوتے ہیں۔ ذرا غور کرنے
سے ظاہر ہو کہ ان حلقوں کے دائیں بائیں کنارے خط بصر میں حرکت کرتے ہیں یہ منور بالذات نہیں
بلکہ سورج کی روشنی کو منعکس کرتے ہیں۔ پروفیسر کیلر نے ایک حلقے کے اندرونی بیرونی کناروں کی
روشنی کو بالترتیب آلہ رنگ نما میں منحلل کر کے دیکھا کہ خطوط خصوصی بہ نسبت بیرونی کناروں کے اندرونی
کنارے کے متعلق زیادہ سرکے ہوئے تھے۔ یہ بعینہ وہی نتیجہ تھا جو سنگریزوں والے قیاس کا حامی
اور دوسرے کا پاش پاش کرنے والا ثابت ہوا۔ کیونکہ اس سے قطعی طور پر ثابت ہو گیا کہ اندرونی کنارے
کی رفتار بہ نسبت بیرونی کنارے کے زیادہ ہے۔ اب ناظرین اپنے دماغوں کی نہیں تو کم از کم کاغذ کے
ورق الٹ کر دیکھیں کہ یہ نتیجہ کون سے قیاس سے حاصل ہوا تھا۔

مکالمہ واعظ و طبیعی

(منقول از رسالہ روشنی لاہور بابتہ ماہ جنوری [illegible])

سر منبر کیا واعظ نے کل شیریں بیاں ہو کر ۔۔۔ کہ اے اہل نظر تم کبریا کی شان کو دیکھو

قواعد

کانفرنس گزٹ

(۱) یہ رسالہ ہر ماہ کی آخر تاریخ کو دفتر آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس سے شایع ہوگا۔

(۲) رسالہ کا حجم تقریباً تین جزو ہوگا۔ اور ۲۰ × ۲۶ تقطیع کے سفید کاغذ پر چھپیگا۔

(۳) سالانہ قیمت صرف تین روپیہ مقرر ہی جو بنام رجسٹرار صاحب محمڈن کالج علی گڑھ بھیجنا چاہیے۔ منی آرڈر کوپن پر صاف طور سے اس کی تشریح کردی جائے کہ کانفرنس گزٹ کی خریداری کے لیے ہی اور منی آرڈر ارسال کرنے کے ساتھ سپرنٹنڈنٹ صاحب صدر دفتر کانفرنس کو بھی اس کی اطلاع کرنا ضروری ہی۔

(۴) سوائے ترسیل زر کے باقی جملہ خط و کتابت رسالہ کے متعلق بنام سپرنٹنڈنٹ صاحب دفتر آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس سلطان جہان منزل علی گڑھ ہونا چاہیے

خاکسار

محمد حبیب الرحمن خاں شروانی آنریری جائنٹ سکرٹری آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس و آنریری اڈیٹر کانفرنس گزٹ

جلد اوّل

مارچ سنہ ۱۹۱۹ء
جمادی الثانی سنہ ۱۳۳۷ھ

کانفرنس گزٹ

یعنی

آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کا ماہوار علمی رسالہ

مرتبہ

محمد حبیب الرحمن خاں شروانی آنریری جائنٹ سکریٹری کانفرنس
(شیخ فیروز الدین مراد پروفیسر آف فزکس علی گڈھ کالج نے مضامین سائنس مرتب کیے)

خلاصہ مباحث:

(۱) حصہ اوّل۔ کانفرنس و دراسلامی درسگاہوں کے حالات
(۲) حصہ دوم۔ مفید تعلیمی معلومات
(۳) حصہ سوم۔ سائنس یا علوم جدیدہ

باہتمام محمد مقتدی خاں شروانی

مطبع انسٹی ٹیوٹ علی گڈھ کالج میں طبع ہو کر ۱۳۳۷ھ ۱۹۱۹ء

(دفتر کانفرنس سلطان جہاں منزل علی گڈھ سے شایع ہوا)

قیمت فی پرچہ ۲؍

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کانفرنس گزٹ

حصہ اوّل

مسلمانان صوبہ سندھ کی تعلیمی کانفرنس

صوبہ سندھ کے چند مخلص اور ہمدرد بزرگوں کی مساعی جمیلہ سے امسال سندھ پراونشل محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کا پہلا جلسہ سکھر میں ۱۵ - ۱۶ - ۱۷ مارچ کو منعقد ہوا - جناب شیخ عبدالعزیز صاحب پروپرائٹر الحق پریس سکھر، مولوی تاج محمد صاحب سب اڈیٹر اخبار "الحق" اور دیگر اراکین انجمن اسلام و احباب وطن سکھر کی مخلصانہ کوششوں کا نتیجہ تھا کہ سکھر میں صوبہ سندھ کے تقریباً تمام اضلاع کے قایم مقام مسلمانوں کا اجتماع ہوا - اور تقریباً تین سو ڈیلیگیٹس مختلف مقامات سے تشریف لاکر شریک ہوئے - خاص بات یہ تھی کہ صوبہ سندھ کے علماء اور مشائخ پہلی دفعہ اس قسم کے جلسہ کی شرکت کے لئے ایک جگہ جمع ہوئے - ہمیں وہ منظر کبھی فراموش نہ ہوگا جب کہ ہم نے کانفرنس کے خوش نما پنڈال میں (جو سکھر کے پرجوش نوجوانوں اور انجمن اسلام کے اراکین کی محنت اور شبانہ روز کی مصروفیت سے بہت قلیل عرصہ میں تیار ہوا تھا) ایک طرف حضرات علماء اور مشایخ کی متبرک صورتیں سندھی لباس میں کرسیوں پر متمکن نظر آتی تھیں اور دوسری طرف نوجوان تعلیم یافتہ

مسلمان اپنے خاص لباس میں موجود تھے اور دونوں طبقے ایک ہی قسم کے جوش سے متاثر ہو کر قومی بھلائی کی تجاویز میں برابر حصہ لیتے تھے۔

کانفرنس کے تین جلسے منعقد ہوئے۔ پہلے جلسہ کی صدارت جناب سیٹھ حاجی عبداللہ ہارون صاحب رئیس کراچی نے فرمائی سیٹھ صاحب کسی تعارف کے محتاج نہیں آپ کی قومی خدمات سے وہ لوگ بخوبی واقف ہیں جن کو قومی معاملات سے کچھ بھی دلچسپی ہے آپ نے ایک پُرزور اسپیچ مسلمانوں کی تعلیمی ضروریات پر بطور خطبہ دی جس میں خاص کر اس بات پر زور دیا گیا تھا کہ تحصیل علم کی غرض و غایت گورنمنٹ کی ملازمت نہیں ہونا چاہیئے۔ انہوں نے اس امر کی ضرورت کو خوبی کے ساتھ ظاہر کیا کہ انگریزی تعلیم کے ساتھ ساتھ دینی تعلیم اور بالخصوص زبان عربی کی تعلیم کا جلد انتظام ہونا چاہیئے۔ اس کے متعلق تجویز کانفرنس میں پیش ہوئی کہ ایک اینگلو عربک ہائی اسکول سکھر میں قایم ہونا چاہیئے۔ اس موقعہ پر سکھر ریلوے اسٹیشن کے خانساماں میاں شیخ احمد ساکن لدھیانہ نے برجستہ نظم پڑھی جس سے حاضرین اس درجہ متاثر ہوئے کہ مجوزہ اسکول کے لئے ہر چہار طرف سے چندہ کی بوچھار ہونے لگی۔ چنانچہ تقریباً چار ہزار روپیہ نقداً و وعدہ کی صورت میں وصول ہوا اور تقریباً پانچہزار روپیہ کے وظائف کا انتظام ہو گیا۔ ۱۶ کے جلسہ میں ۱۴ رزولیوشن پاس ہوئے جس میں سے پہلے دو رزولیوشن بعض سندھی بزرگان قوم اور ہز مجسٹی امیر حبیب اللہ خاں صاحب مرحوم مغفور کی وفات پر اظہار تاسف سے متعلق تھے اور تیسرے رزولیوشن میں شیخ عبدالعزیز صاحب اور مولوی تاج محمد صاحب اور انجمن اسلام سکھر کے دیگر اراکین کی مساعی جمیلہ کا شکریہ تھا۔ سندھ مدرسۃ الاسلام کراچی کے سکرٹری اور پرنسپل کے اختیارات و فرائض کو جداگانہ طور سے قرار دینے، مدرسہ مذکور کے عہدہ وائس پرنسپلی پر کسی مسلمان کا تقرر کرنے کی بابتہ دو جداگانہ رزولیوشن بالاتفاق منظور ہوئے۔ اس کے بعد مجوزہ اینگلو عربک ہائی اسکول کا قیام قوم حر کی تعلیم کے لئے کافی انتظام ہونے، تعلیم نسواں، زبان کی تعلیم صوبہ سندھ کے لئے مسلمان ایجوکیشنل انسپکٹر کے تقرر اور جبریہ و مفت ابتدائی تعلیم

ادواج دینے کی تجاویز پاس ہوئیں۔ آخری رزولیوشن مسٹر ولی محمد حسن علی صاحب بی۔ اے
ایل ایل بی ریٹائرڈ ڈپٹی مجسٹریٹ وسکرٹری محمڈن ایسوسی ایشن کی تحریک اور مسٹر عبدالغنی بی اے
(علیگ) پرنسپل لاڑکانہ مدرسہ کی تائید اور جملہ حاضرین کی اتفاق رائے سے پاس ہوا کہ آل انڈیا
محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کا آیندہ جلسہ صوبہ سندھ میں منعقد ہوا اور اس غرض کے لئے ایک
ریسپشن کمیٹی بھی بہ صدارت جناب سردار محمد ابراہیم صاحب وزیر خیرپور قایم ہوئی مسٹر ولی محمد حسن علی
صاحب و مسٹر عبدالرحمن صاحب بیرسٹرایٹ لا جنرل سکرٹری قرار پائے مسٹر تاج محمد ایڈیٹر الحق
اور حکیم فتح محمد صاحب عباسی اسسٹنٹ سکرٹری و سیٹھ حاجی عبداللہ ہارون صاحب بہ طور
خزانچی منتخب ہوئے۔

دوسرا جلسہ ۷ ارکو زیر صدارت مسٹر عبدالرحمن صاحب بیرسٹر ایٹ لا کراچی منعقد
ہوا۔ موصوف نے ایک برجستہ تقریر کے ذریعہ سے جو سندھی زبان میں تھی صوبہ سندھ میں ایک
اسلامیہ کالج کی ضرورت کو ثابت کیا۔ آپ نے تقریباً ایک گھنٹہ تک تقریر کی۔ اس کے بعد
مندرجہ ذیل رزولیوشن جملہ حاضرین جلسہ کی اتفاق رائے سے پاس ہوئے۔

رزولیوشن نمبر ۱ صاحب صدر جلسہ نے پیش کیا کہ ایک شعبہ انجینیری کلاس کا وکٹوریہ
جوبلی ٹیکنیکل اسکول سکھر میں قایم کیا جاوے اور لوکل گورنمنٹ سے
درخواست کی جاوے کہ وہ تعلقہ سے دو وظائف کے واسطے انتظام کرے۔

رزولیوشن نمبر ۲ بھی منجانب صاحب صدر جلسہ پیش ہوا کہ اسلامیہ و ملا اسکول میں اقلیج بیگ
صاحب کی تصنیف کردہ کتب کورس میں داخل کی جائیں۔

رزولیوشن نمبر ۳ بھی منجانب صاحب صدر پیش ہوا کہ آیندہ سے صوبہ سندھ میں ڈپٹی
و اسسٹنٹ ڈپٹی انسپکٹر مدارس کے عہدوں میں سے کم از کم نصف
عہدوں پر مسلمانوں کا تقرر کیا جائے۔

رزولیوشن نمبر ۴ گورنمنٹ سے درخواست کی جاسے کہ وہ پرائمری مدارس میں علاوہ اوقات مدارس کے کلام پاک کی تعلیم دیے جانے اور اسلامیہ مدرسوں میں دینی تعلیم دیے جانے کا انتظام کرے۔

رزولیوشن نمبر ۵ اسکول اور کالج میں ایک مناسب تعداد فیس معاف شدہ طلبہ کی مسلمان طلبہ کے واسطے محفوظ رکھی جاسے۔

رزولیوشن نمبر ۶ سندہ مدرستہ الاسلام کو ترقی دے کر کالج کے درجہ تک پہونچایا جائے۔

رزولیوشن نمبر ۷ صوبہ سندہ میں مسلمانوں کی قوم کے فرقہ مارواڑی میں اشاعت تعلیم کے اصول و ذرایع پر غور کرنے اور عملی تدابیر اختیار کرنے کی غرض سے ایک کمیٹی دس اشخاص کی قایم کی جائے۔

رزولیوشن نمبر ۸ علاوہ سندہ مدرسہ کراچی کے تمام دیگر مدارس صوبہ سندہ کی ہائی اسکولس بنائے جائیں۔

رزولیوشن نمبر ۹ گورنمنٹ سے درخواست کی جائے کہ کورس تعلیم لوکل بورڈ اسکولوں میں رائج ہے ملا اسکول میں بھی رائج کیا جائے اور آیندہ سے ملا اسکول کا نام "مسلم پرائمری اسکول" رکھا جائے۔

رزولیوشن نمبر ۱۰ گورنمنٹ بمبئی سے درخواست کی جائے کہ وہ سیس بل کو اس شرط پر منظور کرے کہ سیس بل کے ذریعہ سے جو رقم وصول ہو وہ مسلمانوں کی خواہشات کے مطابق صرف میں لائی جاوے۔

رزولیوشن نمبر ۱۱ ہر ایسے مقام پر جہاں کہ لوکل بورڈ اسکول قایم ہیں نائٹ اسکول جاری کئے جائیں اور لوکل بورڈ اسکول کے ہیڈ ماسٹر نائٹ اسکول کے سپرنٹنڈنٹ مقرر کئے جائیں۔

رزولیوشن نمبر ۱۱	گورنمنٹ سے درخواست کی جاوے کہ وہ کالج کے طلبہ کے واسطے سندھ محمدن گورنمنٹ اسکالرشپ کے قواعد میں حسب ذیل

ترمیمات منظور کرے۔

(۱) یہ اسکالرشپ محمدن کالج علی گڈھ میں بھی دیے جائیں

(۲) طلبہ کو ۳ ماہ کا وظیفہ پیشگی دیا جایا کرے۔

(۳) بمبئی و پونہ میں قانون، ڈاکٹری، اور انجنیری کی تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ کو بجائے

تیس روپیہ ماہانہ کے پچاس روپیہ ماہانہ وظیفہ دیا جاوے۔

رزولیوشن نمبر ۱۳	تیرہ اشخاص کی ایک ایسی کمیٹی قایم کی جاوے جو سندھ پراونشل محمدن ایجوکیشنل کانفرنس کے آیندہ اجلاس کے انعقاد کے متعلق انتظامات

کرے اور مسودہ نظام کانفرنس آیندہ اجلاس میں منظور کئے جانے کی غرض سے مرتب کرے۔

چودھری عبدالغنی صاحب بی اے۔ جنرل سکرٹری اور حبیب اللہ صاحب و تاج محمد صاحب اڈیٹر الحق اس کمیٹی کے جائنٹ سکرٹری مقرر ہوں۔

رزولیوشن نمبر ۱۴	سندھ مدرسہ بورڈنگ ہاؤس آبادی سے باہر کسی مقام پر منتقل کیا جائے اور ایک ہائی سکول بھی وہاں تعمیر کیا جائے۔

تیسرا جلسہ انجمن علمائے سندھ کے قایم کرنے کے لئے زیر صدارت جناب سید حاجی میاں امام الدین صاحب ملا شریف منعقد ہوا۔ محترم صدر نے عالمانہ خطبہ صدارت پڑھا جس میں مسلمانان سندھ کی گزشتہ علمی تاریخ کو مورخانہ حیثیت سے ظاہر کیا۔ سکھر کی گزشتہ عظمت اور سندھی علماء کی علمی فیوض و برکات کا تفصیل سے بیان تھا۔ اس کے علاوہ آپ نے مسلمانوں کی اخلاقی اور مذہبی تعلیم کے بارہ میں مفید تجاویز بیان فرمائی تھیں۔ خطبہ صدارت کے مختلف مسائل پر بعض علماء نے تقریریں کیں۔ اور انجمن علمائے سندھ کے قایم کرنے کے لئے تجویز منظور ہوئی۔ اس کے

بعد کانفرنس کی کارروائی ختم ہوئی۔

ہم نے سندھ میں اشاعت تعلیم کی ضرورت پر کئی مرتبہ بزرگان سندھ کو توجہ دلائی ہے مسلمانوں کی کثرت آبادی اور زمینداری کی حیثیت جو بفضلہ تعالیٰ اس صوبہ میں ہے اس سے بھی برادران سندھ کو آگاہ کرنے کی کوشش کی ہے اور باوجود مسلمانوں کی کثرت آبادی اور زمیندار ہونے کے علاوہ ان کے اثر اور قوت میں روز بروز جو کمی پیدا ہوتی چلی جاتی ہے۔ اس سے بھی ان کو خبردار کر کے اپنے توازن قوت کو قایم رکھنے کے لئے جو رائے ہم نے پیش کی ہے وہ یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو مسلمانان سندھ کو تعلیم سے آراستہ کرنے کی جلد سے جلد کوشش کی جاوے۔ سندھ میں مسلمانوں کا ایک عمدہ کالج ہونے کے ساتھ ضرورت اس امر کی ہے کہ اس میں کم از کم تین ہائی اسکول سکھر شکارپور اور حیدرآباد میں مسلمانوں کے ہوں۔ ہر اسکول میں کافی تعداد کے طلبہ کے واسطے دارالاقامہ ہو دنیوی تعلیم کے ساتھ مذہبی تربیت کا انتظام بھی کیا جاوے۔ امید ہے کہ اس مفید مقصد کے متعلق پراونشیل کانفرنس کی صورت میں جس کوشش کا آغاز ہوا ہے اس کے ذریعہ سے سندھ میں مسلمانوں کی کافی تعلیم اور تربیت کا بہترین سامان پیدا ہو جاوے گا۔ اور برادران سندھ اپنی کوشش کا ایسا بہترین نمونہ ملک اور قوم کے سامنے پیش کریں گے جو ان کے جوش اور حب قومی کی ایک ایسی مثال ہوگی جس کی تقلید دوسرے صوبہ کے مسلمان بھی کریں گے۔

علمی و تعلیمی خبریں

حاجی عبدالغنی صاحب رئیس و آنریری مجسٹریٹ دہلی کے کان پور تشریف لے جانے پر ان کی خدمت میں انجمن اسلامیہ کان پور کا ایک وفد حاضر ہوا۔ حاجی صاحب نے اسلامی اسکول کان پور کے لئے دس ہزار روپیہ کے عطیہ کا وعدہ فرمایا جس میں سے پانچ ہزار روپیہ اسی وقت ادا کر دیا۔ ہم حاجی صاحب موصوف کی اس فیاضانہ امداد پر جو موصوف نے اپنی قوم کی تعلیم میں کی ہے خاص طور سے قدر کرتے ہیں۔ خدا دوسرے متمول اصحاب کو اس نیک مثال کی تقلید کی توفیق عطا فرمائے۔

ہمیں اطلاع ملی ہے کہ پراونشل محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس صوبہ بہار کا سالانہ جلسہ ایسٹر کی تعطیلات میں زیر صدارت عالی جناب ڈاکٹر ضیاءالدین احمد صاحب سی۔ آئی۔ ای بمقام گیا منعقد ہونا قرار پایا ہے۔ کانفرنس مذکور کا یہ پہلا اجلاس ہے۔ ہمیں امید ہے کہ بزرگان گیا کی توجہ اور اعانت سے کانفرنس اپنے مقاصد میں کامیاب ہوگی۔ صوبہ بہار کو خدا کے فضل سے چند ایسے برگزیدہ افراد قوم کے وطن ہونے کا فخر حاصل ہے جو قومی اور ملکی بہبودی کے کاموں میں رہنمائی اور قافلہ سالاری کا ممتاز درجہ رکھتے ہیں ہمیں توقع کرنا چاہئے کہ ان بزرگوں کی دستگیری اور امداد سے مسلمانان بہار کی تعلیمی ضروریات پوری ہونگی اور جناب ڈاکٹر ضیاءالدین احمد صاحب جیسی مسلمہ قابلیت کے بزرگ اور ماہر فن تعلیم کی صدارت کانفرنس کی کارروائیوں کے لئے انشاءاللہ نتیجہ خیز ثابت ہوگی۔

گزشتہ پانچ سال کے اندر صوبہ مدراس میں مستورات کی اعلیٰ تعلیم کے دو اوّل درجہ کے کالج قایم ہوئے اور حال ہی میں کوئنس میری کالج کی عمارت میں مزید توسیع کی گئی ہے۔

تعلیم نسواں کی ترقی کے لحاظ سے صوبہ مدراس اوّل درجہ پر ہے۔

صوبجات ممالک متحدہ کے مسلمان ہز آنر سر ہارکورٹ بٹلر بالقابہ کے شکرگزار ہیں کہ ہز آنر موصوف نے امسال کے بجٹ میں حسب ذیل رقوم اسلامی مدارس کی امداد کے لئے منظور فرمائی ہیں۔

اسی ہزار روپیہ مسلمانوں کی سکنڈری اسکولوں کی امداد کے واسطے دیا جانا تجویز کیا ہے۔ اس میں سے ۲۵ ہزار اسلامیہ ہائی اسکول اٹاوہ کو پندرہ پندرہ ہزار مسلم ہیوٹ اسکول مرادآباد و فیض عام ہائی اسکول میرٹھ اور مسلم گرلس اسکول لکھنؤ کو دیا جاوے گا۔ باقی دس ہزار اسلامیہ اسکولوں کی امانت میں صرف ہوگا۔

یہ خبر حیرت اور استعجاب کے ساتھ سُنی جاوے گی کہ کلکتہ یونیورسٹی نے دو ایسے مسلمان نوجوانوں سے میٹرکولیشن کی سند ضبط کی ہے جن کو ۱۹۱۶ء میں پاس کر دیا تھا!!

مولانا شبلی مرحوم کی مشہور تالیف سیرۃ نبوی کے ہندوستان کی مختلف زبانوں میں ترجمہ ہونے کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ مسٹر مشیر حسین قدوائی ولایت میں اس کے انگریزی ترجمہ کی تیاریاں کر رہے ہیں اور بڑودہ کی ایک تعلیم یافتہ مسلمان خاتون نے مرہٹی زبان میں اس کے ترجمہ کی ہمت کی ہے۔

رحیلہ خاتون ساکنہ ستارہ (احاطہ بمبئی) نے ورنیکولر پبلک سروس کا امتحان پرائیویٹ طور پر مرہٹی، اُردو، ریاضی، تاریخ اور جغرافیہ لے کر پاس کیا ہے۔

اجلاسِ پنجم

۲۹ دسمبر ۱۹۱۸ء وقت ۱۰ بجے دن

تلاوت کلام پاک سے اجلاس کی کارروائی شروع ہوئی اور سب سے پہلے جناب نیاز محمد خاں صاحب نیاز فتحپوری نے ایک نظم پڑھی جو خاص کانفرنس کے جلسے کے لئے لکھی گئی تھی۔ حضرت نیاز اس زمانہ کے مشہور شاعر ہیں اور ان کی نظم کو حاضرین نے عام طور پر پسند کیا کسی دوسرے موقعہ پر نظم ہدیہ ناظرین کی جائے گی۔

اس کے بعد مولوی عبدالباری صاحب ندوی پروفیسر عربی و فارسی دکن کالج پونہ نے "مذہب و عقلیات" کے عنوان سے ایک محققانہ تقریر فرمائی جو بلحاظ اس کے کہ دقیق مسائل فلسفہ و حکمیہ کو نہایت عام فہم پیرایہ میں بیان کیا گیا تھا۔ حاضرین کے لئے دلچسپی کا باعث ہوئی اور ارباب ذوق نے نہایت توجہ اور دلچسپی کے ساتھ سنا۔ اگرچہ ضیق وقت کی وجہ سے تقریر نا تمام رہی لیکن فاضل مقرر نے ارباب ذوق کے اصرار سے تقریر کو قلم بند فرما کر عنایت کیا ہے جس کو ہم ناظرین کی دلچسپی اور فائدہ کے خیال سے رپورٹ کے ساتھ چھاپتے ہیں۔ جناب مسٹر دہلوی بیرسٹر ایٹ لا و دیوان ریاست پالن پور نے حاضرین جلسہ کی جانب سے فاضل لکچرار کا شکریہ دلچسپ تقریر میں ادا کیا۔ آنریبل سر ابراہیم رحمت اللہ صاحب نے فاضل مقرر سے خواہش کی کہ وہ انگریزی زبان میں بھی اس کا ترجمہ کرکے بصورت پمفلٹ شائع کریں۔ اُمید ہے کہ انگریزی اور اردو زبان میں یہ مضمون جداگانہ رسالہ کی صورت میں جلد شائع ہوگا۔

اس کے بعد مندرجہ ذیل رزولیوشن یکے بعد دیگرے پیش ہو کر پاس ہوئے۔

رزولیوشن نمبر ۱۶

یہ کانفرنس گورنمنٹ بمبئی سے درخواست کرتی ہے کہ مقامی مسلمانوں کی درخواست پر سرکاری

مدارس کی عمارت میں علاوہ اوقات تعلیم کے ایک گھنٹہ مذہبی تعلیم دیئے جانے کی اجازت عطا فرمائے جیسا کہ آگرہ و اودھ و پنجاب کی گورنمنٹوں نے اس کانفرنس کی استدعا پر اجازت دی ہے۔

محرک - مولوی غلام محمد صاحب شملوی

موید - مولوی غلام بھیک صاحب نیرنگ بی اے ایل ایل بی۔

رزولیوشن نمبر ۱۷

چونکہ مسلمانان صوبجات بمبئی و بنگال میسور کے لئے متعدد زبانوں کا سیکھنا ان کی تعلیمی ترقی کے لئے بہت کچھ سد راہ ہے۔ اس لئے یہ کانفرنس اس دقت کو رفع کرنے کی غرض سے بمبئی، کلکتہ اور میسور کی یونیورسٹیوں نیز ان صوبجات کے سررشتہ ہائے تعلیم سے اصرار کے ساتھ درخواست کرتی ہے کہ وہ ان مسلمان طلبہ کے لئے جن کی مادری زبان اردو نہ ہو یونیورسٹی اور محکمہ تعلیم کے تمام امتحانات میں زبان اردو کو بطور سکنڈ لنگویج اختیار کرنے کی سہولت بہم پہنچائیں۔ اس قسم کی سہولتیں مدراس یونیورسٹی نے مسلمان طلبہ کے لئے بہم پہنچائی ہیں اور اس کانفرنس کو امید ہے کہ بمبئی اور کلکتہ اور میسور کی یونیورسٹیاں بھی اس قسم کی سہولتیں بہم پہنچائیں گی جن کے متعلق یہ کانفرنس نیز ان صوبجات کی پراونشل کانفرنسیں متعدد بار مذکورۂ بالا یونیورسٹیوں کو متوجہ کرا چکی ہیں۔

محرک - مسٹر عبدالحافظ صاحب باعلقہ

موید - ابراہیم لاکھانی۔ بی۔ اے

رزولیوشن نمبر ۱۸

یہ کانفرنس نہایت زور کے ساتھ کلکتہ یونیورسٹی کی اس کارروائی کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتی ہے کہ مختلف امتحانوں کی فارسی کتب درسیہ میں عربی علم ادب صرف نحو کو شامل کیا گیا ہے۔ اس کانفرنس کی رائے میں زبان فارسی کی ایسی کتب درسیہ خالص فارسی میں باآسانی مرتب ہو سکتی

ہیں جو بلحاظ وقت زبان و معانی و مطالب عربی کتب درسیہ کے ہم پلہ ہوں۔ الہ آباد یونیورسٹی نے اپنے فارسی کورس سے عربی حصّہ کو خارج کردیا ہے کانفرنس کو توقع ہے کہ کلکتہ یونیورسٹی بھی الہ آباد یونیورسٹی کی اس معاملہ میں پیروی کریگی۔

محرک۔ شیخ عبداللہ صاحب وکیل علی گڑھ

موید۔ پروفیسر سید نواب علی صاحب۔ بڑودہ

اس کے بعد جناب مولانا محمد حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی نے رزولیوشن نمبر ۱۹ جلسہ کے سامنے پیش کیا جو حسب ذیل ہے۔

رزولیوشن نمبر ۱۹

یہ کانفرنس گورنمنٹ ہند اور گورنمنٹ بنگال کی توجہ ان وعدوں کی طرف دلاتی ہے جو تقسیم بنگال کے مسترد ہونے پر گورنمنٹ نے مسلمانان مشرقی بنگال سے ڈھاکہ یونیورسٹی قائم کرنے کے بارہ میں اس خیال سے کئے تھے کہ مسلمانوں کے تعلیمی حقوق و فوائد پر الحاق کی کارروائی سے مضر اثر نہ پڑے یہ کانفرنس تمام ہندوستان کے مسلمانوں کی قائم مقام جماعت کی حیثیت سے اس امر پر خاص کر زور دیتی ہے کہ ڈھاکہ یونیورسٹی کے قائم ہونے میں مزید تاخیر نہ صرف مسلمانان بنگال بلکہ تمام ہندوستان کے مسلمانوں میں سخت مایوسی پیدا کرنے کی باعث ہوگی۔

رزولیوشن مذکور کی تحریک پیش کرتے ہوئے مولوی صاحب ممدوح نے نہایت موثر تقریر فرمائی۔ دوران تقریر میں تقسیم بنگال اور پھر اس کے منسوخ ہونے کے حالات کی طرف اشارہ کرکے گورنمنٹ کے ان وعدوں کا ذکر کیا جو مسلمانوں کی دل جوئی کی خاطر کئے گئے اور من جملہ ان کے سب سے زیادہ اور مسلمانان مشرقی بنگال کی تعلیمی اور قومی ضروریات کے لحاظ سے نہایت فائدہ بخش وعدہ ڈھاکہ یونیورسٹی کے قائم ہونے کے متعلق تھا۔ مشرقی بنگالہ بلحاظ مسلمانوں کی آبادی کے گویا ایک اسلامی صوبہ ہے پونے دو کروڑ مسلمان وہاں آباد ہیں لیکن تعلیمی پستی کی وجہ سے ملکی معاملات میں ان کی کوئی آواز نہ

نہیں۔ کلکتہ یونیورسٹی بالکل ہندو بنگالیوں کے دست تصرف میں ہے اور مسلمان فوائد تعلیم سے محروم ہیں ان امور پر لحاظ کرکے ڈھاکہ یونیورسٹی اسکیم مرتب ہوئی۔ خاص کمیٹی مقرر ہوئی جس کی مطول اور مبسوط رپورٹ کئی سال سے طاق نسیاں پر رکھدی گئی ہے اور جو وعدے گورنمنٹ نے کئے تھے وہ سب فراموش کئے جارہے ہیں۔ ایسی حالت میں ہمارا فرض ہے کہ ہم اصرار کے ساتھ گورنمنٹ کو توجہ دلائیں کہ کم ازکم ڈھاکہ یونیورسٹی کی اسکیم کو بلا تعویق فرمد عمل میں لائے۔

مسٹر علی محمد خاں دہلوی دیوان ریاست پالن پور نے اس کی تائید میں معنی خیز تقریر فرمائی۔ تمام حاضرین جلسہ کی پرجوش تائید کے بعد رزولیوشن منظور ہوا اور قرار پایا کہ آج ہی بذریعہ ٹیلیگرام گورنمنٹ کی خدمت میں ارسال کیا جائے۔

اس کے بعد مندرجہ ذیل رزولیوشن یکے بعد دیگرے بالاتفاق منظور ہوئے۔

رزولیوشن نمبر ۲۰

اس کانفرنس کی رائے ہے کہ جن صوبجات میں ابتدائی تعلیم کا اجرا خواہ جبری طور سے خواہ غیر جبری طور سے کیا جائے۔ ضروری ہے کہ زبان تعلیم کے متعلق تمام مسئلوں کو طے کرتے وقت اہم مگر قلیل التعداد اقوام کے جیسے کہ مسلمان ہیں حقوق کی تحفظ کا کافی اہتمام رکھا جائے۔

محرک۔ مولوی سید طفیل احمد صاحب پلیڈر منگلور

موید۔ ملا محمد سعید صاحب۔ سورت

رزولیوشن نمبر ۲۱

مسلمانان برہما میں تعلیم کی توسیع کے لئے یہ کانفرنس ضروری سمجھتی ہے کہ ایک جداگانہ انسپکٹر اور ایک اسسٹنٹ انسپکٹر مقرر کیا جائے۔ نیز برہما مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کی اس خواہش کی تائید کرتی ہے کہ برہما ایجوکیشنل کوڈ کا اردو زبان میں ترجمہ کیا جائے۔

محرک - مولوی محمد حبیب الرحمن خان صاحب شروانی

موئد - ایم اے منصور صاحب (راندیر)

رزولیوشن نمبر ۲۱

یہ کانفرنس صوبجات بمبئی و بنگال و بہار و اڑلیسہ کی اس کارروائی کو بنظر استحسان دیکھتی ہے کہ ابتدائی تعلیم کو مفت اور جبری طور سے دیئے جانے کے اصول کا قانونی نفاذ منظور کیا ہے۔ اس کانفرنس کو توقع ہے کہ دیگر صوبجات کی گورنمنٹیں بھی اس کارروائی کا تتبع کرینگی۔

محرک - نواب زادہ عبد الکریم خاں صاحب ایم اے (آکسن) بیرسٹرایٹ لا - آنریبل

موئد - مسٹر عطاء اللہ شاہ صاحب بیرسٹرایٹ لا جالندھر

اس قدر کارروائی کے بعد یہ اجلاس ختم ہوا۔

اجلاس ششم

۲۹ر دسمبر ۱۹۱۸ء وقت سہ پہر

اس اجلاس کی کارروائی میں تلاوت کلام پاک کے بعد سب سے پہلے نواب میر صدر الدین صاحب رئیس بڑودہ نے اپنے تصنیف کردہ چند اشعار پڑھ کر سنائے جن کو سامعین نے پسند کیا۔ اس کے بعد مندرجہ ذیل رزولیوشن یکے بعد دیگرے پیش ہو کر بالاتفاق منظور ہوئے۔

رزولیوشن نمبر ۲۲

اس کانفرنس کی رائے میں ولایت میں تعلیم حاصل کرنے والے مسلمان طلبہ کے لئے ہر صوبہ

جس کے لئے خاص وظیفہ کا مقرر کیا جانا نہایت ضروری ہے بنا بریں لوکل گورنمنٹوں سے درخواست ہے کہ اس خاص ضرورت کی طرف توجہ فرمائے۔

محرک۔ سید عطاء اللہ شاہ صاحب بیرسٹرایٹ لا۔

موید۔ مسٹر جوشی صاحب پروفیسر بڑودہ کالج۔

رزولیوشن مذکور کی تائید کرتے ہوئے مسٹر جوشی پروفیسر بڑودہ نے بزبان انگریزی ایک فصیح و بلیغ تقریر فرمائی۔ دوران تقریر میں اس بات پر زور دیا کہ ہندوستانیوں کو زیادہ تعداد میں حصول علم کے لئے ممالک غیر میں بالخصوص امریکہ و جاپان جاکر ہر قسم کی تعلیم حاصل کرنا چاہیے۔ اس کے لئے وظائف کا سلسلہ ہر قوم کے ہونہار نوجوانوں کی امداد کے لئے قائم ہونا ضروری ہے۔

رزولیوشن نمبر ۲۴

یہ کانفرنس گورنمنٹ صوبہ بمبئی کی خدمت میں نہایت زور کے ساتھ درخواست کرتی ہے کہ حاجی یوسف سبحانی نے جو عطیہ آٹھ لاکھ روپیہ کا مسلمانوں کی تعلیم کے لئے گورنمنٹ کے سپرد کیا ہے اس سے جلد سے جلد ایک اسلامیہ کالج خاص شہر بمبئی میں قائم کیا جائے اور اس میں مزید توقف نہ کیا جائے۔

محرک۔ قاضی کبیرالدین صاحب بیرسٹرایٹ لا۔ بمبئی

موئدین۔ آنریبل خان بہادر ابراہیم ہارون جعفر صاحب مسٹر غلام محمد منشی صاحب بیرسٹرایٹ لا مسٹر اسمٰعیل گورا۔ منشی مصطفےٰ ساجد علی صاحب

رزولیوشن نمبر ۲۴

یہ کانفرنس گورنمنٹ بمبئی سے متمنی ہے کہ جیسا دیگر زبانوں کے زندہ رکھنے کے لئے گورنمنٹ وظائف مقرر فرمارکھے ہیں۔ اسی اصول پر زبان عربی کی اعلیٰ تعلیم کے لئے کم سے کم [illegible] روپیہ ماہوار کا ایک وظیفہ عربی داں میٹرک پاس شدہ کو بی اے کی تعلیم تک عطا ہوا کرے

محرک - آنریبل خان بہادر ابراہیم ہارون جعفر صاحب -

موئدین - جناب صالح بھائی طیب جی و مولوی غلام محمد صاحب شملوی

اس رزولیوشن کے پاس ہونے پر جناب صالح بھائی طیب جی رئیس بمبئی نے مبلغ چار ہزار روپیہ کی رقم کانفرنس کو اس غرض سے دینے کا اظہار فرمایا کہ اس رقم سے علی گڑھ میں مکان تعمیر کیا جائے جس کی آمدنی سے شہر بمبئی یا صوبہ بمبئی کے ایسے طالب علم کو وظیفہ دیا جائے جو علی گڑھ کالج میں تعلیم حاصل کرے اور جس نے عربی زبان بطور اختیاری مضمون کے کورس میں لی ہو۔

رزولیوشن نمبر ۲۵

یہ کانفرنس اغراض و مقاصد ندوۃ العلما کے ساتھ اپنی گہری ہمدردی ظاہر کرتی ہے اور دارالعلوم ندوۃ العلما کو ہندوستان کے مسلمانوں کے لئے مفید و ضروری تصور کرتی ہے اور بلحاظ اس کے کہ آئندہ تعطیل ایسٹر میں ندوۃ العلما کا اجلاس احاطۂ بمبئی میں بمقام بلگام ہونے والا ہے۔ اہل اسلام احاطۂ بمبئی سے خصوصاً اپیل کرتی ہے کہ دارالعلوم ندوۃ العلما کی تکمیل و ترقی کے لئے اپنی شرکت و اعانت سے اس کی معقول امداد کریں۔

محرک - میر غلام بھیک صاحب نیرنگ

موئد - قاضی کبیر الدین صاحب بیرسٹر ایٹ لا

رزولیوشن نمبر ۲۶

بہ خیال ان مشکلات کے جو مفصلات کے مسلمان طلبہ کو بمبئی جیسے شہر میں قیام گاہ کے متعلق پیش آتی ہیں یہ کانفرنس ارکین انجمن اسلام بمبئی سے درخواست کرتی ہے کہ وہ اس ضرورت کی طرف توجہ فرمائیں اور قیام گاہ کے انتظامات کو وسعت دیں۔

محرک - نواب زادہ میر حفیظ الدین احمد صاحب   موئد - مسٹر شیخ علی باحکلا صاحب -

رزولیوشن نمبر ۲۷

یہ کانفرنس بمبئی یونیورسٹی سے درخواست کرتی ہے کہ ششماہی امتحانات کا طریقہ رائج کرے اور یونیورسٹی ڈگری کے لئے امتحانات میں سسٹم آف کمپارٹمنٹ جاری کرے۔

محرک۔ آنریبل خان بہادر ہارون جعفر صاحب

موئد۔ نوابزادہ میر حفیظ الدین صاحب۔

رزولیوشن ۲۸

یہ کانفرنس گورنمنٹ بمبئی سے استدعا کرتی ہے کہ کم از کم ایک گورنمنٹ ہائی سکول اور ایک گورنمنٹ کالج میں عربی زبان کی تحصیل کے متعلق اہتمام فرمائے۔

محرک۔ نوابزادہ میر حفیظ الدین صاحب

موئد۔ آنریبل خان بہادر ابراہیم ہارون جعفر صاحب

رزولیوشن نمبر ۲۹

اس کانفرنس کی رائے میں تمام سرکاری اور امدادی ہائی اسکولوں میں ایک ہی قسم کی کتب درسیہ رائج ہونا ضروری ہیں اور اگر کسی تبدیلی کی ضرورت محسوس ہو تو تعلیم کے اغراض کو مدنظر رکھ کر مناسب وقفہ کے بعد ایسی تبدیلی ہونا چاہئے اور نیز ہیڈ ماسٹروں کو یہ اختیار نہ ہو کہ وہ ہر سال کتب درسیہ اپنی رائے سے تبدیل کرسکیں۔

محرک۔ مسٹر علی محمد خان صاحب دہلوی

موئد۔ پیر موٹا میاں صاحب

رزولیوشن نمبر ۳۱

اس کانفرنس کی رائے میں یتیم خانہ سورت کی طرف مسلمانوں کی توجہ ضروری ہے اور کانفرنس امید کرتی ہے کہ اس یتیم خانہ میں مذہبی و دنیوی تعلیم کا جلد سے جلد انتظام کیا جائے۔

محرک - مسٹر سلیمان ابو صاحب　　　　موئد - حکیم احمد سعید صاحب

اس رزولیوشن کے منظور ہونے پر مسٹر سلیمان ابو صاحب نے یتیم خانہ سورت کو مبلغ پانصد روپیہ عطا کرنے کا اعلان کیا۔ اس قدر کارروائی کے بعد صاحب آنریری جائنٹ سکرٹری کانفرنس مسودہ قوانین آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس بغرض منظوری پیش کیا اور بیان کیا کہ کانفرنس کی کارروائی کے متعلق جو قوانین اور دستور العمل اس کے محترم بانی نے اب سے بتیس برس پہلے وضع کئے تھے وہ جزوی ترمیمات کے ماسوائے اس وقت تک نافذ چلے آتے ہیں۔ اس طویل مدت میں قوم کے حالات اور ضروریات میں جو انقلاب ہوا اور کانفرنس کے نظام عمل میں جو تبدیلیاں واقع ہوئی ہیں ان کے لحاظ سے ضرورت تھی کہ قوانین میں موجودہ حالات اور گزشتہ تجربہ کی بنا پر مناسب ترمیم کی جائے۔ چنانچہ سنہ ۱۹۱۶ء میں کانفرنس کی کارکن جماعت یعنی آل انڈیا کانفرنس کمیٹی نے اپنے جلسوں میں قانون پر نظر ثانی کر کے ایک مسودہ مرتب کیا ہے جو اس اجلاس کی منظوری کے لئے پیش ہے۔

صاحب صدر نے ضیق وقت کی وجہ سے تجویز کیا کہ قانون کی منظوری ایک کمیٹی کے سپرد کی جائے۔ چنانچہ حسب ذیل رزولیوشن باتفاق رائے حاضرین پاس ہوا:-

رزولیوشن نمبر ۳۲

مسودہ قانون آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس مندرجہ ذیل اصحاب کی کمیٹی میں واسطے غور اور بحث کے پیش ہو اور کمیٹی مذکور کو یہ اختیار دیا جاتا ہے کہ وہ دفعات قانون پر غور کر کے آخری منظوری صادر کرے۔ نیز جو قوانین اس طرح منظور ہوں اُن کی نقول آیندہ سالانہ اجلاس کانفرنس کے منعقد ہونے سے کم از کم تین ماہ پیشتر تمام ممبران کانفرنس کے پاس بغرض اطلاع بھیجی جاویں۔ ممبران کمیٹی مذکور کو یہ اختیار ہوگا کہ در صورت عدم شرکت جلسہ کمیٹی اپنی رائے بذریعہ تحریر کے ارسال کریں۔

اسمائے ممبران کمیٹی

صوبہ بمبئی - آنریبل سر ابراہیم رحمت اللہ صاحب سی آئی ای - آنریبل خان بہادر ابراہیم

ہارون جعفر صاحب رئیس پونہ۔ نوابزادہ میر حفیظ الدین محمد خاں صاحب رئیس سورت۔
مسٹر علی محمد خاں صاحب دہلوی ریاست پالن پور۔ قاضی کبیر الدین صاحب بیرسٹرایٹ لا۔ منشی
غلام محمد منشی صاحب بیرسٹرایٹ لا۔ راجکوٹ۔ مسٹر ولی محمد حسن علی صاحب سکرٹری محمڈن
ایسوسی ایشن سندھ۔

صوبہ بنگال۔ آنریبل نواب سید نواب علی صاحب چودہری سی آئی ای۔ مسٹر واحد حسین صاحب بی۔ اے
بی ایل وکیل ہائی کورٹ کلکتہ۔ مسٹر غلام حسین قاسم عارف صاحب۔ ڈاکٹر المامون
سہروردی صاحب۔ نواب نصیر حسین خاں صاحب خیال۔

صوبہ بہار۔ مسٹر حسن امام صاحب بیرسٹرایٹ لا۔ سید سلطان احمد صاحب ایڈوکیٹ جنرل
بانکے پور۔

صوبہ ممالک متحدہ۔ آنریبل خان بہادر نواب محمد مزمل اللہ خاں صاحب رئیس بھیکن پور۔ شیخ محمد عبداللہ صاحب
بی اے ایل ایل بی وکیل علی گڑہ۔ مولوی سید طفیل احمد صاحب ٹرسٹی علی گڑہ کالج۔ خان بہادر
مولوی بشیر الدین صاحب ایڈیٹر البشیر اٹاوہ۔ مسٹر آر۔ بی قادری صاحب بیرسٹرایٹ لا
علی گڑہ۔ مولوی محمد یعقوب صاحب وکیل مرادآباد۔ ڈاکٹر ضیاء الدین احمد صاحب سی۔ آئی ای
پروفیسر مدرستہ العلوم علی گڑہ۔ آنریری جائنٹ سکرٹری کانفرنس بحیثیت عہدہ۔

دہلی۔ حاذق الملک حکیم حافظ محمد اجمل خاں صاحب رئیس۔ ڈاکٹر مختار احمد صاحب انصاری
خان بہادر مولوی عبدالاحد صاحب۔

پنجاب۔ آنریبل خان بہادر میاں محمد شفیع صاحب سی آئی، ای بیرسٹرایٹ لا۔ لاہور۔ آنریبل میاں
فضل حسین صاحب بیرسٹرایٹ لا۔ لاہور۔ شیخ عبدالقادر صاحب بیرسٹرایٹ لا۔ لائل پور۔
مولوی غلام بھیک صاحب نیرنگ بی اے ایل ایل بی وکیل انبالہ۔

ممالک متوسط خان بہادر ایچ ایم ملک صاحب ناگپور۔ خان بہادر مولوی نظام الدین صاحب ایم۔ اے
انسپکٹر سررشتہ تعلیم جبل پور۔

حیدر آباد دکن۔ مسٹر محمد اکبر نذر علی حیدری صاحب جوائنٹ سکرٹری۔ مسٹر سید راس مسعود صاحب ڈائرکٹر سررشتۂ تعلیم۔ مولوی عبدالحق صاحب بی اے انسپکٹر سررشتۂ تعلیم اورنگ آباد۔

سنٹرل انڈیا۔ نوابزادہ محمد حمید اللہ خاں صاحب بہادر بی اے (علیگ) بھوپال۔ مفتی انوارالحق صاحب ایم اے۔ ڈائرکٹر سررشتۂ تعلیم۔ بھوپال

صوبہ مدراس۔ مولوی عبدالحمید حسن صاحب بی اے ایل ایل بی وکیل مدراس۔ آنریبل میر اسد علی صاحب۔

صوبہ سرحدی۔ صاحبزادہ نواب عبدالقیوم صاحب سی، آئی، ای پشاور۔

صوبہ برہما۔ مسٹر عبدالشکور جمال صاحب سی، آئی، ای سکرٹری صاحب پراونشل محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس برہما۔

اس کے بعد جناب آنریری جائنٹ سکرٹری کانفرنس نے یہ اعلان کیا کہ علیا حضرت بیگم صاحبہ والیہ بھوپال نے ازراہ حمیت اسلامی ہر سال اسلامیہ اسکولوں کے طلبہ کو "ذکر مبارک" کی جلدیں بطور انعام دینے کے لئے کانفرنس کو تین سو روپیہ بغرض اخراجات طبع کتاب مذکور عطا فرمانے کا وعدہ کیا ہے۔ یہ کتاب حضور سرور کائنات کے ذکر مبارک میں بیگم صاحبہ نوابزادہ میجر [illegible] اللہ خاں صاحب بی اے کی تصنیف ہے۔ حاضرین اجلاس نے علیا حضرت بیگم صاحبہ کی اس فیاضی پر اظہار مسرت کیا۔ اس اعلان کے بعد نام بنام آن اصحاب کی محنتوں اور کوششوں کا شکریہ ادا کیا جن کی سعی و کوشش سے اجلاس کانفرنس بخیر و خوبی منعقد ہوا جن کا تفصیلی ذکر دیباچہ میں کیا گیا ہے۔

آنریری جائنٹ سکرٹری صاحب کی تقریر کے بعد نوابزادہ نصر اللہ خاں صاحب بیرسٹر ایٹ لا نے بحیثیت جنرل سکرٹری بمبئی پریسیڈنسی ایجوکیشنل کانفرنس و النیٹر اور دیگر کارکنوں کا شکریہ ادا کیا۔ اور بطور یادگار کے نہایت خوبصورت بیج جن پر سونے کا ملمع کیا گیا تھا صاحب صدر کے دست مبارک سے تقسیم کرائے ان میں سے دو بیج صدر دفتر کانفرنس کے عہدہ داروں کو بھی ممدوح نے

از راہ عنایت عطا کیے۔

سب سے آخر میں صاحب صدر نے ایک نہایت پُر مغز تقریر فرمائی جس میں کانفرنس کے اجلاسوں کی کارروائیوں پر تفصیلی ریویو کیا گیا تھا اور یہ خواہش کی گئی تھی کہ جن تجاویز کو جلسہ میں منظور کیا گیا ہے وہ محض کاغذ ہی کی زیب و زینت کا باعث نہیں رہیں گی بلکہ جو کچھ قوم کے کرنے کا کام ہے اس پر سرگرمی کے ساتھ عمل کیا جائے گا۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اگرچہ بحیثیت قائم مقام گورنمنٹ بمبئی اُن تجاویز کے متعلق میں کوئی وعدہ نہیں کرتا۔ جو مسلمانان صوبہ بمبئی کے تعلیمی ضروریات کے متعلق منظور ہوئی ہیں اور جن کا تعلق گورنمنٹ مذکور سے ہے لیکن اسی کے ساتھ یقین ہے کہ گورنمنٹ مذکور ان تجاویز پر ضرور ہمدردانہ توجہ مبذول کرے گی۔

اس کے بعد اجلاس کی کارروائی ختم ہوئی۔

کارروائی اجلاس شعبۂ تعلیم نسواں

۲۹ دسمبر ۱۹۱۸ء وقت شب

صدر

عالی جناب صفی الدولہ حسام الملک نواب سید محمد علی حسن خاں صاحب بہادر

جناب شیخ عبداللہ صاحب بی اے۔ ایل ایل بی وکیل علی گڑھ و آنریری سکرٹری شعبۂ تعلیم نسواں کی تحریک اور مسٹر محمد احمد منصور صاحب (راندیر) کی تائید و جملہ حاضرین کے اتفاق رائے سے جناب نواب سید محمد علی حسن خاں صاحب رئیس لکھنؤ جلسے کے صدر نشیں منتخب ہوئے اور آپ نے کرسی صدارت پر رونق افروز ہو کر حاضرین جلسہ کا شکریہ ادا کیا اور حسب ذیل خطبہ صدارت پڑھ کر سنایا:۔

خطبہ صدارت

حضرات بزرگان قوم و برادران ملت!

آج ایسے عظیم الشان جلسہ میں جہاں ہندوستان کے برگزیدہ مشاہیر اور اکابر ملک و ملت مجتمع ہیں، مجھ جیسے گمنام علم سے تہی دست اور پبلک لائف سے کنارہ کش آدمی کو صدارت کی عزت بخشنا خواہ میرے لئے کتنا ہی باعث افتخار ہو مگر مجھ کو اپنے حال پر اس وقت یہ شعر بالکل صادق نظر آتا ہے ؎

اے تہی دست رفتہ در بازار　　ترسمت پر نیاوری دستار

اس لئے آپ تمام حضرات سے التماس ہے کہ اگر فرائض صدارت کے انجام دینے میں مجھ سے کوئی کوتاہی یا لغزش واقع ہو اور آپ کی معلومات میں کوئی مفید اور کارآمد اضافہ نہ کرسکوں تو معذور سمجھے جانے کا مستحق ہوں۔

اس وقت آپ کو پلاؤ بریانی متنجن یا پرتکلف شاندار ڈنر کے بدلے روکھی سوکھی دال روٹی ہی پر قناعت کرنی پڑے گی۔

حضرات! ہمارے لئے یہ ایک غایت مسرت کی بات ہے اور ایک طرح کی مبارک فال ہے کہ آج ہم سب دور دراز ملک سے ایک ایسے اہم تاریخی مقام یعنی شہر سورت میں جمع ہوئے ہیں جو گجرات کے ممتاز ترین شہروں میں ہے اور مدتوں باب المکہ کے متبرک لقب سے مشہور رہا ہے، یہ ایک عجیب جامع اوصاف شہر ہے جس طرح زمانہ گزشتہ میں یہ علم و فضل و خطاطی و فنون ادب کا مرکز رہا ہے اسی طرح اس کو انواع و اقسام کی صنعتوں کا معدن اور تجارت کی عظیم الشان منڈی ہونے کا فخر حاصل رہا ہے۔ گو انقلاب روزگار نے اس کے تمام کمالات علمی و عملی پر تاریکی کا پردہ ڈال رکھا ہے

مگر ہم کو اب بھی اس قومی تنزل کے زمانہ میں صنعت و تجارت کی کچھ کچھ چمکتی شعاعیں اس کے افق پر درخشاں نظر آتی ہیں یہاں کی صنعت و حرفت کے نمونے اور مصنوعی اشیا اب بھی نہایت قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں۔ اُمید ہے کہ زمانۂ گزشتہ کے شاندار علم و فضل کی یاد اور موجودہ زمانہ کی بچی کھچی قدیم صنعت اور بزرگان گجرات کی تجارتی اولوالعزمی اور ہمدردی یہ سب چیزیں مل کر ہمارے حوصلوں اور ارادوں میں ایک تازہ روح پھونک دینگی اور ہم سب اتفاق و اتحاد باہمی کے ساتھ اس دورجدید میں جب کہ دنیا کی کایا پلٹ رہی ہے اور ہر قوم تیز روی کے ساتھ میدان ترقی میں بازی لے جانے کی کوشش کر رہی ہے اپنی قومی تعلیم کی شاہراہیں وسیع کرنے میں جو تمام سیاسی و تمدنی ترقیوں کا سرچشمہ ہے کامل سرگرمی و جد و جہد سے کام لیں گے۔

حضرات! ابھی وہ زمانہ ہمارے دلوں سے بھولا نہیں ہے چند سال پہلے کا ذکر ہے کہ ہمارے معزز دوست پرجوش حامی تعلیم یعنی جناب شیخ عبداللہ صاحب سکرٹری مدرسۂ نسواں علیگڑھ اس تشویش میں مبتلا تھے جیسا کہ اکثر بزرگوں کا اُس وقت یہ خیال تھا کہ اگر کوئی لڑکی مدرسہ میں داخل نہیں ہوئی تو پھر مدرسہ اور بورڈنگ بنانے سے کیا فائدہ ہوگا۔ مگر اُنہوں نے ہمت نہیں ہاری کام شروع کر دیا اور مدرسہ اور بورڈنگ کے لئے قطعہ اراضی حاصل کرنے کی کوشش جاری رکھی جس کا نتیجہ اُسی سال خلاف اُمید و توقع یہ ہوا کہ اُن کے پاس اس قدر درخواستیں آنا شروع ہوئیں کہ اُن کو بے اختیار اس قدر جلد مسلمانوں کے تبدیلی خیالات پر اظہار تعجب کرنا پڑا اور ایک یورپین شخص کا یہ قول کہ "ہندوؤں کی ذات اور مسلمانوں کا زنانہ بریک کتا ہے" باطل ہو گیا۔ جن لوگوں کا ایسا خیال ہے وہ مدرسۂ نسواں علی گڑہ میں تشریف لائیں اور دیکھیں کہ ایک چھوٹی سی چار دیواریوں کے اندر جہاں بقول شیخ صاحب صرف ایسا انتظام کیا گیا ہے کہ بجز چاند اور سورج کے کوئی ہماری بورڈنگ کی لڑکیوں کو دیکھ نہیں سکتا مسلمان لڑکیاں کس سرگرمی اور دلجمعی کے ساتھ مسلمان مردوں کے قدم بقدم مساوی طور پر منازل تعلیم کو طے کرنے میں مشغول ہیں۔

بہرحال اب وہ زمانہ گزر گیا الحمدللہ ہم اپنی آنکھوں سے کچھ اور ہی رنگ دیکھ رہے ہیں

کانوں میں دوسری قسم کی صدائیں گونج رہی ہیں۔ مسلمان جو مدارس نسواں کے نام سے کانوں پر ہاتھ دھرتے تھے اب اپنے حیات اور جذبات کی روشنی میں مختلف مقامات پر مسلم گرلز اسکول قائم کر رہے ہیں علی گڑھ۔ لاہور۔ دہلی اور لکھنؤ وغیرہ کونسا ایسا بڑا مقام ہے جہاں مدرسہ نسواں قائم نہو مسلم لیڈیز کانفرنس کے جلسے ہر سال مختلف شہروں میں منعقد ہوا کرتے ہیں چار دیواری کی بیٹھنے والیاں خواتین اسلام اپنی خانہ داری کے اہم کاروبار کو چھوڑکر اور سفر کی تکلیف برداشت کر کے ذوق و شوق کے ساتھ جلسوں میں شریک ہوتی ہیں ایسی مستورات کی بھی کمی نہیں جو اپنی اڈیٹری میں رسائل شائع کرتی ہیں اور مضمون نگار بھی ہیں۔ یہ سب کچھ ہے اور ہو رہا ہے لیکن اگر بنظر غور دیکھا جائے تو یہ ساری سرگرمیاں ایک تنگ دائرہ میں محدود ہیں اور موجودہ تعلیمی حالت بھی ہنوز صحیح اصول پر قابل اطمینان و اعتماد نہیں تسلیم کی جا سکتی اور یہ اب بھی نہیں کہا جا سکتا کہ اختلاف کا سیاہ بادل چھٹ گیا ہے اور تعلیم کے آفتاب جہاں افروز نے ابر کی نقاب الٹ کر اپنی روشنی سے اسلامی ہند کے گوشہ گوشہ کو جگمگا دیا ہے اور مسلمان من حیث القوم تعلیم نسواں کے اہم ترین فرض کو (جن سے صدہا مذہبی و قومی۔ تمدنی و معاشرتی ضرورتیں وابستہ ہیں) بخوبی محسوس کرنے لگے ہیں۔ ایک بڑا گروہ مسلمانوں کا اس وقت بھی ایسا موجود ہے جو مدارس نسواں کی تعلیم کو مضر جانتا ہے اور تعلیم نسواں کی جانب سے بے خبر اور غافل ہے۔

یہ واقعات وہ ہیں جن سے کوئی واقف کار ذی ہوش انکار نہیں کر سکتا۔ اس لئے میں اس موقع پر آپ کے سامنے چند تاریخی واقعات مذہبی ہدایات اور تعلیم نسواں کے اُن فوائد کو پیش کرنا چاہتا ہوں جن کی طرف مجھ سے پہلے میرے پیش رو اور بعض بزرگان قوم اجمالاً یا صراحتاً قوم کو توجہ دلا چکے ہیں۔

حضرات! اگلی قوموں اور اُمتوں کے تاریخی اوراق اور قرآن حکیم کے مقدس صفحات ہمارے سامنے کھلے ہوئے ہیں ہم دونوں کا موازنہ کر کے بآسانی اُس فرق کو اور اُس انقلاب عظیم کو دریافت کر سکتے ہیں جو اسلام کے قبل اور اس کے بعد عالم نسوانی میں واقع ہوا۔

یہ ضروری ہے کہ عورت بھی [illegible]

[illegible] عورت ہی سیکھنا اور سکھانا [illegible] ہے۔ یہ [illegible] کسی [illegible] دخل [illegible]

[illegible] اور انسانیت کا جزو [illegible] بلکہ اصل اصول علم ہے اور جو اصل [illegible]

[illegible] کا حق رکھتا ہے وہ تمام نوع انسانی کے لئے یکساں ہے کسی خاص طبقہ یا صنف پر محدود

نہیں کیا جا سکتا خصوصاً عورت جس کو مردوں کی جسمانی پرورش کی طرح اس کے قوائے ظاہری و

باطنی کی نشو و نما اور ساخت میں خاص دخل ہے اور مرد کی زندگی کی رفیق اور مددگار ہے [illegible]

وعلم کی روشنی سے محروم کی جا سکتی ہے۔ اسی بنا پر جناب رسالت مآب (فداہ ابی و امی) نے

مرد و عورت دونوں پر علم کا سیکھنا فرض قرار دیا چنانچہ ارشاد فرمایا ہے طلب العلم فریضۃ علی کل

مسلم و مسلمۃ علم سیکھنا مسلمان مرد و عورت دونوں پر فرض ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ عورت ہی عالم

اخلاق کا سرچشمہ ہے وہ ہی مردوں کو خدا پرستی اور محبت دینی کا شیریں دودھ پلا سکتی ہے وہ ہی انکی

نرم طبیعتوں کی سرزمین میں قومی حمیت اور حب الوطنی کا بیج بو سکتی ہے۔ وہی ان کی نازک دست و

پا میں فولادی قوت پیدا کر سکتی ہے وہی ان کے کمزور دلوں کو باتوں باتوں میں دلیر نڈر بے خوف

اور شجاعت کا مسکن بنا سکتی ہے۔ یہ بات عورت ہی کے اختیار میں ہے کہ اگر وہ ہوشیاری اور

سمجھ سے کام لے تو تمام قوم کو سربلندی اور سرسبزی کے انتہائی درجہ پر پہنچا سکتی ہے اور رشک آفتاب

بنا سکتی ہے اور اگر وہ جہالت اور غفلت میں پڑ کر بے خبر رہے تو تمام قوم کو ذلت و خسران کے عذاب

دائمی میں مبتلا کر سکتی ہے۔ عیاذاً باللہ تعالیٰ۔

تاریخ اسلام ہم کو علانیہ بتا رہی ہے کہ عہد رسالت سے لیکر مسلمانوں کے قومی تنزل کے

زمانہ تک خواتین اسلام علم و فضل و دولت و حکومت میں مردوں کی طرح برابر حصہ لیتی رہی ہیں حضرت

عائشہ رضی اللہ عنہا کو علم و فضل اور تفقہ میں جو بلند مرتبہ حاصل تھا وہ ان کی مرویات [illegible]

واضح ہے [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] آپ کے [illegible] سلطان [illegible] علوم [illegible] کر دیے [illegible]

[illegible] میں [illegible] جیسے [illegible] شریک ہوتے تھے اور [illegible]

[illegible] ان کے [illegible] میں رہا کرتا تھا اسی طرح [illegible] مشہور تصوف اور تاریخ [illegible]

[illegible] الف [illegible] میں [illegible] علم و فضل دولت و حکومت میں خواتین اسلام
مسلمانوں کے عروج [illegible] حصہ لیتی ہوئی نظر آتی ہیں اپنا [illegible] ہمیشہ کے لئے صفحہ روزگار پر
چھوڑ گئی ہیں۔ رضیہ سلطانہ بیگم۔ نورجہاں بیگم۔ جہاں آرا بیگم۔ گلبدن بیگم علم و فضل و حکومت و سیاست
دانی کی شاندار مثالیں ہیں۔ اب ذرا ایک دو زینہ اتر کر اپنے قریب تر زمانہ پر نظر کیجیے جو مسلمانوں کی
پستی و تنزل کا زمانہ کہا جاتا ہے نواب سکندر بیگم صاحبہ خلد نشین علیا حضرت نواب شاہجہان بیگم صاحبہ
خلد مکانی [illegible] اللہ لہا سابق والیان ریاست بھوپال کو رحلت فرمائے ہوئے زیادہ زمانہ نہیں گزرا ان کا
عہد ہماری آنکھوں کے سامنے ہے جو بانی تعلیم نسواں کہلانے کی مستحق ہیں۔

نواب سکندر بیگم صاحبہ خلد نشین کی ذات تدبیر مملکت اور امور سیاست میں ضرب المثل ہے۔

نواب شاہجہان بیگم صاحبہ خلد مکان کی ذات فیاضی۔ علمی سرپرستی دینی حمیت و غیرت روشن ضمیری اور
حکومت میں مشہور روزگار ہے۔ ہماری موجودہ زمانہ میں علیا حضرت نواب سلطان جہاں بیگم صاحبہ والیہ
بھوپال دام اقبالہا کی ذات والا صفات انتظامی قوت۔ دانش مندانہ قومی و ملکی ہمدردی۔ اخلاق
فاضلہ اور اشاعت علوم جدیدہ خصوصاً تعلیم نسواں کے حق میں آیت رحمت ہے۔ عالی جناب نواب بیگم صاحبہ
بھوپال کی علمی فیاضی ہی ہمارے دلوں میں زمانہ سلف کی خیر و برکت کو تازہ کر دیتی ہے بشرطیکہ
ہم اپنی ہمتوں کو کسی حال میں پست نہ ہونے دیں اپنے حوصلوں کو بلند سے بلند تر کرتے جائیں اور
[illegible] سرمایہ علم و حکمت کی تلاش میں سرگرمی۔ مستعدی اور صبر و استقلال کے ساتھ کوشش کریں
پھر دیکھیے کیا ہم [illegible] ہو کر [illegible] کر [illegible] خواتین کے دوش بدوش تعلیم نسواں کے متعلق
[illegible] نہیں کر سکتے جو ہندوستان ایشیا اور یورپ کے [illegible] مقامات

[illegible] ہے کہ عورت ہی انسان کی جسمانی اور ذہنی حالت کی [illegible] دخل [illegible]
[illegible] عورت ہی کے ساتھ ظہور پذیر ہوا کرتا ہے۔ یہ کسی ذاتی عمل [illegible]
[illegible] دنیا اور انسانیت کا جزو اعظم ہے بلکہ اصل عمل علم ہے اور جو عمل یعنی [illegible]
[illegible] سے تعلق رکھتا ہے وہ تمام نوع انسانی کے لئے یکساں ہے کسی خاص طبقہ یا صنف پر محدود
نہیں کیا جا سکتا خصوصاً عورت جس کو مردوں کی جسمانی پرورش کی طرح ان کے قوائے ظاہری و
باطنی کی نشوونما اور ساخت میں خاص دخل ہے اور مرد کی زندگی کی رفیق اور مددگار ہے ہرگز
دولت علم کی روشنی سے محروم کی جا سکتی ہے۔ اسی بنا پر جناب رسالت مآب (فداہ ابی و امی) نے
مرد و عورت دونوں پر علم کا سیکھنا فرض قرار دیا چنانچہ ارشاد فرمایا ہے طلب العلم فریضۃ علی کل
مسلم و مسلمۃ علم سیکھنا مسلمان مرد و عورت دونوں پر فرض ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ عورت ہی تمام
اخلاق کا سرچشمہ ہے وہ ہی مردوں کو خداپرستی اور محبت دینی کا شیریں دودھ پلا سکتی ہے وہ ہی انکی
نرم طبیعتوں کی سرزمین میں قومی حمیت اور حب الوطنی کا بیج بو سکتی ہے۔ وہی ان کی نازک دست
و پا میں فولادی قوت پیدا کر سکتی ہے وہی ان کے کمزور دلوں کو باتوں باتوں میں دلیرانہ جوش
اور شجاعت کا مسکن بنا سکتی ہے۔ یہ بات عورت ہی کے اختیار میں ہے کہ اگر وہ ہوشیاری اور
سمجھ سے کام لے تو تمام قوم کو سربلندی اور سرسبزی کے انتہائی درجہ پر پہنچا سکتی ہے اور ذرہ کو آفتاب
بنا سکتی ہے اور اگر وہ جہالت اور غفلت میں پڑ کر بے خبر رہے تو تمام قوم کو ذلت و خزان کے عذاب
دائمی میں مبتلا کر سکتی ہے۔ عیاذاً باللہ تعالیٰ۔

تاریخ اسلام ہم کو علانیہ بتا رہی ہے کہ عہد رسالت سے لیکر مسلمانوں کے قومی تنزل کے
زمانہ تک خواتین اسلام علم و فضل و سعادت و حکومت میں مردوں کی طرح برابر حصہ لیتی رہی ہیں حضرت
عائشہ رضی اللہ عنہا کو علم و فضل اور تفقہ میں جو بلند مرتبہ حاصل تھا وہ ان کی مرویات [illegible]
واضح ہے [illegible] مخدوم و محترم [illegible] ذات [illegible] کے [illegible]
[illegible]

مقامات میں مدارس نسواں قائم کرنے کی کوشش کرتی ہیں اور ان کی ثابت قدمی ہر ایک قسم کے
سخت سے سخت مشکلات پر غالب آجاتی ہے۔

اگر بہ نظر غور و انصاف دیکھا جائے تو تعلیم نسواں مردوں کے فوائد اور قومی ترقی کے لحاظ سے
بھی اسی قدر بلکہ اس سے زیادہ ضروری ہے جس قدر خود عورتوں کی اصلاح حال و مال دینی و دنیوی
کے لئے لازمی ہے۔ یہ تمام واقعات تعلیم نسواں کے فوائد اور اس کی ضرورت کو پورے طور پر ہر انسان کے
نقش دل کرنے کو کافی ہیں اور کوئی مسلمان تعلیم کا مخالف نہیں ہو سکتا ہے۔ البتہ مابہ الاختلاف اور
ہماری غور و فکر اور تدبیر کے لئے جو اہم مسائل رہ جاتے ہیں وہ نوعیت تعلیم اور اسلامی تربیت کا
فیصلہ ہے۔

حضرات! نوعیت تعلیم کے متعلق بعض نیک دل مقدس لوگوں کا خیال ہے کہ عورتوں کو
صرف مذہبی تعلیم دینا کافی ہے ان کو سرکاری دفتروں میں ملازمت کرنی نہیں ہے بعض اصحاب کا
خیال ہے کہ عورتوں اور مردوں کے مختلف فرائض زندگی کے لحاظ سے لڑکوں اور لڑکیوں کی تعلیم میں
فرق ہونا چاہیئے۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ دونوں کی تعلیم یکساں ہونی چاہیئے کیونکہ قدرت نے
عورت اور مرد کے قوائے عقلی میں کوئی کمی نہیں کی ہے۔

حضرات! میں اس وقت عورت و مرد کے قوائے عقلی سے بحث کرنا اور ان کا فرق دکھانا
نہیں چاہتا۔ میں تو اپنے خیال اور سمجھ کے مطابق جب افراد قوم کے مختلف اور مجموعی حالات پر نظر ڈالتا
ہوں تو مجھکو یہ رائیں خواہ وہ بجائے خود کیسی ہی صحیح اور درست خیال کی جاتی ہوں مگر افراط اور
تفریط سے خالی نظر نہیں آتیں۔ اکثر لوگ محض اپنے خاندانی حالات یا چند متعارف خاندانوں کے حالات
اور اپنے مذاق کو پیش نظر رکھکر رائے قائم کر لیا کرتے ہیں۔ حالانکہ قوم ایک مجموعہ کا نام ہے جس میں غریب
و امیر، حاکم و محکوم تاجر و کاشتکار سب ہی قسم کے پیشہ ور خاندان شامل ہیں اور سب کی حاجتیں اور
ضرورتیں ایک دوسرے سے مختلف و متضاد ہیں پس ایسے مختلف الحال خاندانوں کی ضرورت کے
لئے صرف ایک ہی قسم کی تعلیم کہاں تک ان کی کار و بار زندگی کی نظر سے مفید اور کار آمد ہو سکتی ہے

ملک کی ایک نصاب کا پابند کیا کہ وہ اُن کی حاجات اور ضرورتوں کو پورا کر سکتا ہی جس طرح یونیورسٹی کے نصاب تعلیم کا بار عظیم مستورات پر ڈالنا ایک شدید ترین ظلم سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ کیا یونیورسٹیوں کے نصاب کا بنیادی اصول اغراض حکومت پر مبنی نہیں ہے؟ اور کیا طلبا کے رجحان طبعیہ اور ملک کی اصلی ضرورتوں اور حقیقی حاجتوں پر مبنی ہے؟ جب وہ بحالت موجودہ اپنے غیر مفید ہونیکے اعتبار سے مردوں کے درد دل کی دوا نہیں ہو سکتا تو اُس سے مستورات کا کیا خاک مداوا ہو سکتا ہے۔

تعلیم نسوان کے متعلق میرا خیال ہے کہ اُن کے فرائض زندگی کے لحاظ سے نصاب تعلیم میں تو فرق ہونا لازمی اور ضروری ہے مگر عورت و مرد دونوں کی قابلیت اور مذاق کے اعتبار سے اتنا عظیم فرق نہ ہونا چاہیئے جو کاروبار زندگی اور علمی دلچسپیوں میں ایک کو دوسرے کی اعانت و مشورہ سے محروم کر دے۔

میرے معزز دوست جناب شیخ عبداللہ صاحب اور دیگر حضرات جن کے ہاتھ میں تعلیم نسواں کا براہ راست انتظام ہے۔ وہ مجھکو معاف کریں گے اگر میں یہ التماس کروں کہ مروجہ نصاب ہائے تعلیم جو فی الحال مدارس نسواں میں زیر درس ہیں وہ کسی طرح اُن اہم مقاصد کے پورا کرنے کی اپنے اندر صلاحیت نہیں رکھتے جو بزرگان قوم اور ہم سب کے مطمح نظر ہیں۔ سب سے پہلے مذہبی تعلیم پر غور کیجئے جو عام تعلیم کا جزو اعظم ہے اور تحصیل علم میں مردوں اور عورتوں دونوں کے لئے لازمی اور مقدم چیز ہے۔ یہ سچ ہے کہ کوئی اسلامی درسگاہ اور مدرسۂ نسواں ایسا نہیں جہاں دینیات کی تعلیم جاری نہ ہو اور کتب دینیات کا ایک سلسلہ موجود نہ ہو مگر میں اس پر بھی یہ ماننے کو تیار نہیں ہوں کہ یہ مذہبی تعلیم عورتوں اور اُن کے آیندہ و موجودہ ہونہار بچوں کے حالات اور ضروریات کے لحاظ سے کافی ہے اور اپنے نتائج کے اعتبار سے مذہب کا صحیح خیال و اذعان ان میں پیدا کرنے کا ذریعہ ہے۔ عام طور پر مذہبی تعلیم کا منشا صرف اسی قدر سمجھا گیا ہے کہ طلبا کو ضروری مسائل نماز و روزہ اور جائز و ناجائز اشیا سے واقف کر دیا جائے۔ حالانکہ ضرورت اور سخت ضرورت اس کی ہے کہ نصاب تعلیم میں مسائل نماز و روزہ وغیرہ کے ساتھ کفر و شرک نفاق و بدعات رسوم باطلہ اور اوہام فاسدہ کی خرابیاں جو قوم میں عام طور پر پھیلی ہو

... بنیادی کا توحید سب میں مؤثر طریقہ کے ساتھ بتائی جائیں اور خواتین سلف کے واقعات
... پر روشنی ڈالی جائے وحدت فی الذات وحدت فی الصفات اور استحقاق عبادت الٰہی کا ...
... وضاحت کے ساتھ دل نشین پیرایہ میں لکھا جائے تاکہ بچیاں جو آیندہ مائیں اور بیویاں بننے
والی ہیں یہ سمجھ سکیں کہ صرف وحدہٗ لاشریک لہٗ کی ایک ذات پاک ہی قابل پرستش ہے اور صرف اسی
کی سرکار لائق اطاعت ہے جس شخص کے دل میں محبت و خوف الٰہی گھر کرجاتا ہے وہ تمام معبودان باطل
اور اصنام طلائی کی غلامی سے آزاد اور تمام جہان کے لوگوں سے بے خوف ہوجاتا ہے۔ یہی حقیقی
اور سچی آزادی ہے جس کا نام حریت اسلامی ہے یہی وہ اصطباغ یعنی خدائی رنگ ہے کہ جہاں ایک
مرتبہ آدمی کی روح اور طبیعت پر چڑھ گیا پھر کبھی زائل نہیں ہوتا صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ
صِبْغَه۔ نہ کوئی دوسرا رنگ اُس پر غالب آسکتا ہے۔ کیا یہ واقعہ نہیں کہ ایک معمولی بوڑھی عورت
نے حضور رسالت مآب صلعم کے جانشین اور ایک زبردست خلیفۂ اسلام حضرت عمرؓ کو علانیہ تخفیف مہر
کے مسئلہ پر ٹوک دیا اور صاف طور پر اُن کی رائے سے اختلاف کیا اور آپ نے یہ سن کر ارشاد فرمایا
ھذا العجوز افقہ من العمر۔ یہ بڑھیا عمرؓ سے بھی زیادہ فقیہ ہے۔

آزادی اس کا نام نہیں ہے کہ خواہ مرد ہو یا عورت بیباک یا بے پردہ ہوکر قوانین اخلاق و انسانیت
سے بے پروا ہوجائے اور بزرگوں کے ادب اور رضاجوئی کو بالائے طاق رکھکر بندۂ نفس بن جائے
اور یورپ کی اندھی تقلید میں اُس کو برے بھلے کی بھی تمیز باقی نہ رہے کہ ؎

نفس ہیچ بشر خالی از خطا نہ بود

نصاب تعلیم میں لازمی طور پر تاریخ اسلام بھی داخل ہونی چاہئے جس میں ازواج مطہرات
بنات جالیات اور صحابیات مقدسہ کے حالات اور اسلاف کرام کی ایسے واقعات پرتاثیر بیان کے
ساتھ درج کئے جاویں جو غیرت و حمیت دینی حقوق زوجین سلیقہ مندی، قوت انتظامی ...
خودداری محبت قومی و ملکی۔ سادہ زندگی۔ کفایت شعاری اور حسن معاشرت کا سبق دیں اور ...
... اُن میں عملاً پیدا کرنے کے باعث ہوں۔ تاکہ وہ فیشن پرستی فضول خرچی، بے جا آزادی اور

جب اخلاق و معاشرت طریقوں کے زہر آلود ہلاکت آفریں اثر سے اپنے بچوں کی حفاظت کرسکیں اور اپنے کو اور اپنے بچوں کو مفید ملک و ملت بنا سکیں۔ اس زمانہ کی عبرت انگیز بے جا آزادی پر نظر کر کے بے اختیار مجکو یہ آیت شریفہ یاد آجاتی ہے۔ صدق اللہ تعالیٰ وَإِذَا أَرَدْنَا أَنْ نُهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا فَفَسَقُوا فِيهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنَاهَا تَدْمِيرًا۔ جب ہم کو کسی قریہ کا ہلاک کرنا منظور ہوتا ہے تو ہم اُس کے خوش حال لوگوں کو حکم دیتے ہیں۔ پھر وہ اس میں نافرمانیاں کرنے لگتے ہیں اور ہماری حجت اُن پر تمام ہوجاتی ہے پھر ہم اس بستی کو مار کر تباہ کر دیتے ہیں۔

حضرات! میں بعض مربیان تعلیم کی تحریروں اور تقریروں میں فنون لطیفہ یعنی تعلیم موسیقی و تصویر کشی کا ذکر پڑھتا اور سنتا ہوں جو لوازمات عیش و تفریح کے غالب عنصر ہیں میں اُن کی ناقدری نہیں کرتا میں اس وقت اُن کے فائدہ اور نقصان کا موازنہ کر کے آپ کو دکھانا نہیں چاہتا نہ شرعی بحث چھیڑنا چاہتا ہوں۔ آپ خوشی سے مناظر قدرت کی تصویر کھینچنا اُن کو سکھائیے خوش آوازی کے ساتھ قرآن مجید اور اخلاقی و قومی نظمیں پڑھنے کی اُن کو تعلیم دیجئے میں صرف یہ گزارش کرنا چاہتا ہوں کہ اُن شعبہائے صنعت و حرفت کی توسیع کی طرف زیادہ توجہ کیجئے جن کی تہ میں حصول دولت اور قومی تموّل کا راز مخفی ہے اور جن کو حاصل کر کے ایک قلیل زمانہ میں معمولی آدمی ایک بڑا آدمی اور خوش حال یا دولت مند بن سکتا ہے۔ افسوس ہے کہ حزب الشمال یعنی پیشہ ور ادنیٰ طبقہ کے طرف جو قومی ترقی کے جسم میں بمنزلہ ریڑھ کی ہڈی کے ہیں اس وقت تک حامیان تعلیم نے التفات نہیں کیا ہے یا بہت ہی کم کیا ہے میرا خیال تو مردوں کی نسبت بھی یہی ہے کہ اگر موجودہ تعلیم کے ساتھ ہی ساتھ شروع ہی سے صحیح اصول پر صنعت و حرفت و تجارت کی تعلیم کا بھی سرگرمی کے ساتھ انتظام کیا گیا ہوتا اور اُس کو تمام ملک میں فروغ دینے کی کوشش کی گئی ہوتی تو بہت سی اب تک مصیبتیں اور دقتیں دور ہوگئی ہوتیں اور جن مطالبات کا بلند آہنگی کے ساتھ آپ اعلان کیا کرتے ہیں اُن میں سے کم سے کم دس فی صدی بلامنت غیرے آپ باسانی حاصل کر لیتے اور سیکڑوں اور ہزاروں روپیہ جو جلسوں کے انعقاد اور آراستگی میں صرف ہوجایا کرتا ہے۔ اور ہر سال ریلوے ڈپارٹمنٹ کی آمدنی میں بیش بہا

اضافہ کا باعث ہوتا ہے۔ اس میں ایک بڑی حد تک کمی ہو جاتی اور اسی نسبت سے قومی مدارج میں ترقی ہو جاتی۔ ضرورت ہے کہ نصاب تعلیم میں صنعت و حرفت کا حصہ زیادہ کیا جائے اور اس کی ترقی میں زیادہ کوشش کی جائے۔ تعلیم نسواں کے لئے ایک ضروری اور مقدم شرط یہ بھی ہے کہ جو نصاب تعلیم مرتب ہو وہ اردو میں ہو تاکہ مکمل تعلیم مادری زبان میں دی جا سکے اور انگریزی زبان بطور ضمنی زبان کے رکھی جائے۔

حضرات! آپ کے سامنے عثمانیہ اردو یونیورسٹی کی عظیم الشان تحریک موجود ہے جو عالم اسلامی کی محسن عظیم اعلیٰ حضرت اقدس محی الملتہ والدین ہز اگزالٹڈ ہائی نس حضور نظام خلد اللہ ملکہٗ کے جانب سے ملک میں شائع ہوئی ہے۔ اعلیٰ حضرت کا یہ ایک ایسا جلیل القدر کارنامہ ہے جو بلا خوف مخالفت کہا جا سکتا ہے کہ اپنے منفعت کثیر اور قومی ضرورت کے لحاظ سے شاہان سلف کے کارناموں پر بھی سبقت لے گیا ہے۔ ایک چشم حقیقت بین کے نزدیک درحقیقت قومی تعلیم کا فطری اور حقیقی واحد اصول یہی ہے جس کو منشور خسروی (چارٹر) نے اعلیٰ حضرت کے دستخط خاص سے مزین ہو کر ملک پر نمایاں کر دیا ہے۔ انشاء اللہ العزیز جس وقت یہ عظیم الشان کام باحسن وجوہ سرانجام پا جائے گا تو جس طرح وہ قوم کے مردوں کو معراج ترقی پر پہنچانے کا ذریعہ ہوگا۔ اسی طرح وہ خواتین اسلام کے لئے خیر و برکت کا وسیلہ ثابت ہوگا۔ حیدرآباد میں خدا کے فضل سے اب بھی تعلیم نسواں میں روز افزوں ترقی ہو رہی ہے۔ ابتدائی مدارس اور ٹریننگ اسکول کے قائم کرنے کے نسبت فرمان منظوری صادر ہو چکا ہے۔ مدرسۂ نسواں علی گڑھ کو پہلے سے اعلیٰ حضرت بلا سعی و سفارش ایک دائمی عطیہ مرحمت فرما رہے ہیں۔ حضور سرکار عالیہ بھوپال جو ام اقبالنا بھی اپنے صدارتی ایڈریس میں دہلی کانفرنس کے موقع پر مادری زبان کی تعلیم کی طرف خاص طور پر ان الفاظ میں توجہ دلا چکی ہیں کہ "میرے خیال میں جب تک تعلیمی کتب کا سلسلہ اپنی مادری زبان میں نہ ہو کسی قوم کی تعلیم کا مکمل ہونا مشکل ہے اور بالخصوص عورتوں کو جن کی کم عمری میں شادی ہو جانے کا عام رواج ہے۔ غیر زبان میں باقاعدہ تکمیل تعلیم کرنا مشکل ترین امر ہے۔"

حضرات! اب آخر میں اسلامی تربیت کے انتظام کے متعلق بھی کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ یہ آپ سب کو معلوم ہے کہ زمانہ برقی سرعت رفتار کے ساتھ بدل رہا ہے نظام سلطنت میں ایک عظیم سیاسی انقلاب ہونے والا ہے جس کا اثر بہت کچھ وسیع اور پائدار ہوگا۔ جبری تعلیم کا بھی آغاز ہو گیا ہے جو ابھی تک مختصر رقبوں میں ہر دوں تک ہے وہی مگر وہ وقت دور نہیں ہے جب کہ وہ مستورات کو بھی اپنے ظل حمایت میں لے لیگا۔ مگر آپ کا نصاب تعلیم رفتار زمانہ کے مطابق مکمل اور حقیقی ضروریات بھی پر حاوی نہ ہوگا اور اسلامی تربیت کا خاص طور سے انتظام تکمیل کو نہ پہنچے گا تو آپ کے پاس اس کی کیا ضمانت ہے کہ زمانہ کا وسعت پذیر اثر اور مشنری سوسائٹیوں کی روز افزوں کوشش یہ دونوں مل کر آپ کے گھروں کی چار دیواری کے اندر اپنا کوئی عمل دخل نہ پیدا کر سکیں گی۔ تربیت فی الحقیقت تعلیم پر بھی مقدم ہے۔ بقول ایک یورپین فاضل کے "کسی شخص کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ عالی مرتبہ ہو یا دولت مند ہو بلکہ یہ بھی ضروری نہیں کہ عقل مند ہو مگر یہ لازم و واجب ہے کہ وہ ایماندار ہو۔"

اسلام نے اپنے زمانہ عروج میں جن بے پناہ ہتھیاروں سے دنیا کے قلوب کو مسخر کیا وہ اسی اسلامی تربیت و اخلاق کے کارخانہ میں ڈھالے گئے تھے۔ تلوار کی ضرب اور بندوق کی گولی تو بعض اوقات خالی بھی جاتی ہے مگر یہ وہ بے پناہ اسلحہ ہیں جن کا وار کبھی خالی نہیں جاتا۔ حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ نے عرصۂ کارزار میں سب ہوا کا رخ پلٹا ہوا دیکھا اور غنیم کا ہر طرف غلبہ نظر آیا تو انھوں نے اپنی والدۂ محترمہ حضرت اسما بنت ابی بکرؓ سے جو جناب رسالت مآب صلعم کی سالی تھیں مشورہ کیا کہ آپ کیا فرماتی ہیں؟ میں ہتھیار ڈال دوں یا لڑ کر مر جاؤں۔ آپ نے فرمایا کہ "اگر تم اپنے نزدیک حق پر ہو تو حق سے منہ پھیرنا کیسا اور اگر تم ناحق پر ہو تو تم نے جو کچھ کیا اس کا وبال تم پر ہے۔" اللہ اکبر جس کی ماں ایسی تربیت یافتہ حق پرست راستباز اور مضبوط کیرکٹر کی ہو ظاہر ہے کہ اس کا بیٹا کیسا ہوگا۔

حضرات! تربیت سے بڑھ کر قوی الاثر اور پائدار اور دل میں سرایت کرنے والی چیز

نہ کوئی تعلیم کتبی ہو سکتی ہے نہ کسی بڑے سے بڑے شخص کی نصیحت۔ پیروی و نقل ہمیشہ مثال ہی کی کی جاتی ہے۔ قول کی نہیں کی جاتی حقیقی اور فطری تعلیم گاہ آغوش مادر ہے اور بچہ کی ابتدائی زندگی آیندہ زندگی کی تمہید ہے۔

پس ضرورت اور سخت ضرورت ہے کہ متعدد ٹریننگ اسکول کھولے جائیں۔ اُن میں صحیح اصول پر حقیقی اسلامی تربیت کا انتظام کیا جائے۔ اور وہ روشن دماغ دُور اندیش اور اسلامی اوصاف سے متصف لوگوں کی زیر نگرانی ہوں اور ان میں ایسی اُستانیاں تیار کی جائیں جو اپنی اسلامی عملی زندگی کا اثر اُن لڑکیوں پر جو آیندہ بیویاں اور مائیں ہونے والی ہیں ڈال سکیں منتظمان تعلیم نسواں کی خدمت میں میری گزارش ہے کہ وہ ہرگز اپنے مدارس نسواں کی فضیلت و کامیابی کو اس پر منحصر نہ سمجھیں کہ امسال اتنی لڑکیوں نے مڈل پاس کیا اور اتنی میٹرک کے امتحان میں کامیاب ہوئیں۔ بلکہ وہ وجہ فضیلت دراصل کامیابی علمی اور عملی حیثیت سے اُن مقاصد کی تکمیل قرار دیں جو خود اُن کا اور ہم سب کا نصب العین ہے۔ بڑا امتحان تو یہ ہے کہ وہ اپنے خاندان اور اور قوم کی آزمائش میں پوری اُتریں اور اپنے فرائض زندگی کو حسن و خوبی کے ساتھ انجام دے کر اپنی کامیابی کا ثبوت دیں ایسی ہی خواتین کے حالات کامل سند ہو سکتے ہیں جن کا بلند آہنگی کے ساتھ ہر سالانہ رپورٹ میں اعلان ہونا چاہیئے۔ میں اس موقع پر اپنے دلی رنج کا اظہار کیے بغیر نہیں رہ سکتا مجھکو افسوس ہے کہ جلسوں میں تقریریں اسپیچیں تو بہت کچھ ہوتی ہیں صدارتی ایڈریس بھی دیئے جاتے ہیں مگر اُن پر غور و عمل کرنے کی میں کوئی مثال نہیں پاتا۔ دنیا کی کل باتوں سے نہیں چلتی بلکہ عمل سے چلتی ہے۔ بہرحال خدا ہم سب کو توفیق رفیق عطا کرے۔

وآخر دعونا ان الحمد للہ رب العالمین

اس کے بعد جناب شیخ عبداللہ صاحب آنریری سکریٹری شعبہ تعلیم نسواں نے اپنے شعبہ کی سالانہ رپورٹ بابت ۱۹۱۸ء جلسہ میں پیش کی جو حسب ذیل ہے۔

سالانہ رپورٹ آنریری سکرٹری صاحب

شعبۂ تعلیم نسواں بابت سنہ ۱۹۱۸ء

سالہا سال سے یہ اسلامی انجمن مسلمانوں کو تعلیم اناث کی ضرورت کی طرف متوجہ کر رہی ہے اور اس ضرورت کے وجوہات کی متواتر اس درجہ صراحت کی گئی ہے کہ اب پھر اس کا اعادہ کرنا تحصیل لاحاصل ہوگا۔ مگر جدید حالات زمانہ اس بات کے مقتضی ہیں کہ ان کی طرف خاص طور پر مسلمانوں کو توجہ دلائی جائے۔ یورپ کی جنگ نے قطعاً اس بات کا ثبوت بہم پہنچا دیا کہ کیا بلحاظ اقتصادی ضرورتوں کے اور کیا بلحاظ حفاظت جان و مال اقوام کے عورت کا وجود اسی قدر لازمی ہے جس قدر مرد کا۔ گزشتہ زمانہ میں بھی اہم انقلابات کے وقت مردوں نے بارہا عورتوں کی مدد سے بڑی بڑی مہمات سر کی تھیں لیکن عورتوں نے جو کام گزشتہ یورپ کی عالمگیر جنگ میں کیا وہ کبھی اس سے قبل نہیں کیا تھا۔ روس میں جب مردوں نے دشمن کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے تو عورتوں نے کمر ہمت باندھی اور اپنے ملک پر قربان ہونے کو تیار ہو گئیں۔ عرصہ چار سال تک کروڑوں مجروحین کی خبرگیری و بیماروں کی تیمارداری اسی جنس کی سپرد رہی جس کو ہندوستان میں حقیر اور ضعیف اور ناقص العقل کہا جاتا ہے۔ عورتوں نے جس جانفشانی اور جانکنی سے کام کیا ہے وہ مردوں سے ہرگز نہیں ہو سکتا تھا۔ اسپتالوں کے تنگ کمروں کی چہار دیواری میں دن رات زخمیوں کے زخم دھونا اور ان کے لئے نہ اپنے رہنے اور کھانے کا خیال اور نہ نیند بھر سونا نصیب۔ برفانی علاقوں میں ادھر سے ادھر زخمیوں کے کیمپوں میں بھاگے بھاگے پھرنا اور اس پر طرہ یہ کہ کسی صلہ کے کسی اخباری تحسین و آفرین کی امید بھی نہیں کوئی معمولی کارنامہ نہیں ہے۔ علاوہ اس کے شہروں کی حفاظت کے لئے پولس کا کام عورتوں ہی نے کیا۔ تجارت و زراعت کا کام بھی انہی کی سپردگی میں رہا۔ دفتروں اور ریلوں اور تاروں اور ڈاک کے

علم یا دہ تر انھیں کے ہاتھ میں ہے اب ان مشاہدات کے بعد اگر کوئی کہے کہ عورت ناقص العقل کم
بیجا اور اعلیٰ کام انجام دینے کی قابلیت نہیں رکھتیں تو سوائے اس کے کہ ہم اس کی عقل و
انصاف پر افسوس کریں اور کیا کہہ سکتے ہیں۔

یورپ کی جنگ عورتوں کے لئے اپنے ساتھ ایک نیا دور لے کر آئی ہے۔ یورپ میں ان کو وہ
جملہ پولیٹکل حقوق مل رہے ہیں اور چند سال میں کامل طور پر مل جاویں گے جو مردوں کو حاصل تھے
وہ پارلیمنٹوں کی اور میونسپلٹیوں کی ممبر بن سکیں گی، وہ جج اور بیرسٹر بن سکیں گی۔ ان کو موقع
حاصل ہے کہ وہ نیابتی جماعتوں کی ممبر بن سکیں اور وزیر اعظم ہو سکیں۔ وہ ہر صیغہ میں مردوں کے
دوش بدوش چل سکیں گی اور آیندہ کوئی تفریق مردوں کے اور عورتوں کے حقوق میں نہ ہوگی
اب ہمارے لئے غور طلب یہ معاملہ ہے کہ ہم ہندوستان کی نصف آبادی کو بیکار رکھ کر ملک کو
کیا فائدہ پہنچا سکتے ہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ عورتوں میں دنیا کے کاروبار انجام دینے کی قابلیت محض
تعلیم سے پیدا ہوئی ہے۔ یورپ صدیوں سے عورتوں کو مردوں کی سطح پر لانے کے لئے تیار ہو رہا
تھا اور اب اس نے اپنی دور اندیشی کا فائدہ اٹھایا ہے لیکن ایشیائی اقوام عموماً اور ہندوستان
کے باشندے خصوصاً آگے دیکھنے والے لوگ نہیں ہیں ان کی نگاہ ہمیشہ پیچھے کو رہتی ہے وہ
یہ دیکھا کرتے ہیں کہ کل کیا ہوا تھا اور سختی کے ساتھ اس کو پکڑے رہتے اور لکیر کا فقیر بننے کی فکر
کیا کرتے ہیں۔ آیندہ کا لفظ ان کے اخلاقی کورس میں نہیں ہے کل کی خبر خدا کو ہے یہ ایک عام
مقولہ ہے اور اس کا اثر ہندوستان کے عام اخلاق و عادات پر پڑ رہا ہے۔ اب عورتوں کو مثل
مردوں کے آیندہ زمانہ کے سخت مقابلہ کی زندگی اور اقتصادی جدوجہد کے لئے تیار نہ کرنا ہمیشہ
کے لئے پستی و ذلت کا سامان مہیا کرنا ہے۔ آپ اپنے دل میں اس حالت کا ذرا نقشہ تو کھینچیے
کہ انگلستان کی پارلیمنٹ میں عورتیں کھڑی ہو کر ہندوستانی اصلاحات پر تقریریں کریں گی اور
ہندوستان کی عورتوں میں دس لاکھ میں ایک عورت بھی ایسی نہ ہوگی جو تقریر کرنا تو درکنار کسی
دوسرے کی تقریر کا مفہوم بھی سمجھ سکے گی۔ آخر آپ دنیا کے سامنے اور مہذب عورتوں کے سامنے

ہنسیں گے کہ ہم نے عورتوں کو ایسا جاہل اور بے خبر کیوں چھوڑ رکھا ہے۔ آپ کو جب
بتلادی گئی کہ جس وقت ملک کو ضرورت ہوگی تو اُس وقت آپ کے وہ عزیز جو اب سے زیادہ آپ کے
ہونگے اور آپ کی بہی خواہ ہے وہ آپ کی غفلت اور عدم دور اندیشی کی وجہ سے آپ کو مطلق کچھ
مدد نہ دے سکے گی۔ جو شخص اس وقت عورتوں کی تعلیم کا مخالف ہو اُس کی طرف میرا روئے سخن
ہرگز نہیں ہے کیونکہ وہ مجھ سے بالکل ایک دوسری دنیا میں رہتا ہے اور میں اُس کے دماغ کو
تکلیف دینا ضروری نہیں سمجھتا لیکن جو لوگ عورتوں کی تعلیم کی ضرورت کو تسلیم کرچکے ہیں اور
وہ زمانہ کے حالات اور جدید انقلابات سے ناواقف بھی نہیں ہیں۔ میں اُن سے دریافت کرنا چاہتا
ہوں کہ وہ اب کس وقت کے انتظار میں ہیں اور وہ نہ صرف اپنی بچیوں کی تعلیم کے لئے بلکہ
قوم کی مستورات کی تعلیم کے لیے پوری ہمت سے کمر بستہ کیوں نہیں ہو جاتے۔ غفلت اور تساہل
نے ہم کو بہت ہی تباہ کردیا ہے لیکن نہ وہ ہمارا پیچھا چھوڑتے ہیں اور نہ ہم اُن کا پیچھا چھوڑتے
ہیں۔ دنیا میں کسی شخص یا کسی قوم کو فقط اُن کی خواہش سے ترقی کا درجہ نصیب نہیں ہوا
کرتا۔ کوئی شخص اپنے کمرے کا دروازہ بند کرے لیکن اپنی خواہش کا دروازہ کھول دے کہ میرے
تمام مقاصد مجھکو حاصل ہو جائیں تو آپ لامحالہ اُس کی اس خواہش کو مثل ایک بچوں کی خواہش
کے تصور کرینگے۔ میں اکثر اپنی قوم کے تعلیم یافتہ اصحاب کو دیکھتا ہوں کہ وہ اپنی بچیوں کو تعلیم
دلانے کا بہت اشتیاق ظاہر کرتے ہیں لیکن جب اُن سے دریافت کیجیے کہ آپ نے کوئی عملی
صورت بھی سوچی ہے کہ آپ کیسے اپنے لخت جگر کو تعلیم دے سکتے ہیں تو اس کا جواب نفی میں
ملتا ہے۔ مثل مشہور ہے کہ جوئندہ یابندہ۔ کسی کام کے لئے اگر سچی مستعدی کسی میں پیدا ہو جائے
تو ممکن نہیں کہ وہ اُس کام میں کامیاب نہ ہو۔ لیکن بیٹھے بیٹھے اگر مگر کا ورد پڑھنے سے کبھی کوئی
کام نہیں ہو سکتا۔ میرے تعلیم یافتہ دوست یاد رکھیں کہ اُن کو اپنی موجودہ غفلت کے لئے آئندہ
نسلوں کے سامنے جواب دینا ہوگا۔ آئندہ نسلیں بجائے اُن کا شکر گزار ہونے کے اُن کی شاکی
رہیں گی۔ جب آج سے پچاس برس بعد اہل ہند دیکھیں گے کہ اُن کے زمانے میں باقی ہر قوم

[illegible] سے پیچھے رہ گئے ہو اور اُن میں کسی سے مقابلہ کی قوت باقی نہیں ہے تو [illegible]
[illegible] بڑے اسباب کے ایک سبب اُن کو یہ ثابت ہوگا کہ ہم نے اپنے [illegible]
صنف [illegible] کو آئندہ زندگی کی ضرورتوں کے لئے تیار کیا تھا اور یہی وجہ اُن کے ضعف [illegible]
پستی کی ہے۔

دیگر خیالات کے علاوہ آپ سے اگر کوئی یہ دریافت کرے کہ آپ لڑکوں کی تعلیم کے لئے اس قدر
کوشش کرتے ہیں اور روپیہ صرف کر رہے ہیں اور لڑکیوں کی تعلیم کے لئے نہ تو آپ کے دلوں میں کافی
احساس ہے اور نہ آپ روپیہ صرف کرنا پسند کرتے ہیں اس کی کیا وجہ ہے تو شاید آپ کوئی معقول
جواب نہ دے سکیں گے۔ غفلت شعار انسان اپنی غفلت کے لئے کوئی نہ کوئی بہانہ ضرور پیش کرتا ہے
مگر دوسروں کو قائل نہیں کر سکتا۔ اس وقت ہماری قوم کے تعلیم یافتہ اصحاب کا طریقہ بھی بالکل یہی
ہے کہ جب اُن سے ذرا اصرار سے دریافت کیا جاتا ہے کہ آپ لڑکیوں کی تعلیم کو اسی درجہ اہم کیوں
نہیں سمجھتے جس قدر لڑکیوں کی تعلیم کو تو وہ بیسیوں جا و بے جا بحثیں چھیڑ بیٹھتے ہیں مگر کبھی کسی کی
زبان سے میں نے کوئی معقول عذر نہ سنا۔

صاحبو! وہ نسل جو تعلیم نسواں کی مخالف تھی اُس کا اب دنیا سے قریب قریب خاتمہ ہو گیا ہے
کہیں کہیں بعض کج بحث لوگ ضرور ملیں گے مگر نہ اُن کی آواز میں اثر اور نہ اُن کے اصولوں
میں قوت وہ اب خیالات کے بہاؤ کو ہرگز نہیں روک سکتے۔ اب اگر تعلیم اناث کے رستہ میں کوئی
چیز حائل ہے تو وہ ہمارا ایشیائی تساہل ہے۔ اس مرض سے اگر ہم نجات پا جائیں تو پھر تعلیم اناث
کا مسئلہ ہمارے لئے بہت آسان ہو جائے گا۔

میں آپ کو اور واقعات کی طرف توجہ دلانا فضول سمجھتا ہوں لیکن میں نے اکثر مسلمانوں
کو ایک ایشیائی ملک اور قوم کی مدح سرائی میں بہت ہی رطب اللسان پایا ہے وہ ہمیشہ جاپان
کی مثال مسلمانوں کے سامنے پیش کیا کرتے ہیں کہ دیکھو جاپان نے کیسی ترقی کی ہے لیکن اگر
اُن سے دریافت کیجئے کہ اس ترقی کا راز کیا ہے تو وہ بالکل ساکت ہو جاتے ہیں۔ ایک [illegible]

[illegible] صاحب جو [illegible] ملاقات کرانے [illegible] رہتے ہیں [illegible]
[illegible] تعلیم [illegible] ملاقاتیں سناتے رہتے ہیں۔ وہ بھی اپنے اخبار میں جاپان کی تعریف فرماتے ہیں۔ ایک روز میں نے اُن سے دریافت کیا کہ آخر آپ کوئی وجہ بتا سکتے ہیں کہ جاپان کیوں اس قدر بڑھ گیا۔ اور ہندوستان کیوں اس قدر پیچھے رہ گیا۔ انہوں نے جواب دیا کہ جاپان ایک خود مختار ملک ہے اور ہندوستان محکوم ہے۔ پھر میں نے دریافت کیا کہ چین کی نسبت کیا کہتے ہیں تو فرمایا کہ چین میں لوگ سول اور قابل زیادہ ہیں۔ میں نے کہا ہندوستان میں پارسی بھی تو محکوم ہیں اور تعداد میں تھوڑے سے ہیں اُن کو اپنے سے زیادہ ترقی یافتہ سمجھتے ہو یا نہیں۔ انہوں نے اس کا اقرار کیا۔ اب نتیجہ اُن کے سامنے تھا۔ آخرش خود ہی فرمایا کہ ہاں میں تسلیم کرتا ہوں کہ ہماری جہالت اور غفلت ہی بہت کچھ ہماری تباہی کا باعث ہے۔

صاحبو! جاپان محض ملکی آزادی کی وجہ سے دنیا میں نہیں بڑھا بلکہ سوشیل آزادی کی وجہ سے وہ ملکی آزادی کے معراج کو پہنچا ہے۔ سب سے پہلا کام اُس نے یہ کیا کہ اُس نے تعصبات اور رسمیات کے شکنجوں کو پاش پاش کر کے الگ کیا اور جب آزادی سے آگے بڑھنے کے قابل ہو گیا تو پھر صدیوں کی مسافت مہینوں میں طے کر ڈالی۔ آپ اپنے پاؤں میں اگر بیڑیاں ڈالے رکھیں اور ایک ایسے شخص کے ساتھ مقابلہ کی دوڑ دوڑنا چاہیں جس کے پاؤں کو کوئی روک ٹوک نہیں ہے تو پھر آپ ہی غور کیجیے کہ آپ اُس کا مقابلہ کیسے کر لیں گے۔ جاپان نے جب آنکھ کھول کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ وہ اقوام دنیا میں ایک ادنیٰ اور پست درجہ میں ہے اور دنیا میں کوئی اُس کی وقعت و عزت نہیں ہے نہ اُس کے پاس دولت ہے نہ علم ہے۔ اور نہ صنعت و حرفت ہے تب اُس کو یقین ہو گیا کہ میری پستی کا سبب صرف یہ ہے کہ میں جاہل ہوں اور مجھکو یہ نہیں معلوم کہ دولت کیسے پیدا کرنی چاہیے میں توہمات کے زنجیروں میں جکڑا ہوا ہوں۔ اور میں آگے سرکنے کی کوشش [illegible] کر چلنے سے معذور ہوں۔ [illegible] کی تشخیص کے بعد پھر اُس نے [illegible] کچھ نہ دیکھا [illegible] آبادی کے لیے تعلیم کے دروازے کھول دیئے۔ مردوں کی تعلیم کے ساتھ ساتھ

عورتوں کی تعلیم کا بھی انتظام کیا۔ اور ایسا انتظام کیا کہ آج شاید ہی کوئی ایسا مرد یا عورت ملے جو تعلیم سے بے بہرہ ہو۔ یہیں جاپان کی ترقی کا راز آپ کے سامنے ظاہر ہے۔ اگر جاپان کی ترقی کرنا منظور ہے تو جو طریقے اُس نے اختیار کئے تھے وہی آپ ہی اختیار کیجے۔ خواہ آپ یورپ کی تقلید کریں یا امریکہ یا جاپان کی ہر حالت میں آپ کو علاوہ طریقے اختیار کرنے پڑینگے جو موجودہ دنیا کی ترقی یافتہ اقوام نے کئے ہیں۔ خیالی پلاؤ پکانے سے نہ کسی قوم کو کبھی کوئی فائدہ پہنچا ہے اور نہ اب پہونچنے کی اُمید ہے۔

جاپان کی تعلیم نسواں کی تاریخ میں ایک واقعہ قابل یاد رکھنے کے ہے کہ جب وہاں کے لوگوں کو تعلیم اناث کا احساس ہوا اور انتظام کرنا چاہا تو سب سے اول اُنہوں نے ایک بڑا فنڈ جمع کیا اور چند ماہ میں چھ کروڑ روپیہ جمع کرکے اُس سے ہزاروں مدارس ملک میں ایک ساتھ کھول دیئے اب ببیں تفاوتِ رہ از کجا ست تا بکجا۔ مسلمانوں سے تعلیم اناث کے لئے جب چندہ مانگا جاتا ہے تو کوئی صاحب تو یہ شرط لگاتے ہیں کہ اگر لڑکیوں کو اُردو پڑھائی جائے تو میرا چندہ تعلیم پر ہرگز نہ صرف کیا جائے۔ کوئی صاحب فرماتے ہیں کہ اگر آپ اپنے مدرسہ میں صرف قرآن شریف پڑھائیں تو میں کچھ امداد کرسکتا ہوں اور اگر علاوہ اس کے کچھ اور بھی پڑھائیں تو میں معذور ہوں۔ ایسے مدرسہ میں چندہ نہیں دے سکتا۔ یہ حالت تو پرانے خیالات کے احباب کی ہے۔ جدید خیالات کے احباب نے اس وقت قومی کاموں پر روپیہ صرف کرنے کا سبق ہی نہیں سیکھا۔ وہ سیکھ تو رہے ہیں لیکن اول خویش بعدہٗ درویش کا مقولہ زیادہ تر آن کے پیش نظر ہے اور اپنی ذات پر صرف کرنا جملہ کاموں پر مقدم سمجھتے ہیں اور شاید اپنی ذات پر صرف کے بعد اتنا بچتا بھی نہیں کہ قومی کاموں پر صرف کریں۔ ہاں زبانی حمایت اور لفظی تائید میں کچھ کمی نہیں ہے۔

صاحبو! یہ بات مسلمہ ہے کہ ہندوستان کی مستورات جملہ مہذب اقوام کی مستورات میں سب سے زیادہ جاہل ہیں اور ان میں مسلمانوں کا درجہ اور بھی گرا ہوا ہے۔ ہندوستان میں مشکل سے

[illegible] رکھتا ہے مسلمان عورتیں تو شاید ابھی تک بھی
[illegible] کا قائل نہیں ہے۔ ہندو اس بارے میں مسلمانوں سے کچھ بہت آگے نہیں ہیں
لیکن ان میں اس وقت نہایت سخت کوشش جاری ہے اور یقین ہے کہ چند سال میں مسلمانوں
کو اس صیغہ میں بھی اپنے سے پیچھے چھوڑ کر آگے بڑھ جائیں گے۔ مسلمان مردوں کی تعلیم میں
ابتدائی غفلت کا خمیازہ اس وقت تک اٹھا رہے ہیں لیکن تعجب ہے کہ وہ اس سے کوئی نصیحت
پکڑنے کو تیار نہیں ہیں۔ اگر وہ توجہ کریں تو عورتوں کی تعلیم میں وہ کسی سے پیچھے نہیں رہ سکتے کیونکہ
اس وقت ہندو مسلمان اس بارے میں قریب قریب برابر ہیں۔ مگر یہاں تو ہم قومی حیثیت سے
ہنوز اس مسئلہ کے طے کرنے میں بھی کامیاب نہیں ہوئے کہ آیا عورتوں کو تعلیم دلانا ضروری بھی
ہے یا نہیں۔ اور اگر تعلیم دلائی جائے تو کس قسم کی تعلیم دلائی جائے اور برخلاف اس کے ہندو
صاحبان اس بات کا من حیث القوم فیصلہ کر چکے ہیں کہ عورتوں کا تعلیم دلانا اسی قدر اہم ہے
جس قدر مردوں کو اور تعلیم میں کوئی تفریق و تقسیم نہیں ہو سکتی جو تعلیم مردوں کے لئے مفید ہے وہی
عورتوں کے لئے بھی مفید ہے۔ ہندو صاحبان مدارس اور یونیورسٹیاں کھول رہے ہیں۔ بڑے
بڑے فنڈ جمع کر رہے ہیں۔ اپنی قوم کی لڑکیوں کو تعلیمی پروگرام میں مدد دینے کے لئے تیاریاں
کر رہے ہیں۔ مگر آپ کی جانب سے کوشش تو درکنار شاید آپ میں سے بہت سے اصحاب ایسے ہونگے
جن کو اس کی بھی خبر نہ ہو کہ ہمارے اہل وطن اس معاملہ میں کیا کر رہے ہیں۔ پھر آپ ہی فرمائیے کہ
ہندوستان کی دیگر اقوام سے پیچھے رہنے کو خود آپ سامان بہم پہنچا رہے ہیں یا نہیں۔
مسلمانوں نے بھی چند مقامات پر کچھ کچھ کوشش شروع کی ہے مگر وہ کوشش شخصی کوشش ہے
اور اتنی بڑی قوم پر جیسے مسلمانوں کی قوم کوئی نمایاں اثر نہیں پڑ سکتا۔ آپ اگر تعلیم نسواں
کے متعلق [illegible] سے کوئی کام شروع کرنا چاہتے ہیں تو کم از کم ایک مسلمانوں کا پردہ کا کالج اور
ہر صوبے میں متعدد [illegible] ہائی اسکول قائم کیجیے اور ہر شہر اور قصبے میں متعدد پرائمری کے
مدارس قائم کیجیے میرا تجربہ ہے کہ پردہ تعلیم میں مانع نہیں ہے۔ پردے [illegible] ضرور [illegible]

پردے کے ساتھ اس میں صرفہ ضرور زیادہ پڑتا ہے مگر پردہ تعلیم کے رستہ میں کوئی حقیقی روک نہیں ہے
پس پردہ کے ساتھ آپ تعلیم کا اچھی طرح سے انتظام کر سکتے ہیں اور جو لوگ اس غلط خیال کو اپنے
دماغ میں جگہ دیئے ہوئے ہیں کہ تعلیم کے ساتھ پردہ کی بیخ کنی ہو جائیگی وہ غلطی پر ہیں۔

علی گڑھ میں جو مدرسہ قومی حیثیت سے آج سے گیارہ سال قبل جاری کیا گیا تھا اب وہ
ہائی اسکول کے درجہ تک پہنچا ہے۔ اس کے ساتھ ٹریننگ کی کلاس بھی کھولی گئی ہے اور بورڈنگ
میں بھی اب لڑکیوں کی تعداد بڑھ رہی ہے۔ مگر باوجود اس کے کہ پردہ کا کامل طور پر انتظام ہے
قرآن پاک و دینیات کی تعلیم لازمی ہے۔ مدرسہ مسلمان خاتونوں کی زیر نگرانی میں ہے جو دن رات
بورڈنگ میں رہ کر مسلمان لڑکیوں کو مثل اپنی بچیوں کے اپنے آغوش میں رکھتی ہیں اور ان کی
تکلیف و دکھ درد میں ان کی ماں اور عزیزوں سے بڑھ کر ان کی ہمدردی اور خبرگیری کرتی ہیں
لیکن اس پر بھی باہر سے لڑکیاں کمی کے ساتھ آتی ہیں۔ پنجاب و حیدرآباد و صوبہ متحدہ سے اس
وقت ۲۰ لڑکیاں بورڈنگ میں داخل ہیں اور کم و بیش سو لڑکیاں ڈے اسکالر ہیں طبیعتوں
میں ایک قسم کی جھجک سی بیٹھی ہوئی ہے کہ لڑکی ذات کو کوئی اپنے گھر سے نکال کر کیسے باہر بھیجے
لیکن جن حضرات نے بحث کر کے لڑکیوں کو داخل کرا دیا ہے وہ اب نتائج کے دیکھنے کے بعد
قائل ہیں کہ انہوں نے اس میں مطلق کوئی غلطی نہیں کی بلکہ ایک اعلیٰ اور عمدہ کام کیا ہے۔ جہاں
جہاں کی لڑکیاں ایک مرتبہ آکر مدرسہ میں پڑھ جاتی ہیں وہاں سے چند لڑکیاں اور ضرور آتی
ہیں۔ مگر دقت یہ ہے کہ جہاں کسی لڑکی کی عمر ۱۳ سال کی ہوئی جھٹ ماں باپ کا حکم صادر ہو گیا کہ
اب اس کو فوراً واپس بھیج دیجئے۔ اب اس کی شادی کا وقت آگیا ہے۔ آپ انصاف کیجئے کہ
ایسی قوم میں کوئی تعلیم کے اعلیٰ نتائج کیسے دکھا سکتا ہے۔ لیکن پھر بھی استقلال۔ تحمل محنت اور
فکر نے کبھی ساتھ نہیں چھوڑا۔ اور رفتہ رفتہ مدرسہ اب ایک اعلیٰ پیمانہ پر کام کرنے لگا ہے۔ مدرسہ
کی آمدنی اس وقت سترہ ہزار روپیہ سالانہ کی ہے۔ پندرہ ہزار روپیہ نقد واسطے توسیع
عمارت کے جمع ہے۔ لڑکیاں میٹرک کی تیاریاں کر رہی ہیں۔ اراضیات وغیرہ کافی حاصل

مل گئی ہیں۔ گورنمنٹ ممالک متحدہ اس مدرسے سے نہایت فیاضی کا برتاؤ کر رہی اور گورنمنٹ
وغیرہ میں کبھی کوئی دریغ نہیں کرتی ہے۔ اسلامی ریاستیں حیدرآباد۔ بھوپال۔ بہاولپور
خیرپور اور ٹونک ماہواری امدادیں جاری ہیں۔ آل انڈیا ایجوکیشنل کانفرنس و لیڈیز کانفرنس سے
وظائف کی امداد ملتی ہے۔ ہاں اگر مالی امداد میں کمی ہے تو عام پبلک کی طرف سے۔ ممکن ہے کہ
آیندہ زمانہ میں مسلمان مدرسے سے زیادہ فیاضی کا برتاؤ کریں اس لئے صرف شکایت بھی زبان
پر لانا مناسب نہیں ہے۔ قوم فیاض ضرور ہے مگر فیاضی کے چشمے غلط سمتوں میں بہہ بہہ کر
بجائے فائدہ پہنچانے کے نقصان پہنچا رہے ہیں۔

مندرجۂ بالا رپورٹ پڑھے جانے کے بعد مندرجۂ ذیل رزولیوشن باتفاق آرا حاضرین جلسہ منظور ہوئے۔

رزولیوشن نمبر ۱

مسلمانان گجرات میں تعلیم نسواں کی ضرورت کو یہ شعبہ محسوس کرکے با اثر اور تعلیم یافتہ مسلمانوں سے خواہش کرتا ہے کہ وہ مسلمان لڑکیوں کے مدارس قائم کرنے کی جلد کوشش کریں اور ان مدارس میں مذہبی احکام و پردہ کی پوری پابندی کے ساتھ تعلیم ہو سکے۔

محرک۔ مسٹر محمد احمد منصور صاحب (راندیر)

موئد۔ فرمان دار علی صاحب

رزولیوشن نمبر ۲

اسلامیہ گرلس اسکولوں میں مسلمان معلمات کی ضرورت کے لحاظ سے یہ شعبہ ضروری سمجھتا ہے کہ پونا کے سنٹرل زنانہ اسکول کو فیمیل ٹرننگ کالج کے درجہ تک جلد ترقی دی جائے اور اس لئے یہ شعبہ گورنمنٹ بمبئی سے مستدعی ہے کہ وہ مہربانی سے اس کا انتظام کرے۔

محرک۔ مسٹر محمد احمد منصور صاحب

موئد۔ مسٹر ضیاء الدین صاحب

اس قدر کارروائی کے بعد جلسہ بعد اظہار شکریہ صاحب صدر ختم ہوا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کانفرنس گزٹ

حصہ دوم

(۱) بچوں کی پرورش اور تربیت کے متعلق ضروری باتیں	مترجمہ سید ضمیر الحسن صاحب بی۔ اے (علیگ)

بچوں کی پرورش اور تربیت کے متعلق ضروری باتیں

بچوں کی تربیت کا مسئلہ نہایت اہم ہے اور اس کی طرف خاص توجہ کرنے کی ضرورت ہے ابتدائی تربیت کا اثر بچوں پر نہایت راسخ ہوتا ہے۔ شروع میں جو عادتیں قایم ہو جاتی ہیں وہ مدۃ العمر قایم رہتی ہیں۔ اس زمانہ میں جو طریق عمل اور اصول بچوں کے ذہن نشین کر دیئے جاتے ہیں وہ نقش کالحجر ہوتے ہیں اور سن شعور پر پہنچنے کے بعد یہ عادات و خیالات مثل طبیعت ثانیہ کے ہو جاتے ہیں۔ بمقابلہ سن شعور کے اس زمانہ میں بچوں کی نگہداشت کی زیادہ ضرورت ہے لیکن ہمارے یہاں ہندوستانی سوسائٹی میں اس کا بہت کم لحاظ کیا جاتا ہے اور مناسب توجہ اس طرف مبذول نہیں کی جاتی۔ بیجا لاڈ اور پیار سے بری عادتیں قایم کرا دی جاتی ہیں۔ جب وہ حد اعتدال سے گزر جاتی ہیں اور والدین کے لئے تکلیف دہ ہو جاتی ہیں تو نامناسب اور بے موقعہ سختی سے ان کو چھڑانے کی کوشش کی جاتی ہے جس میں اکثر ناکامی ہوتی ہے۔ ماں باپ اس کو بچہ کی نالائقی پر

محمول کر کے اپنے آپ کو بری الذمہ سمجھتے ہیں لیکن اس میں بچے کا قصور بہت کم
اور زیادہ غلطی والدین کی ہے جنہوں نے ابتدا سے صحیح طریق عمل اور عادات پیدا کرنے
کی کوشش نہیں کی۔ اگر شروع ہی سے اس کا خیال رکھا جاتا تو اس ناگوار صورت کی
نوبت نہ پہنچتی۔ عزیزی سید ضمیر الحسن صاحب بی۔ اے (علیگ) نے بچوں کی پرورش
اور تربیت کے متعلق ایک انگریزی کتاب کے مطالعے سے مستفید ہو کر مضمون تحریر کیا
ہے جو ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔ اُمید ہے مفید اور دلچسپ ثابت ہوگا۔

محمود احمد

بچوں کی پرورش کے خاص مقاصد حسب ذیل ہیں

(۱) ان کو اس قسم کے حادثات سے بچانا جو ان کے جسم کو صدمہ پہنچائیں یا ان کی زندگی اور اعضا کو خطرے میں ڈالیں۔

(۲) بچے کی صحت کلی کا خیال رکھنا۔

(۳) رفتہ رفتہ بچے کی قوت شعوریہ کو بڑھانا۔

(۴) اشیاء گرد و پیش کی معلومات میں اضافہ کرنا۔

(۵) ماں باپ اور اُستاد کی تعمیل حکم کا عادی بنانا۔

(۶) اچھی عادتیں سکھانا، عمدہ اخلاق اور چال چلن کا عادی بنانا۔

(۷) غرض اس طریق پر تربیت کرنا کہ سن شعور پر پہنچنے کے بعد وہ آسانی اور کامیابی کے ساتھ دنیا کے کاروبار میں حصہ لے سکے۔

بچوں کی تربیت میں ان دو باتوں کا خاص طور پر لحاظ رکھنا چاہیئے:-

(الف) جب تک دوسروں کو نقصان پہنچائیں بچوں کو کبھی مت روکو ٹوکو۔

(ب) بچوں میں ابتدا ہی سے تصاویر، موسیقی اور قدرت کی صناعیوں سے حظ اٹھانے کا ذوق پیدا کیا

[illegible] جیسا کہ [illegible] اسکولوں کی ترتیب [illegible] ہے [illegible]
[illegible] کے واسطے غذا کی ضرورت مقصود اس کی ضرورت نہیں کہ غذا قیمتی ہو۔ بلکہ سادہ و [illegible] غذا
ہونا چاہیے۔ مثلاً دال، دودھ، دہی، ترکاری وغیرہ۔

ورزش اس کے متعلق چند ضروری اصول ہیں (۱) ورزش بچوں کی صحت کے واسطے نہایت ضروری ہے (۲) جتنی زیادہ اپنی مرضی سے ہو اتنی ہی مفید ہے (۳) جتنی زیادہ خوش کن ہو اتنی ہی اچھی ہے (۴) جس قدر سادہ ہو اسی قدر فائدہ مند ہے۔

اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ محض جمناسٹک اتنی زیادہ مفید نہیں ہے۔

ورزش مکان کی چار دیواری تک محدود نہیں رہنا چاہیے۔ بلکہ کھلی ہوا میں ہونی چاہیے ہوا صاف اور ستھری ہو جیسی کھلی میدانوں یا سمندر کے کنارے کی ہوتی ہے۔ ورزش اتنی نہیں ہونی چاہیے جس سے تکان پیدا ہو۔ ورزش کے بعد فوراً بچوں کو کوئی چیز نہیں کھلانی چاہیے۔

لڑکیوں کو بھی ورزش کی اتنی ہی ضرورت ہے جتنی کہ لڑکوں کو، لیکن ہماری یہاں ہندوستانی سوسائٹی میں اس امر کی طرف کافی توجہ نہیں کی جاتی۔ جو لڑکیاں ابتدائے عمر میں ورزش کیے ہوئے ہوتی ہیں وہ مضبوط اور تندرست ہوتی ہیں اور زائیدگی کے وقت ان کو تکلیف نہیں ہوتی۔ برخلاف اس کے جن لڑکیوں نے ابتدائی عمر میں ورزش نہیں کی ہے یا بہت کم کی ہے وہ کمزور و لاغر ہوتی ہیں اور ان کو بچہ کی پیدائش کے وقت بہت دقت اور خطرہ ہوتا ہے۔

بچے جبلی طور پر اچھل کود کر ورزش کی طرف مائل ہوتے ہیں، یہ ان کی صحت اور بالیدگی کے واسطے ایک قدرتی امداد ہے۔ اس کود پھاند کو روکنا نامناسب ہے۔ ان کو کھیلنے کے وقت آزادی دینا چاہیے۔ بہت سے ہندوستانی کھیل ایسے ہیں جن سے لڑکے اور لڑکیوں کی کافی ورزش ہو سکتی ہے۔ یہ کھیل پرانے زمانہ کی ایجاد سمجھ کر ترک نہیں کرنا چاہئیں۔ جو نہایت مناسب [illegible] سے بچوں کو فرحت اور ورزش دونوں باتیں حاصل ہوتی ہیں۔ اتنی وسیع آبادی کے [illegible] کے تعلیم مقام کھیل کھیلنا آسان امر نہیں۔

لباس ڈھیلا ڈھالا ہونا چاہیئے تاکہ تمام اعضا اور بالخصوص ہاتھ پیروں کے ہلانے جلانے میں آسانی ہو۔ لباس ہرگز اتنا تنگ نہیں ہونا چاہیئے جس سے بچوں کی بیجانی حرکات میں کمی ہو۔ نہ کوئی کپڑا ایسا تنگ ہو جس سے دوران خون یا سینہ اور حصۂ زیرین کی حرکات رک جاویں کپڑے ایسے تنگ بھی نہیں ہونے چاہئیں جن سے بچوں کے بدنوں پر مستقل طور سے نشانات قائم ہو جائیں۔ ایسے نشانات لڑکوں اور لڑکیوں کے پائجامے کے کمر بند کس کر باندھنے سے ہو جاتے ہیں کیونکہ پائجامے یا دھوتیاں اکثر بہت کس کر باندھی جاتی ہیں۔ بعض اوقات صدریاں بھی بہت تنگ بنائی جاتی ہیں جن کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ لڑکیوں کے سینوں کی قدرتی حرکت رکتی ہے جن سے ان کے سینے پتلے رہ جاتے ہیں اور بعض اوقات امراض بھی پیدا ہو جاتے ہیں

مندرجۂ بالا عام ہدایات بستر کے لئے بھی قابل عمل ہیں۔ دن میں بستروں کی تہ نہیں کرنا چاہیئے بلکہ ان کو صاف ہوا میں پھیلا دینا چاہیئے تاکہ تمام بدبو دور ہو جائے۔ سوتے میں بچوں کا منہ ہاتھ ڈھانکنا بڑی غلطی ہے۔ کیونکہ اس وجہ سے سانس کے ذریعہ سے خارج شدہ ہوا باہر نہیں جا سکتی۔ اس خارج شدہ ہوا کو بار بار سانس کے ذریعہ سے پھیپڑوں میں داخل کرنا بہت مضر ہے۔

بعض والدین بہت ہی ابتدائی عمر میں بچوں پر بیجا بار ڈال کر ان کی دماغی ترقی کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ ایک بڑی غلطی ہی نہیں بلکہ بیوقوفی ہے۔ کیونکہ اس سے بچہ کا جسم کمزور ہو جاتا ہے۔

باپ کو ہمیشہ اور سرگرمی سے بچے کے ساتھ ہمدردی کرنا چاہیئے۔ جن باتوں سے بچہ کو خوشی ہوتی ہے اس سے باپ کو خوش ہونا چاہیئے۔ اس سے بچہ کی خوشی دگنی ہو جاتی ہے اگر بچہ اپنی مرضی کے موافق اپنے کھلونوں کو ترتیب دے اور باپ سے اس کے دیکھنے کی خواہش کرے تو باپ کو انکار نہیں کرنا چاہیئے بلکہ خوشی سے دیکھنا اور اپنی مسرت کا اظہار کرنا چاہیئے باپ کو بچے کی مشکلات اور تکالیف پر اس کے ساتھ ہمدردی کرنا اور اس کا اظہار کرنا چاہیئے

بعض باپ بچوں کے ساتھ ایسا برتاؤ کرتے ہیں کہ ان کی غیر حاضری سے بچوں کو خوشی ہوتی ہے
بے شک نہیں یہ غرض کہ بچوں کو ہر طریقہ سے یہ یقین ہونا چاہیئے کہ باپ ان کو خوش کرنے
والا ہے نہ کہ تکلیف دینے والا۔

یاد رکھنا چاہیئے کہ بچے نقل کی طرف بہت مائل ہوتے ہیں۔ اگر باپ کا نمونہ اچھا ہے تو
اس سے بچے پر تمام نصائح سے زیادہ سودمند اثر پیدا ہوگا۔ اگر باپ ہمیشہ غضبناک رہتا ہے تو
بچہ بھی جلد اس کی نقل کرنے لگے گا۔ اگر باپ بے تہذیب ہے تو بچہ بھی بہت جلد ایسا ہی ہو جائے گا
جب یہ بات ہے تو باپ کو بچہ کی موجودگی میں اسی قسم کا برتاؤ کرنا چاہیئے جیسا کہ وہ بچے سے
آئندہ زندگی میں امید رکھتا ہے۔ عام طور پر گھر کے تمام لوگوں کو اس اصول کو پیش نظر رکھنا چاہیے
اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ بچہ کو بری صحبت سے بچانا چاہیئے۔ غذا جتنی پسندیدہ ہوگی اتنی ہی زیادہ
جزو بدن ہوگی۔ معلومات جتنی زیادہ پسندیدہ ہوگی اتنی ہی دماغ میں زیادہ قائم رہ سکے گی اس
اہم اور مسلمہ حقیقت کو سمجھو اور اس کے مطابق عمل کرو۔ ہندوستانی اچھی طرح جانتے ہیں کہ غذا کو
کس طرح پسندیدہ بناتے ہیں۔ برخلاف اس کے وہ معلومات کو پسندیدہ بنانا عمدہ طریقہ پر نہیں
جانتے۔ ذیل میں موخر الذکر امر کے متعلق چند تجاویز پیش کی جاتی ہیں :-

ہر بچہ میں قدرت نے گرد و پیش کی اشیا اور حالات کی کرید اور تلاش کا مادہ پیدا کیا ہے
وہ اپنے حواس کے ذریعہ سے اپنے گرد و پیش کی اشیا کو معلوم کرنے کی کوشش کرتا ہے اور
ان کے حالات معلوم ہونے پر خوش ہوتا ہے۔ وہ ان کو دیکھتا، محسوس کرتا، حرکت دیتا، چکھتا،
سونگھتا اور سنتا ہے۔ یہ طریقہ برابر جاری رہتا ہے اور اس سے بچہ ہر شے کی حقیقت سمجھنے کی کوشش
کرتا رہتا ہے۔ جب کسی خاص چیز کے متعلق بچہ اپنی معلومات پوری کر لیتا ہے تو اس چیز سے اس کو
کبھی دلچسپی نہیں رہتی۔ وہ اس کے بعد اس چیز کو نہیں دیکھتا۔ پھر دوسری چیز کی ماہیت دریافت
کرنے کی اس کو تلاش رہتی ہے۔ لہذا بچے کی عام واقفیت بڑھانے کے لئے باپ کو بعد و جبر
نئی چیزوں کو بچے کے سامنے لانا چاہیئے۔ پرانی اور پہلی دیکھی ہوئی چیزیں بھی اگر دلچسپ طریقہ

[illegible] میں بھی اس کو دلچسپی ہوگی۔ مثلاً بانس کی چھڑی سے بچہ [illegible]
ہوگی لیکن اگر تین چھڑیوں کو ایک جگہ جمع کرکے ایک تپائی کی شکل بنائی جائے جس [illegible]
کھلونوں کا صندوقچہ رکھ سکے تو اس سے بچہ کو فوراً دلچسپی پیدا ہوگی اور وہ ایسی دوسری تپائی
بنانے کی کوشش کرے گا۔ یا مثلاً کارڈ جن کو بچہ پیشتر دیکھ چکا ہے کوئی دلآویزی نہیں رکھتے
لیکن ان سے ایک گھروندا بناؤ تو بچہ بہت خوش ہوگا اور کارڈ کا دوسرا گھروندا بنانے کی کوشش
کرے گا۔ یا کسی دھات کے تار سے بچے کو کبھی دلچسپی نہیں ہوتی، لیکن اسی تار کو دو لکڑی کے
ٹکڑوں پر پھیلاؤ اور اس کو بجاؤ اس سے بچے کو بے حد دلچسپی اور مصروفیت ہوجاتی ہے۔ اس
قسم کی اور بہت سی مثالیں بیان کی جاسکتی ہیں۔

لطف زندگی کے لئے تمام مدارج عمر میں خوش خوئی نہایت ضروری ہے۔ لہٰذا بچپن ہی سے
بچے کو اس کی عادت ڈالو۔ خود تمہاری خوش مزاجی سے بچے میں یہ عادت بہت جلد اور اچھی طرح
پیدا ہوسکتی ہے۔ بچے سے مسکراہٹ کے ساتھ ملو۔ اس سے ہنس کر بولو۔ غصہ نہ کرو۔ بچے کو خوشی
کی حالت میں رکھو اور جہاں تک ہوسکے اس کی خوشی کو نہ روکو۔ ان تمام امور کی اہمیت کو کافی
طور پر سمجھا جائے اور پیش نظر رکھا جائے تو یہ تمام باتیں بہت آسان ہیں۔

بچے کی تربیت کے زمانہ میں اس اصول کو پیش نظر رکھنا چاہیئے کہ جہاں تک ممکن ہو بجائے
سختی کے پھسلا کر بچے سے کام لیا جائے جتنا زیادہ تم بچے کو اعتدال کا عادی بناؤ گے اتنا ہی
سن شعور پر پہنچنے پر اس کے لئے مفید ہوگا۔ اس کا لحاظ رکھو جو بات تم بچے کو سمجھاؤ وہ نہایت
صاف اور قابل فہم طریقہ پر ہو۔ جب تم اس کو کوئی حکم دو یا کسی کام کو منع کرو تو اس کے [illegible]
کی وجہ سمجھا دو۔ جب بچہ کسی بات کو سمجھانے کے وقت بحث کرے تو تم اس کو سنو اور اس کی
ہمت افزائی کرو۔ جب بچے آپس میں کوئی بحث کریں تو اس کو بھی سنو ان کی ہمت افزائی کرو
اور اپنی پسندیدگی یا ناپسندیدگی سے ان کی امداد کرو۔ جب ان میں کوئی اختلاف پیدا ہو [illegible]
ہمت دلاؤ کہ وہ اس معاملے کو تمہارے سامنے پیش کریں۔ ان معاملات میں [illegible]

[illegible] سوال پیدا کرنے کی اہمیت کو سمجھ لیا ہو اور اس کی کوشش کرو
[illegible] بچے ان [illegible] قبول کر سکتے ہیں۔

فطری استعجاب کی تحریک پر بچہ اکثر سوالات دریافت کرتا ہے ایسا کرنے پر اس کو روکنا
درست نہیں کرنا چاہیے۔ سوالات بچوں کے متعلق معلومات بہم پہنچانے کی خواہش کا اظہار
ہیں جب کوئی سوال تمہارے سامنے کیا جائے تو بچے کو ڈانٹو مت بلکہ اس کو قابل فہم اور
سلیس طریقے پر سمجھا دو جب بچہ تمہاری میز کے قریب آئے اور دریافت کرے کہ فلاں چیز کیا ہے
اور کیسی ہوتی ہے تو بہتر ہے کہ بجائے محض سمجھانے کے تم اس کو دکھلا دو۔ جو چیز بچہ مشاہدہ کر لیتا ہے
اس کو بمقابلہ سنی ہوئی چیزوں کے زیادہ آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔ لہذا اس کا خاص اہتمام رکھو کہ جو کچھ
بچے کو بتلانا چاہو وہ حتی المقدور اس کو دکھا دو۔

جہاں تک ممکن ہو سکے بغیر دوسرے کی مدد کے بچے کا کام خود اسی سے کراؤ۔ مثلاً نہاتے وقت
خود ہی پانی ڈالے خود ہی اپنا بدن ملے۔ وہی بدن خشک کرے۔ برتنوں کو صاف کرے۔ اپنا لباس
خود ہی پہنے۔ بالوں میں اپنے ہاتھ سے کنگھا کرے خود ہی باندھے۔ اپنے ہاتھ سے کھائے اور اپنے
آپ کھلونوں کی نگرانی کرے۔ اگر کرسی ایک جگہ سے دوسری جگہ ہٹانا ہے تو بچے ہی سے ہٹوانا چاہیے
اگر بچہ کو کوئی چیز منگوانی ہے تو خود ہی لائے۔ اگر کھلونوں کو ہٹانا چاہے تو خود ہٹائے۔ چھتری اپنے
لگائے۔ نوکر سے چھتری لگوانے کی عادت بہت بری ہے۔ بچے والدین کا کام بھی بہت شوق سے کرتے
ہیں جہاں تک ہو ان کو کرنے دو۔ کیونکہ اس سے ایک کارآمد عادت قایم ہوتی ہے۔ بچے کو عادی
کرنا چاہیے کہ وہ بغیر نوکر کی مدد اپنی چیزیں خود ہی مہیا کرے۔ کیونکہ ممکن ہے وہ آیندہ عمر میں نوکر
رکھنے کے قابل نہ ہو سکے۔ بچے کو گود میں چڑھائے پھرنے کی عادت بہت خراب ہے جب تک کہ
خود چل سکتا ہو یا فاصلہ زیادہ نہ ہو ایسا نہ کرنا چاہیے۔ امیروں کے بچوں کو بھی سکھلانا چاہیے
کہ وہ اپنا کام اپنے ہاتھ سے کریں اور اس کو ذلت اور حقارت کی نگاہ سے نہ دیکھیں۔

لڑکے کو بے رحمی سے پیٹنا اور ان کے پھوٹ پھوٹ کر رونے پر خاموش رہنے کا حکم دینا

[illegible] فقط حصول ہی۔ بچہ خاموش نہ رہ سکنے کی وجہ سے روئے جاتا ہے۔ باپ غلط معنی
ضد پر محمول کرتا ہے اور غضبناک ہو کر اس کو لو پیٹتا ہے۔ میں نے بسا اوقات اس قسم کے واقعات
دیکھے ہیں اور اُن پر افسوس کیا ہی۔ بچہ کسی اندرونی درد یا تکلیف کی وجہ سے جو باپ کو معلوم نہیں
ہی متواتر روئے جاتا ہی۔ باپ اس کو ہٹ یا ضد سمجھ کے بچے کو پیٹ کر خاموش کرتا ہے۔ بچہ اتفاقاً
کوئی بوجھ اپنے پیر پر گرالے اور اس کی تکلیف سے روئے تو باپ غصہ سے دوڑ کر آتا ہی اور بجائے
اس کے کہ بچے سے ہمدردی کرے اور اُس کو تسلی دے اس حماقت پر اُس کو مارنے لگتا ہے۔
ماں بھی جب دیکھتی ہی کہ لڑکی نے روٹی پکاتے میں اپنی اُنگلیاں جھلسالی ہیں تو وہ بھی لڑکی کو مارنے
لگتی ہے۔ اس قسم کی مثالیں بھی پائی جاتی ہیں کہ باپ بچے کو ایسی چیز سمجھانے کی کوشش کرتا ہی
جو اس کے فہم سے باہر ہے اور وہ اس کو سمجھنے سے قاصر رہتا ہی تو باپ اس معصوم اور بے گناہ
بچے سے بُرا برتاؤ کرتا ہے۔ ایسی باتوں سے پرہیز کرنا لازمی ہی۔

ماں باپ گھر پر اپنی مثالوں سے صفائی و ستھرائی بچوں کو خوب سکھلا سکتے ہیں جس مکان
میں بچہ رہتا ہے اگر وہ صفائی و ستھرائی کا بہترین نمونہ ہو تو بچہ صفائی کا عادی ہو جاتا ہے اور
اس کے خلاف حالت کو بہت ناپسند کرنے لگتا ہی۔ بچے کو ہمیشہ سمجھانا چاہیئے کہ غلاظت اور بدبو
بیماری اور موت کا باعث ہیں۔ کثیف ہی لوگوں کی مثالیں نہ دے۔ ان کو سمجھا دو۔ بچے کو اکثر بتلاتے
رہنا چاہیئے کہ غلیظ پانی سے بہت سی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔ ان کو سمجھاؤ کہ صاف اور خراب
پانی اور صاف و خراب ہوا کیسی ہوتی ہے۔ بچے کو یقین دلا دو کہ صاف ہوا اور صاف پانی
صحت کے لئے لازمی ہیں۔

آنکھوں کے اشارے پر ہاتھوں اور انگلیوں کا کام کرنا۔ بہت سے کاریگروں اور صناعوں کا انحصار
اس کے اوپر ہوتا ہی۔ لہٰذا جن کاموں میں اس قسم کی مہارت ہوتی ہو اور ہاتھ کی پھرتی اور سبکی کو
بڑھاتے ہوں اُن کو بچے کی پسندیدگی کے مطابق کرنے دو۔ مثلاً گولیاں کھیلنا۔ قلم یا پنسل بنانا
مٹی یا موم کی چیزیں بنانا۔ سوئی سے سینا۔ قینچی سے تصویریں تراشنا۔ تصویریں بنانا۔ لکیر کھینچنا

[illegible] جن سے جسم زیادہ تھکا کر صحت کی خرابی پیدا ہو۔ لہذا [illegible]

[illegible] صحت کی ایک [illegible] ہے

مثلاً یہ ہے کہ دماغ اور جسم میں قریبی تعلق ہے۔ دونوں یکساں اہمیت رکھتے ہیں لہٰذا ان کی ترقی میں بھی دونوں کی یکساں ہونی چاہیئے۔ اگر جسم کو زیادہ ترقی دو گے دماغ کو نقصان پہنچے گا۔ اسی طرح دماغ کو زیادہ ترقی دینے سے جسم کو نقصان پہنچے گا۔ ہندوستان میں موخر الذکر طریقہ مروج ہے۔ حالانکہ خاص منشا یہ ہو کہ جسم و دماغ دونوں صحت کی حالت میں رہیں۔ دونوں میں سے اول الذکر یعنی جسم کی طرف اول توجہ کرنی چاہیئے۔

ایک تندرست جسم اور جس عالم کے بہ نسبت ایک کمزور جسم اور عالم کے زیادہ خوشی ہوتی ہے۔ جسم اور دماغ دونوں میں قدرتی بالیدگی کا رشتہ ہے۔ باپ کا مقصد یہ ہونا چاہیئے کہ وہ اس قدرتی بالیدگی کو امداد دے نہ کہ بیجا زور ڈال کر اس کو جوش میں لانے کی کوشش کرے۔ اگر بچہ بہت زیادہ پڑھنے کے رجحان کا اظہار کرے تو بجائے ہمت افزائی کرنے کے اس کو روکنا چاہیئے۔ اگر ہونہار لڑکا ۱۴ سال کی عمر میں میٹریکولیشن پاس کر سکتا ہے تو اس کو مجبور نہ کرو کہ وہ گیارہ سال کی عمر میں پاس کرے۔ عام اصول جو پیش نظر رہنا چاہیئے یہ ہے کہ دماغ پر اتنا بے جا بار نہ ڈالا جائے جس سے جسم کمزور ہو جائے۔

جسم اور دماغ میں سے کس کی جانب زیادہ توجہ ہونی چاہیئے۔ باپ کو مستقل طور پر اس کا تصفیہ کر لینا چاہیئے کہ ان دونوں میں سے کونسی چیز بچہ کی آئندہ زندگی کے لئے مفید ہے۔ مثلاً مزدور کے لئے پٹھے زیادہ مفید ہیں اور منشی کے لئے دماغ زیادہ مفید ہے۔ مزدور سے زیادہ ایک پہلوان کو پٹھوں کی ضرورت ہے۔ ایک عالم کے لئے بمقابلہ قلی کے پٹھوں کی کم ضرورت ہے۔ [illegible] سپاہی کو مضبوط جسم کی ضرورت ہے۔ اس کو یاد رکھنا چاہیئے کہ تمام ملکوں میں عام طور پر ہندوستان میں خاص طور پر جسمانی محنت کے مقابلہ میں دماغی محنت کی زیادہ ضرورت ہے۔ [illegible] ضروریات زندگی کے اسباب مہیا کرنے کا زیادہ یقینی ذریعہ ہے۔

دوادینا بچوں کی صحت کے متعلق انتہائی تشویش میں ہندوستانی والدین بچوں کو دوا دینے کے بہت زیادہ شایق ہیں۔ بچوں کو دوا صرف اُسی وقت استعمال کرانی چاہیئے جبکہ ضرورت ہو۔ قدرتاً بچوں کو دوا کی جانوروں کے بچوں سے جو بغیر کسی دوا کے نشو ونما پاتے ہیں زیادہ ضرورت نہیں ہے جب بچے دوا پینے سے انکار کرتے ہیں ہندوستانی ماں باپ اکثر ان سے سختیانہ سختی کا برتاؤ کرتے ہیں۔ یہ بالکل غلط اصول ہے۔ اگر مندرجۂ بالا طریقوں کے مطابق والدین نے اپنے بچوں پر مناسب اثر قایم کرلیا ہو تو وہ بچوں کو باپ کے حکم پر خاموشی سے دوا پلا سکتے ہیں چونکہ ابتدائی عمر میں چیچک کا ٹیکہ بہت مفید ہوتا ہے اس لئے بچوں کے ٹیکہ ضرور لگوا دینا چاہیئے۔ ہندوستانی ماں باپ اس پیش بندی سے غفلت کرتے ہیں یا بہت زیادہ تساہل سے کام لیتے ہیں جس کا افسوسناک نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ چیچک سے بہت سے بچے ضائع ہو جاتے ہیں بچوں کی اکثر آنکھیں دُکھنے لگتی ہیں ایسی شکایتوں کے ہر ہسپتال میں بہت سادہ علاج موجود ہیں جن سے آسانی سے یہ مرض جاتا رہتا ہے۔ بجائے مناسب علاج کے ہندوستانی والدین اکثر بچوں کا علاج بے اٹکل اور جاہل طبیبوں سے کراتے ہیں جس کا نتیجہ بعض اوقات یہ ہوتا ہے کہ پیارے بچوں کی آنکھیں کم و بیش ہمیشہ کے لئے خراب ہو جاتی ہیں۔ والدین کو یاد رکھنا چاہیئے کہ آنکھ تمام اعضا سے زیادہ اہم ہے اور اس کو معمولی بات نہیں سمجھنا چاہیئے۔

بچوں کی اچھی اور بُری صفات کونسی اچھی صفات ہیں جن کے کرنے میں بچوں کی ہمت افزائی کی جائے کونسی بُری صفات ہیں جن سے بچوں کو روکنا چاہیئے؟ اس کا جواب صاف ہے۔ وہ صفات اچھے ہیں جن کی دنیا میں عام طور پر تعریف کی جاتی ہیں اور پسندیدگی کی نظر سے دیکھی جاتی ہیں۔ وہ صفات بُری ہیں جن کو آدمی عام طور پر دنیا میں قابل ملامت سمجھتے ہیں۔ باپ کو چاہیے کہ اول بچے کو سکھائے کہ وہ اپنے والدین بھائی بہن اور دوسرے عزیز اقارب کی نظر میں عزت و محبت حاصل کرے۔ بعد ازاں اپنے ہمسایوں اور دوسری لوگوں کی نظر میں عزت حاصل کرے۔ راستگوئی اور ایمانداری جیسی ضروری صفات بچے میں پیدا کرنی

[illegible] کرنی چاہیے۔ آداب و اخلاق کی اہمیت کا بھی لحاظ رکھنا چاہیے۔

ملازم۔ اس بات کا بہت زیادہ خیال رکھنا چاہیے کہ گھر کے ملازم کوئی بُری بات یا کوئی بُرا نمونہ بچوں کے سامنے پیش نہ کر سکیں۔ مجھے اس قسم کی مثالیں معلوم ہیں کہ ملازموں نے نہایت اعلیٰ خاندان کے بچوں کو نقصان پہنچایا ہے۔ جہاں تک ممکن ہو خوش چلن، راست گو اور دیانت دار ملازم رکھے جاویں۔

جس طرح کہ ہر شخص کو معلوم ہے کہ چلنے یا چڑھنے میں بچہ سیڑھی بہ سیڑھی چڑھتا ہے اسی طرح صاف طور پر ہر شخص یہ نہیں سمجھتا کہ علم میں بھی رفتہ رفتہ ترقی ہونی چاہیے۔ اس اصول کو مدنظر رکھو اور اس کے مطابق بچے کو سکھلاؤ۔ فرض کرو تم بچے کو یہ بتانا چاہتے ہو کہ برتن کس طرح بنتے ہیں۔ پہلے اس کو جمع شدہ مٹی دکھلاؤ۔ پھر اس کو دکھاؤ کہ مٹی میں کس طرح پانی ملایا جاتا ہے۔ پھر اس کو دکھاؤ کہ کس طرح چاک پر رکھکر یہ ہاتھ سے بنائے جاتے ہیں پھر دکھاؤ کہ چاک پر سے کس طرح برتن اتارتے اور آگ میں پکاتے ہیں۔ اس طریقہ پر بچہ سب کچھ آسانی اور عمدگی سے سمجھ جاویگا۔ یہی طریقہ اس وقت بھی اختیار کرنا چاہیے جب تم بچے کو یہ سکھانا چاہو کہ کپڑا کس طرح بُنا جاتا ہے۔ اول بچے کو کپاس کے درخت کے پاس لے جاؤ اور اس کے سامنے کپاس درخت میں سے توڑو۔ پھر اس کو دکھلاؤ کہ اس میں سے کس طرح بنولے علیحدہ کئے جاتے ہیں۔ پھر صاف روئی سے کس طرح دھاگا کاتا جاتا ہے۔ پھر دکھاؤ کس طرح دھاگے اکٹھے کئے جاتے ہیں رفتہ رفتہ تمام مدارج دکھا کر اس کو سمجھاؤ کہ کپڑا کس طرح تیار ہوتا ہے۔ اس اصول کو ہر وقت اور ہر درجہ تعلیم میں پیش نظر رکھنا چاہیے۔ اگر بغیر دوسری شکلیں سمجھائے ہوئے تم کوشش کرو کہ بچے کو ایک دم اقلیدس کی سینتالیسویں شکل سمجھا دو تو اس میں تمہیں ناکامی ہوگی۔ ہمیشہ درجہ بدرجہ سمجھانے کی کوشش کرو اور جب تک بچہ ایک بات نہ سمجھ جاوے دوسری بات مت سمجھاؤ۔

بچے کہانیاں سننے کے بہت شوقین ہوتے ہیں۔ ماں باپ کو چاہیے کہ کبھی کبھی کوئی اچھی کہانی سنایا کریں۔ کہانی محض خوش کرنے ہی کے لئے نہ ہونی چاہیے بلکہ اس سے کوئی

[illegible] ہو۔ چونکہ کہانی بھی [illegible] [illegible] [illegible]

[illegible] جو بچوں ہی کے متعلق اور انہیں کی دلچسپی کی ہوں علاوہ دلچسپی کے [illegible]

ہونی چاہئے اور قرین قیاس بھی ہو۔ بچہ کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ واقعی کسی واقعہ کا بیان ہے محض افسانہ نہیں ہے۔ ہندوستانی کہانیاں اکثر خراب ہوتی ہیں کیونکہ اس میں غلط اور فوق الفطرت واقعات کا بیان ہوتا ہے۔ بھوت پریت اور مافوق الفطرت باتوں کا بیان ہرگز بچوں کی کہانیوں میں نہیں ہونا چاہیئے۔ اس کو یاد رکھو کہ جس طرح تصویر اشیاء قدرتی کا صحیح نمونہ ہوتی ہے کہانی بھی صحیح واقعات کا نمونہ ہونی چاہیئے۔ ایک ذہین باپ بہت سی دلچسپ اور مفید کہانیاں سنا سکتا ہے۔ وہ اس قسم کی کہانیاں اچھی کتابوں میں سے چھانٹ سکتا ہے۔ اگرچہ اس قسم کی اچھی کتابیں بہت کم ہیں۔ باوجود اس کمی کے بھی غریب سے غریب باپ بچوں کو چند واقعی حالات بطور کہانی کے سنا سکتا ہے۔ مثلاً اس قسم کے واقعات کہ زیور کی بدولت کس طرح فلاں لڑکا یا لڑکی جان سے مار ڈالے گئے۔ ان کو سناؤ کہ کس طرح ایک لڑکا لاپرواہی سے درخت پر چڑھ گیا اور وہاں سے گر کر اس کی ٹانگ ٹوٹ گئی۔ کیسے ایک لڑکی نے لاپرواہی سے آگ جلائی کہ اس کے کپڑوں میں بھی آگ لگ گئی اور اس سے وہ بری طرح جل گئی۔

بچہ کو بید یا کوڑے سے مارنا بدترین اور بہت ہی نقصان دہ سزا ہے۔ اسی طرح ہر قسم کی مار پیٹ بھی نقصان دہ ہے۔ مجھے اس قسم کے بہت سے واقعات معلوم ہیں کہ بچے محض اس سزا کی بدولت خراب ہو گئے ہیں۔ ایک مہذب باپ کو اس قسم کی وحشیانہ سزا دینے کی ضرورت محسوس نہ ہوگی بلکہ مقصد بچے پر اس کے دل و دماغ کے ذریعے سے اثر ڈالنے کا ہو نہ کہ اس کے بدن کے ذریعے سے۔ جس طرح انعام کا منشا یہ ہے کہ بچہ کو خوشی ہو اسی طرح سزا کا منشا ہے کہ بچے کو [illegible] تکلیف ہو۔ بچے کو جس طرح خوش دینا آسان ہے اسی طرح اس کو تکلیف دینا بھی بہت آسان ہے۔ عام طور پر سزا اس قسم کی ہونی چاہیئے کہ بچے کو کوئی انعام دینے سے انکار کیا جائے یا [illegible] ترک کیا جائے یا کچھ عرصہ کے لئے ملتوی کر دیا جائے یا بعض اوقات [illegible]

[illegible] لوٹ جاتے۔

[illegible] کا ہی کہ ایک ہوشیار باپ اتنی ہی سزا دے [illegible] کہ اگر کوئی بچہ شرارت کرے تو باپ کو کہنا چاہیئے کہ تم نے اس قسم کی شرارت کی ہے لہٰذا میں تم کو فلاں فلاں انعام جو دینے کا ارادہ کرتا تھا نہیں دوں گا۔

"میں تم کو باغ نہیں لے جاؤں گا۔" "میں تمہیں عجائب گھر نہیں لے چلوں گا۔" "میں تمہیں میلے میں نہیں لے چلوں گا۔" "میں دوسرے بچوں کو گاڑی میں سیر کے واسطے لے جاؤں گا مگر تم کو گھر پر چھوڑ جاؤں گا۔" "تماشا میں تمہیں حصہ نہیں دوں گا۔" "دوسرے بچوں کو کھلونے دوں گا مگر تمہیں نہ دوں گا۔" "تمہیں میجک لینٹرن نہیں دکھلاؤں گا۔" "میرے پاس تصویروں کی کتابیں ہیں مگر میں تمہیں نہیں دوں گا۔" "میں تم سے نہیں بولوں گا۔" "میں تمہیں جیب خرچ نہیں دوں گا۔" "تمہارا جیب خرچ کم کر دوں گا۔" "فلاں فلاں چیز تم سے واپس لے لوں گا۔"

اس قسم کی مثالوں سے معلوم ہو جائے گا کہ ہمارا کیا منشا ہے۔

اگر بچہ کسی چیز کا غلط استعمال کرے تو اس سے وہ چیز لے لو۔ مثلاً وہ اگر کوڑے سے کسی نوکر کو مارے تو کوڑا واپس لے لو۔ یا گیند سے بھائی بہن کو مارے تو گیند چھین لو۔ چھتری سے کسی کو مارے تو چھتری چھین لو۔ اگر لاپرواہی سے بچہ کسی چیز کو توڑ دے یا کھو دے تو باپ کو چاہیئے کہ دوسری چیز نہ لا کر دے۔ اگر کوئی بچہ کسی دوسرے بچے کی چیز زبردستی چھین لے تو اس سے وہ چیز واپس کرا دو۔ اگر کوئی بچہ دوسرے بچے کی چیز توڑ دے یا کھو دے تو اس کے کھلونوں میں سے بدلے میں ویسے ہی کھلونے دلوا دو۔ اگر کوئی چیز خراب کرے تو جہاں تک ممکن ہو اسی سے اس کو درست کراؤ۔ مثلاً اگر وہ کمرے میں کاغذ کے ٹکڑے پھیلا دے تو وہ تمام ٹکڑے اسی سے اٹھوا دو اور کوڑے کی جگہ پھنکوا دو۔ اگر وہ دیوار پر لکیریں کھینچے تو اسی سے اس کو مٹوا دو۔ اگر کسی دوسرے بچہ کا کھلونا توڑ دے تو اس کے جیب خرچ سے خرید کر اس بچہ کو دلا دو۔ غرض کہ تجربے سے ان ہی اصول پر چلنا [illegible]

[illegible] اصول پر آدمی باہم کرتے ہیں۔ بلحاظ دیگر اُن کے ساتھ جیسے خود بڑا ہی [illegible]
برتاؤ ہونا چاہیئے جو جوان ہونے اور دنیا میں داخل ہونے کے بعد اُن کے ساتھ ہو۔
اس طرح پر وہ ابتدائی عمر میں دنیا کے طریقوں سے آگاہ ہو جائیں گے۔ بچے کو عادی بنا
کہ وہ اپنی بدتمیزی پر متاسف ہو اور افسوس کا اظہار کرے اور آیندہ چھوڑ دینے کا وعدہ
کرے۔ بچے پر ناراض ہوتے وقت سخت اور خلاف تہذیب الفاظ سے گریز کرنا چاہیئے
اُن کے موقعوں پر باپ کو بچے کے ساتھ اسی اصول پر برتاؤ کرنا چاہیئے جیسا کہ ایسے
معاملہ میں اس کے بزرگ اُن کے ساتھ کرتے۔ مثلاً بچے کو بے وقوف یا گدھا نہیں کہنا
چاہیئے۔ بچہ کو کسی اتفاقیہ غلطی پر یا بلا ارادہ خطا سرزد ہونے پر سزا مت دو۔ مثلاً ٹھوکر
کھانے یا اتفاقیہ کوئی چیز توڑ دینے یا بلا ارادہ کرسی وغیرہ اُلٹ جانے یا دوات
اُلٹ جانے پنسل یا سلیٹ ٹوٹنے یا اور اسی قسم کی غلطیوں پر جو بلا ارادہ نہ کی گئی ہوں
سزا نہ دینی چاہیئے۔ ایسے کاموں پر بھی جن سے کوئی نقصان نہ ہوتا ہو بچہ کو سزا نہ دینی
چاہیئے۔ مثلاً ایک دوسرے کے پیچھے دوڑنے شور مچانے یا چلاّ کر ہنسنے یا کسی پرند
یا جانور کی سی آواز نکالنے پر سزا نہ دینی چاہیئے۔ جب تک کہ باوجود منع کرنے کے بچے
کام کو نہ کئے جائے۔ مناسب موقعوں پر بچہ کو باپ کی نافرمانی پر سزا ملنی چاہیئے اس
قسم کے واقعات میں جہاں بچہ کو کسی کام یا خطا کر چکنے کے بعد خود ہی تکلیف ہوتی تو
تم اپنی سزا کا اضافہ مت کرو۔ مثلاً بچہ لڑکھڑا کے یا بلندی پر سے گر پڑے اور اُس کی
وجہ سے اپنے بدن کو چھیل لے تو تم سزا نہ دو۔ خراش کی تکلیف خود کافی سزا ہے اور آیندہ
کے لئے اس کو ہوشیار کر دے گی اس لئے باپ کو ایسے موقعہ پر اپنی سزا کا اضافہ کرنا بالکل
غیر ضروری ہے۔ یاد رکھو کہ قدرتی سزائیں جیسا کہ اوپر مثیلاً بیان کی گئیں مصنوعی سزاؤں سے
زیادہ بہتر ہیں۔ جیسا کہ عام آدمیوں پر حکومت کرنے کے لئے انعامات ضروری ہیں ویسے ہی
بچوں پر حکومت کے لئے بھی ضروری ہیں۔ جس طرح کہ عام طور پر آدمیوں کی اچھی باتوں کا

[illegible] ہمت افزائی اور بُرے اطوار کا سزاؤں کے ذریعے استیصال
چاہیے اسی طرح بچوں کے ساتھ بھی ہونا ضروری ہے جن اصول پر انعامات اور سزائیں دی
جانی چاہئیں وہ دونوں صورتوں میں یکساں ہیں صرف فرق اتنا ہے کہ بچوں کو مقابلہ
بڑے آدمیوں کے کم انعام اور نرم سزائیں ملنی چاہئیں۔ انعام بہت قیمتی اور کثرت سے
نہیں ہونے چاہئیں تاکہ بچے اس بات کے عادی نہ ہو جائیں کہ ان کو انعامات کثرت سے
اور قیمتی ہی ملیں۔ اسی طرح سزا بھی بہت زیادہ اور اکثر نہیں ملنی چاہیئے۔ انعام اچھے اطوار
کے مطابق اور سزا برے اطوار کے مطابق ہونا چاہیئے۔ اس میں سے ہر ایک اپنے مقصد
یعنی اچھے اطوار کی ہمت افزائی اور بُرے اطوار کی استیصال کے لئے کافی ہونی چاہیئے۔
مختصر یہ ہے کہ دونوں صورتوں میں حسب ضرورت کام کرو اور اس سے زیادہ نہ کرو یا بالفاظ
دیگر بلا ضرورت انعام اور سزا نہ ہونی چاہیئے۔ اس طرز عمل سے بچے رفتہ رفتہ دُنیا کے
طریقوں سے واقف ہو جاویں گے جس میں کہ وہ آیندہ حصہ لینے والے ہیں۔ باپ کو چاہیئے
کہ انعام اور سزا بچے کے کام کے مطابق دے۔ اپنی مرضی یا ناراضگی کے مطابق نہ ہو محض
اس وجہ سے کہ ماں کی مرضی ہے اور وہ سفارش یا شکایت کرتی ہے بچہ کو نہ تو انعام زیادہ
دینا چاہیئے نہ سزا زیادہ دینی چاہیئے۔

اگر بچہ توبہ کرے اور آیندہ اُس حرکت کو چھوڑ دینے کا یقین دلائے تو یا تو سزا میں
کمی کر دو یا بالکل معاف کر دو۔ سزا دینے کے وقت باپ کو چاہیئے کہ غصہ کو کام نہ لائے۔ کثرت سے
انعام بچہ کو خراب کر دیتے ہیں اور کثرت سے سزائیں اُس کو بے حیا بنا دیتی ہیں جب انعام
دیتے وقت بچہ کو بتا دینا چاہیئے کہ کس اچھی بات کے لئے اس کو انعام دیا جا رہا ہے۔ اسی طرح
سزا دیتے وقت اس کو جتا دینا چاہیئے۔ اس طریقہ سے بچہ کو جلد معلوم ہو جائے گا کہ کون سے
کام اچھے ہیں اور کون سے بُرے اور ان کا نتیجہ کیا ہوتا ہے۔ جلدی سے کسی ایسے انعام کا وعدہ
یا سزا کی دھمکی نہ دو جو تم پورا نہ کر سکو۔ بچہ کو یقین ہونا چاہیئے کہ انعامات اور سزائیں یقینی ہیں

[illegible] صندوقچہ [illegible] دینا چاہیئے [illegible]

[illegible] خوبصورت سا رومال جوتے - بال اپ [illegible]

[illegible] تھوڑی سی زمین پھلواری بونے کو - اوزار - آئینہ - برش یا کنگھی - پینسل [illegible]

[illegible] کا چھوٹا سا بچہ یا بیمنہ بچے کو دوسرے بچوں کی دعوت کی اجازت دینا

کبھی کبھی دریا یا تالاب پر نہانے کی اجازت دینا - انگوٹھی چھوٹا سا صندوقچہ معہ قفل اور چابی کے

[illegible] کا صندوقچہ - پانی پینے کا نیا برتن - کارڈ - مختلف قسم کے رنگین کپڑے گڑیاں

بنانے کو - موم یا رانگ گڑیوں کا زیور بنانے کو - گندھی ہوئی مٹی کھلونے بنانے کو - تمغا

شاباش یا مختلف قسم کے ہمت افزا الفاظ ۔ ہر مہینے کے اختتام پر بچوں کو کچھ رقم

بطور جیب خرچ کے دینی چاہیئے - جیب خرچ بطور استحقاق کے نہیں ملنا چاہیئے بلکہ مہینہ بھر کے

اچھے چال چلن پر بطور انعام کے ملنا چاہیئے - جیب خرچ کی حالت تنخواہ کی سی ہونی چاہیئے -

اس کو پابندی سے اور باقاعدہ ادا کرتے رہو جیسے مالک نوکر کو تنخواہ ادا کرتا ہے - اس طریقہ

پر بچہ کو معلوم ہو جائے گا کہ کسی کی ملازمت کرنے کے بعد کیا اُمید رکھنی چاہیئے - مہینہ کے

اختتام سے پہلے ادائگی کی اُمید نہ کرنی چاہیئے - اُس کو معلوم ہو جائے گا کہ کب رقم واجب ہوتی

ہے - وہ کوشش کرے گا کہ رقم مہینہ کے آخر تک ختم ہو - وہ چاندی اور تانبے کے مختلف سکوں

سے واقف ہو جائے گا - جیسے پائی - پیسہ - ادھنا - دوانی - چوانی - روپیہ - نیز ان کی قیمتوں سے

بھی آگاہی ہو جائے گی - ان سکوں سے خرچ کے مطابق حساب سے بھی واقفیت ہو جائے گی - بجائے

اس کے کہ تم بچہ کے واسطے چیزیں خرید کر لاؤ اُسے اپنی چیزیں خود خریدنے دو - اُسے مختلف

چیزوں کی قیمت کا اندازہ ہو جائے گا - بچے میں ملکیت کا احساس پیدا ہو جائے گا اور اس کو چیزوں کی

حفاظت کرنا آ جائے گا اور نیز اس کو کفایت شعاری سے خرچ کرنا اور تھوڑا تھوڑا پس انداز

کرنا بھی آ جائے گا - اُسے معلوم ہو جائے گا کہ امیری اور غریبی کیا ہے - آئندہ زندگی کے واسطے

یہ معلومات نہایت قیمتی ثابت ہوں گی - بچپن میں اس قسم کی معلومات نہ ہونے کی وجہ سے

...بے وقت۔ فضول خرچ غریب اور تباہ و ذلیل ہو گئے ہیں ... صحیح مصرف بتانا نہایت ضروری ہے۔ اس کے علاوہ باپ کا اثر بچے پر ... اور بچہ اس کو اپنا محسن خیال کرنے لگتا ہے۔ اس پر بمقابلہ دوسروں کے باپ کی نصیحت زیادہ اثر پڑے گا۔

اگر بچہ کسی دوسرے بچے یا بھائی بہن سے قرض لے تو اس کو سکھاؤ کہ وہ پابندی سے بغیر تقاضہ کی نوبت آئے ادا کر دے بعض اوقات بچہ اپنے پاس روپیہ نہ رکھ سکنے کی وجہ سے باپ کے پاس جمع کر دیتا ہے۔ اگر حسب ضرورت باپ جمع اور ادا کرتا رہے اور آمد و صرف کا حساب باقاعدہ معہ رسیدات کے رکھے اور بچہ کو سمجھا دے تو بچہ کو معلوم ہو جائے گا کہ گورنمنٹ سیونگ بنک کیا چیز ہے اور اس کو کس طرح کام میں لایا جا سکتا ہے۔ جب بچہ خود خریداری کرے گا تو اس کو تعداد۔ اوزان اور پیمانوں سے واقفیت ہو جائے گی۔ رفتہ رفتہ باپ کو سکھلانا چاہیے کہ بچہ میں مختلف قیمتوں کے توازن کا اور سستے سے سستے نرخ پر خریدنے اور چیزوں کی اقسام کی شناخت پیدا ہو جائے۔ مناسب وقت پر باپ بچہ کو اپنی ضروریات خانہ داری کی خرید و فروخت میں شریک کر سکتا ہے۔

بچے میں ان اخلاقی صفات کی ہمت افزائی کرنی چاہیے جو اس کو کامیابی اور آسانی سے دنیا میں حصہ لینے میں امداد دیں اور اس کے برخلاف تمام باتوں کو روکنے کی کوشش کرنی چاہیے یہاں بطور نمونہ چند مثالیں درج کی جاتی ہیں جن سے ہمارے منشار کا اندازہ ہو جائے گا۔

اول الذکر صفات کی مثالیں	موخر الذکر صفات کی مثالیں
انکسار	غرور و تکبر
تواضع	کج خلقی
قناعت	حرص و آز
محنت	سستی و کاہلی
انصاف	طرفداری
سخاوت	
اپنے بزرگوں کی عزت	مخالفت
شکر گذاری	
ایمانداری۔ صداقت۔ راست گوئی	

مذہب | ایسے ہی بعض مذہبی اصول بھی بچہ کے ذہن نشین کر دینے چاہئیں اور ان کا اسے عامل بنانے کی کوشش کرنی چاہیے کہ نماز وغیرہ کی پابندی کی عادت ہو جائے۔ اس وقت یہی عادت بچے کی ہوش میں حیثیت ثانیہ کے ہو جائے گی اور پھر مشکل سے ترک ہو گی۔ بچے کو سمجھا دینا چاہیے کہ خدا ہی خالق کون و مکان ہے اور وہی سب کا رب ہے۔

بچہ کو یہ بات سکھلانی چاہیے کہ ماں باپ کی عدم موجودگی میں وہ مناسب طرز عمل رکھے اگر اس کا طرز عمل مناسب ہے تو بہتر ہے اگر ایسا نہیں ہے تو اس کے لئے مناسب تدابیر اختیار کرو جیسا کہ اور کہیں بیان کیا جا چکا ہے۔ جب بچے آپس میں کھیل کود میں مصروف ہوں تو انھیں میں سے ایک مانیٹر مقرر کر دینا چاہیئے اور اس کے احکامات کی تعمیل ہونی چاہیئے۔ جب بچے آپس میں لڑیں تو ان کی ہمت افزائی کرنا چاہیئے کہ بجائے بار بار باپ کے پاس آنے کے آپس ہی میں تصفیہ کر لیں۔ اور یہ بھی ان کو بتلانا چاہیئے کہ آپس کی رضامندی سے اپنے اختلافات کا تصفیہ کر لیں۔ ایک بچہ کو کثرت رائے کا تابع ہونا چاہیئے اور اس کی تحقیر نہ کرنی چاہیئے۔

صیابت رائے | انسان میں صیابت رائے ایسی ہی ہے جیسے جہاز میں پتوار۔ جو مرتبہ جسم کے اعضا میں آنکھ کو حاصل ہے وہی دماغ میں صیابت رائے کو ہے۔ نہایت ہوشیاری سے بچہ کو اس کی عادت ڈالنی چاہیئے تاکہ آئندہ زندگی میں وہ ایک خود مختار آدمی بن سکے۔ اس کو تعلیم و تربیت کا اہم ترین مقصد سمجھنا چاہیئے۔

ہر موقعہ پر بچے کو سمجھاتے رہنا چاہیئے کہ سائنس کے جو نتائج مصدق ہو چکے ہیں اور ناقابل تردید ہیں، وہ ہر زمانہ اور ہر جگہ پر صحیح ہیں۔ بچے کو اس نئی سند (یعنی سائنٹفک صداقت) کا عادی کرنا چاہیئے۔ تم اکثر اس کا تذکرہ کرتے رہو۔ مثلاً اس کو بتلاؤ کہ سائنس کی رو سے بھوت پریت کوئی چیز نہیں ہے۔ جادو غلط ہے۔ خرق عادت وغیرہ توہمات میں داخل ہے تو بچہ میں بچپن سے حقایق کے متعلق صحیح اندازہ قایم کرنے کا مادہ پیدا ہو گا۔

مبالغہ اور غلط بیانی وغیرہ | جب باپ کو معلوم ہو جائے کہ بچہ کا ان باتوں کی طرف میلان ہے

[illegible] کرتے رہنا چاہیئے۔ اور اُن کے نقصانات [illegible] شمار [illegible]

بہت [illegible] ذہن نشین کرتے رہنا چاہیئے۔

بچپن کے قصور | اگر باپ کوشش کرے کہ بچپن میں تعزیرات ہند کی دفعات بچے کو سکھاوے تو یہ اس کی غلطی اور حماقت ہو۔ لیکن پھر بھی باپ کو چاہیئے کہ ان دفعات کو ملحوظ پیش نظر رکھے اور جب بچہ کوئی ایسا جرم کرے جو سن شعور میں جرم شمار کیا جاوے تو اسکو مناسب خیال کرے اور اس کو روکنے کی کوشش کرے۔ اس قسم کا طریقہ اختیار کرنے سے بچے بُرے افعال کا مطلب سمجھ جائیں گے اور نتیجہ یہ ہوگا کہ جوان ہونے پر وہ اس قسم کے بُرے افعال جن کی قانونی سزا جرمانہ یا قید۔ یا ضرب شدید ہوتی ہے ہمیشہ بچتے رہیں گے۔ ذیل میں اس قسم کے جرموں کی مثالیں دکھائی ہیں جن کو روکنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

چوری۔ یا چوری کا مال لینا یا اپنے پاس رکھنا۔ دھوکہ دہی۔ بدمعاشی۔ حملہ۔ نقصان بُرا بھلا کہنا۔ گالی گلوچ بکنا۔ غلط بیانی۔ جھوٹی شہادت۔ غلط اطلاع دہی۔ دوسرے بچہ کی امانت کا غلط استعمال۔ مجرم کی امداد کرنا۔

اگر باپ کبھی کبھی بچہ کو دکھلاتا ہے کہ جوانی کی عمر میں لوگوں کو جرموں پر کیسی سخت سزائیں ملتی ہیں تو بے جا نہیں ہو۔

تعلیم | بچے کو مدرسہ بھیجنے میں باپ کو بہت جلدی نہیں کرنا چاہیئے۔ آٹھ سال کی عمر تک ٹھہرنا چاہیئے اس عمر تک وہ خود اور خوشی سے بہت کچھ بغیر باقاعدہ اسکول ماسٹر کے سکھائے سیکھ جائے گا۔ میں نے بہت سے بچوں کو دیکھا ہو کہ وہ اسکول جانے سے انکار کرتے ہیں جب ان سے مدرسہ جانے کے واسطے کہا جاتا ہے تو وہ بہت غمگین ہوجاتے ہیں۔ روتے اور چلانے لگتے ہیں اور بڑے جبر سے مجبور کرکے مدرسہ بھیجے جاتے ہیں۔ ایسی حالتوں میں یہ نتیجہ نکالنا چاہیئے کہ معلم خود واقف نہیں کہ بچوں کو کس طرح ہنسی خوشی سکھانا چاہیئے۔ اور باپ کا فرض ہو کہ عمدہ مدرسہ جو لایق اور قابل معلم کے زیر نگرانی ہو تلاش کرے [illegible]

[illegible]

... سکھنے سے بچوں کو آئندہ میں خوب مہارت ہو جاتی ہے۔

کون کونسی زبانیں سکھانا چاہیئے | سب سے اوّل تو مادری زبان سکھانا چاہیئے کیونکہ وہ سب سے آسان اور سب سے زیادہ مفید ہوتی ہے۔ ایک ہی وقت میں بچہ کو ایک سے زیادہ زبانیں سکھا کر پریشان نہیں کرنا چاہیئے۔ اوّل اس کو گھر کی تمام چیزوں کے نام بتلانے چاہئیں پھر باہر گلی میں جو چیزیں ملتی ہوں ان کے نام بتلانے چاہئیں۔ بعد ازاں تمام اُن جانوروں کے نام یاد کرانے چاہئیں جو معمولاً دیکھنے میں آتے ہیں۔ اصول یہ ہے کہ اوّل چھوٹے حلقے سے شروع کرو اور رفتہ رفتہ اس کو بڑھاتے جاؤ۔ ابتدا میں سادہ اور آسان چیزیں بتانی چاہئیں اور پھر رفتہ رفتہ مشکل باتیں سکھانی چاہئیں۔ مثلاً اوّل بچہ گھوڑے کو اچھی طرح سمجھ لے تو اس کے بعد کاٹھی اور ساز دکھانا چاہیئے۔ بعض حریص ماں باپ چیزوں کے انگریزی نام بچوں کو یاد کراتے ہیں یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ مندرجہ بالا اصول کے کہ ایک وقت میں ایک ہی زبان کی طرف توجہ مبذول کرانا چاہیئے خلاف ہے۔ اس کے کہنے کی ضرورت نہیں کہ ابتدائی عمر میں عربی یا سنسکرت کے الفاظ سکھانا بھی بڑی غلطی ہے۔ اگر بچہ گھوڑے کا نام کئی زبانوں میں جانتا ہے تو اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ ایسی حالت میں وہ گھوڑے کو زیادہ اچھی طرح جانتا ہے۔

حفظ یاد کرانا | بچہ کو بہت زیادہ رٹنے پر زور نہیں دینا چاہیئے کیونکہ یہ طریقہ ایک قسم کی مشاقی ہے اور اس سے ذہانت یا دماغی ترقی میں مدد نہیں ملتی۔ اکثر مدرسوں میں حفظ یاد کرانے کا طریقہ بہت زیادہ جاری ہے جب تک یہ طریقہ اعتدال سے نہ گزر جائے اس کو بُرا سمجھ کر ترک نہیں کرنا چاہیئے۔ جو چیز آئندہ زندگی میں بطور سند کے کارآمد ہو یاد کرانی چاہیئے۔ اسی وجہ سے میں پہاڑے وغیرہ حفظ یاد کرانے کے ہندوستانی طریقہ کو بہت پسند کرتا ہوں اس سے بچہ فوراً اور صحیح حساب لگا سکتا ہے۔ میں نے دیکھا ہے کہ ہندوستانی مدرسوں کے تعلیم یافت

[illegible] بمقابلہ انگریزی مدرسوں کے تعلیم یافتہ لڑکوں سے ارتھمیٹک کے سوالوں کو [illegible]
اچھی طرح کر سکتے ہیں۔ جو چیزیں آیندہ زندگی میں کارآمد ہوں وہ بھی حفظ کی جا سکتی ہیں جیسے
ہفتے کے دنوں۔ مہینوں اور سالوں کے نام۔ جب بچہ مدرسہ کو جانے لگے تو جن باتوں کی
باپ کو بہت زیادہ خبرگیری کرنی چاہیئے وہ یہ ہیں۔ اولاً۔ اسے بچے کی صحت کا بہت زیادہ
خیال رکھنا چاہیئے۔ ثانیاً اس کا خاص مقصد یہ ہونا چاہیئے کہ بچے کی معاش کے ذرائع بہم
پہنچائے۔ جو باپ اول الذکر سے غفلت کرتے ہیں وہ خود کو اور بچے کو مصیبت میں ڈالتے
ہیں۔ جو باپ موخرالذکر بات سے غفلت کرتے ہیں اور بچہ کو فاقہ کشی کی حالت میں چھوڑتے
ہیں وہ بڑے مجرم ہیں۔ بہت سے ہندوستانی باپ اول الذکر مقصد کے متعلق مفصلۂ ذیل
طریقوں سے غلطی کرتے ہیں۔

ابتدائی عمر میں مقوی اور باقاعدہ غذا نہ دینا۔ پیش از وقت شادی کر دینا۔ بچہ سے
جلد جلد امتحان پاس کرنے پر زور دے کر اس کے دماغ پر بہت زیادہ بار ڈالنا۔

اپنی جائداد کو لاپرواہی سے ضائع کرنا یا بہت زیادہ قرض لینا اور اولاد کے لئے کچھ
نہ چھوڑنا۔ یا بچہ کو کوئی ایسا پیشہ نہ سکھانا جو اس کا ذریعہ معاش ہو سکے۔ باپ کو اس کا خیال
نہیں ہوتا کہ اپنی اولاد کو اپنا ہی پیشہ سکھا دے جو وہ آسانی سے سیکھ سکتا ہے۔

بچہ کو بہت زیادہ تعلیم دلانا جو اس کو خاندانی پیشہ کرنے کے قابل بنا دے اور ساتھ ہی
دوسرا کوئی اور کام کرنے کے قابل نہ بنانا۔ بغیر کسی خاص مقصد کے بچہ کو بہت زیادہ عام
تعلیم دلوانا اور کوئی خاص پیشہ نہ سکھانا۔ لڑکا بہت سی چیزیں جانتا ہو لیکن وہ کسی میں بھی کمال
مہارت نہیں رکھتا جو اس کے معاش کے لئے کافی ذریعہ ہو سکے۔ وہ اپنے لڑکے کو بہت زیادہ
اور ایسے پیشہ کی آرزو کرنے کی اجازت دیتا ہے جس میں کامیابی بہت زیادہ مشکل ہے یا
بالکل ناممکن ہے یا جس میں اس کو کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ یا باپ دفعتاً اپنے بیٹے کی تعلیم کو
اس وجہ سے روک دیتا ہے کہ اس کے مصارف اس کے تخمینہ سے زیادہ ہیں۔ یا وہ اپنے

[illegible] میں وقت ضائع کرنے کو تیار ہے جو اس کے معاش میں جو نہیں دے سکتی
مثلاً جاپانی زبانیں۔ دوسرے ملکوں کی زبانیں۔ ریاضیات۔ فزکس۔ ہیئت۔ ارضیات۔ [illegible]
علم الاقتصاد۔ سیاسیات۔ مقرری اور فصاحت

ہندوستان کو بمقابلہ قابل اور عالم آدمیوں کے ایسے آدمیوں کی ضرورت ہے جو زیادہ کمانے والے ہوں۔ اس کو خرچ کرنے والوں سے زیادہ کمانے والوں کی ضرورت ہے، خیالی گھوڑے دوڑانے والوں سے زیادہ کام کرنے والوں کی ضرورت ہے۔

علمی خزانوں کی تباہی

ہندوستان میں سلطنت مغلیہ کے زوال اور بربادی کے ساتھ ساتھ جہاں مسلمانوں کی دولت اور ثروت کا خاتمہ ہونا شروع ہوا، ان کی جاگیریں اور زمینداری کے علاقے برباد ہوئے، اُن کی اخلاقی اور دماغی قوتیں فنا ہونی شروع ہوئیں، اسی کے ساتھ ساتھ ان کا علم و فضل اور تحصیل علوم کا سرمایہ یعنی بیش بہا کتاب خانے جو جواہرات سے بھی زیادہ قیمتی تھے تباہ ہونے شروع ہوئے۔

جو اسلاف مسندِ علم کی زینت دینے والے تھے ان کے اخلاف اور قائم مقام ایسے ہوئے، جنھوں نے ان انمول موتیوں کی سنگریزوں کے برابر بھی قدر نہ کی۔ غدر ۱۸۵۷ء کے واقعہ کو ابھی پون صدی بھی نہیں گزری، اہلِ بصیرت کو اس کا علم ہے کہ اس زمانہ میں شہر تو شہر صدہا قصبے بھی ایسے تھے جہاں یہ علمی سرمایہ بہت کچھ موجود تھا۔ دہلی، لکھنؤ، لاہور، پٹنہ، آگرہ، سورت، احمدآباد، بنارس، بلگرام، کاکوری، پانی پت، مارہرہ، امروہہ اور مثل ان کے اور بہت سے مقامات تو گویا اس بازارِ علم و فن کے دساور تھے، جس میں متاعِ حدیث و فقہ، تفسیر و منطق، معانی، تاریخ، طب، حکمت و فلسفہ اور عربی، فارسی ادب کی کتابیں، نامی شعرا کے دواوین، قلمی بے بہا نسخوں، مشہور خطاط اُستادوں کے قطعات اور قلمی مرقعوں کی شکل میں انبار نظر آتے تھے۔ ان کے مکانات کی الماریاں اور بڑے بڑے صندوق ان جواہرات سے معمور تھے۔

کتاب خانے ایک طرف، رہنے کے مکانوں کا یہ عالم تھا کہ جہاں آج مکانات کی زینت اور

[illegible] نت [illegible] بلکہ [illegible] یہاں [illegible]

[illegible] کے دیوان خانوں اور گھروں کے محل سرا والا نوں کی آرائش میں جو [illegible]

[illegible] اشیا نمائش میں نمایاں نظر آتی تھیں وہ ان خوشنویس ادر صاحب کمال خطاطوں کی

[illegible] اور فقرے ہوتے تھے جن میں نہایت پُر معنی اور پُر کیف شعر، پُر نصیحت قطعے، پُر اخلاق

[illegible] دل آویز فقرے، احادیث شریف اور کلام پاک کی آیات مبارک کے پُر تاثیر جملے اس خوبی

اور کمال تحریر کے ساتھ چوکھٹوں میں رکھ کر آویزاں کئے جاتے تھے جن کے درو دیوار سونے

جاگتے اخلاق آموزی اور حکمت آموزی اور خوبیٔ مذاق کی طرف زبان حال سے تعلیم دینے میں مصروف

رہتے تھے۔ اس دستورِ اخلاق آموزی اور حکمت آموزی کی وجہ سے صدہا اقوال مسلمانوں کے

عملی اثر سے کی جان بن کر جاہلوں تک کی زندگی کے دستور العمل بن گئے۔

مکینوں کی جب نظر در و بام کی طرف اٹھتی تھی تو ہر طرف سے یہ خاموش آواز آنکھوں کے

راستہ سے دل میں پہنچتی تھی ؎

مرد باید کہ گیرد اندر گوش　　　　ور نوشت ست پند بر دیوار

اس مختصر گزارش میں اس کیفیت قدیم کی پوری وضاحت کا موقع نہیں۔ خلاصہ یہ کہ ایک

وقت تھا کہ مسلمانوں کے در و دیوار تک علمی کے فرائض ادا کرتے تھے اور ان میں جو ہر قابلیت [illegible]

[illegible] کمال پیدا کرنے میں بزبانِ حال مصروف تھے۔

مسلمانوں کا اپنے مکانوں کو ان چیزوں سے سجانے کا آئینِ زینت، یقیناً دنوں میں نہیں تو

مہینوں میں، مہینوں میں نہیں تو برسوں میں، برسوں میں نہیں تو عمر بھر میں کبھی نہ کبھی ضرور ان کی

اور ان کی نسلوں کے لئے سبق آموز تھا۔

اگلے لوگوں کے بہت سے دستور اس قابل تھے کہ ہم ان کی پیروی کرتے، لیکن زمانہ کا

[illegible] بدلتے ہی وہ قدیم دستور اور پرانی رسمیں کیا مٹیں کہ ان کے ساتھ ہم خود مٹتے [illegible]

چلے جاتے ہیں۔ علی العموم آج کے اسباب زینت کا اگر اس زمانہ کے سامان آرائش [illegible]

[illegible] ... [illegible]
[illegible] ... اختیار کن ... [illegible]

اکمال سکون و جمود، تنزل ذہنی، غفلت اور بے بہرگی کا جو عالم ہم پر طاری ہے اور جن کے اختیار کرنے سے ہمارا وجود قومی مضمحل اور بے جان ہوا چلا جا رہا ہے اس کے کی [illegible] کرنا قوم ہی کا فرض ہے۔ وہ قابل عظمت ہستیاں جو اس غیر کشمکش میں وجود قومی کی تعمیر میں مختلف حیثیات سے مشغول نظر آتی ہیں، ان کی مساعی جمیلہ انشاء اللہ کارگر ہوں گی ایک وقت ایسا آوے گا کہ یہی بزرگ بزرگان سلف کے اصلی وارث اور ان کے قائم مقام قرار دیے جاویں گے۔ اور ان کے نام اور کام کا ذکر اسلاف قدیم کے کارناموں کے پہلو بہ پہلو کیا جانا آئندہ قومی تاریخ کے مرتب کرنے والوں کا خوشگوار فرض ہوگا۔

اُمید کی جھلک نمایاں ہونے میں پس و پیش کی ضرورت نہیں۔ بہت سے قومی بھلائی چاہنے والے، قوم سے مختلف امراض کو دور کرنے میں اور اس کے ضعیف قوائے عقلی و دماغی کو قوت پہنچانے میں ساعی ہیں۔ ان کی تمام تر کوششیں مفید ہیں اور اس غرض کے تحت میں متفرق طور پر جہاں جہاں جس جس قسم کی رفتار عمل جاری ہے وہ نتیجہ خیز ہے۔

لیکن ایسی کوشش جو مسلمانوں کے قدیم قلمی اور علمی ذخیرہ کو، فن خوشنویسی و خطاطی کے کمال کو، ان کی انشاء کے طرز و طریق کے نمونوں کو، قدیم فرامین کو آئندہ کی تباہی اور برباد سے محفوظ رکھ سکے، جہاں تک میری محدود معلومات کا ذریعہ ہے، کسی ذمہ دار جماعت کے اہتمام سے اب تک باقاعدہ طور پر عمل میں نہیں لائی گئی اور نہ اس وقت تک ملائی جا رہی ہے۔ لہذا اس کی حفاظت کی تدبیر کے عملاً اختیار کرنے کا وقت حد سے زیادہ گزر چکا ہے اور ضرورت اس امر کی ہے کہ بقیہ نقیہ جس طرح بن پڑے سمیٹ کر اکٹھا کیا جاوے اور اس کو درست حالت میں رکھنے کی توجہ کے ساتھ کوشش شروع کی جائے۔

قومی پستی کے اس تعمیری دور میں سر سید احمد خان مرحوم کے دل و دماغ میں [illegible]

[illegible] ہے ہیں [illegible]

[illegible] پہنچا کے [illegible] بہت [illegible] ناکون کے [illegible]

[illegible] کے [illegible] ناکوں سے ان کی زندگی میں مکمل نقشوں کی صورت [illegible] کرنے کے صورت کی شکل اختیار کی بعض نقشے ناتمام اور ادھورے رہ گئے بعض ناکوں کو نقشوں کی صورت بھی دیکھنا نصیب نہ ہوئی جن کا قدم تصور اور خیال کی سرحد سے بھی آگے نہ بڑھنے پایا ان میں جملہ اور تدبیروں کے قوم میں زندگی پیدا کرنے کی ایک تدبیر ان کے ذہن میں یہ بھی تھی جس کا ہم نے ذکر کیا یعنی یہ کہ مسلمانوں کے علمی سرمایہ کی حفاظت کا اہتمام بھی ایک ذمہ دار انجمن کے ذریعے ہو۔ نایاب اور علمی ذخیرہ کتب کی بربادی انہوں نے بہت کچھ اپنی آنکھوں سے زوالِ دہلی کے آخری زمانہ میں دیکھی تھی اور اس بربادی سے جو اثر قوم کی آئندہ حالت پر اور اس کے احساس قومی پر اپنی علمی کم مایگی کی وجہ سے پڑنے والا تھا، ان کی دوربین نگاہ اس خرابی کو تاڑ چکی تھی۔ چنانچہ ۱۸۸۶ء میں جب انہوں نے آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس قائم کی اور اس جماعت کے قیام سے انہوں نے تعلیمی مشن کے کام لینے کا ارادہ کیا، اور انجمن کے مقاصد و قواعد ترتیب دے کر چھاپے تو مقاصد مذکورہ کی دفعہ (۱) ضمن (د) میں یہ عبارت بھی شامل کی۔

مسلمان مصنفوں کی تصنیفات جو نایاب ہیں ان کے بہم پہونچانے کی تدبیر
کرنا یا پتہ لگانا کہ وہ کس جگہ موجود ہیں۔

اس کے بعد دفعہ مذکور ضمن (ز) میں یہ اضافہ کیا۔

فرامین شاہی کو بہم پہونچا کر ان سے ایک کتاب انشا کا مرتب کرانا
اور ان کے مظاہر و ملخصات کے نسخے فوٹو گراف سے قائم کرنا

(۳۰) برس گزرے کہ مذکورہ بالا خیال مقاصد کانفرنس کے حروف میں محفوظ چلا آتا ہے جس پر [illegible] کا عمل درآمد نہیں ہوا اس کا [illegible] سبب کانفرنس کے سرمایہ اور مکان کا مستقل نہ ہونا تھا

[illegible] کی بہترین [illegible] اور [illegible]

[illegible] گیا جو [illegible] حضور [illegible]

[illegible] بیدار [illegible] کانفرنس کی مقصد برآری میں بہت کچھ کامیابی حاصل کر چکی ہیں

[illegible] جناب وزیر ہند کی کونسل کے ممبر بن کر انگلستان تشریف لے جانے لگے اور اُنہوں نے [illegible]

سے کانفرنس کا انتظام مجھ جیسے کمزور ہاتھوں میں دینا پسند کیا، تو اسی وقت سے جب کہ [illegible]

مقاصد کانفرنس کا پورا کرنا میرے ذمہ ہوا، یہ خیال میرے دل میں آیا کہ مشرقی کتب خانہ

کی جو بنیاد سلطان جہاں منزل (صدر دفتر کانفرنس) میں پڑ چکی ہے اس کی توسیع کی بھی [illegible]

طور پر کوشش ہونی چاہیئے، قدیم کتابوں کے کل اور نامکمل پھٹے پرانے نسخے تلاش کئے جائیں

فرامین شاہی اور اُن کے پرزوں کو جہاں تک دستیاب ہو سکیں یک جا جمع کر کے اُن کی

اصلاح اور درستی کی جاوے۔ سرسید مرحوم کے خاکہ کے موافق اگر پوری کامیابی حاصل نہ ہو

تاہم تھوڑی بہت اس خاکہ میں رنگ آمیزی کر کے کم سے کم ایسا نقشہ تو تیار کر دیا جائے جس پر

کوئی اور خدا کا بندہ اضافہ کر سکے۔

خدا کے فضل سے اور علیا حضرت سرکار عالیہ ہرہائی نس بیگم صاحبہ والیۂ بھوپال کی قومی

اور تعلیمی ہمدردی کی وجہ سے کانفرنس کا صدر دفتر اب ایسی دلچسپ، وسیع اور خوش نما عمارت

میں موجود ہے جس میں ایسے ہی دلچسپ اور قیمتی کتب کے سرمایہ کی ضرورت ہے اور جو حاصل

ہونے پر دست برد زمانہ سے ایک حد تک زمانۂ دراز کے لئے محفوظ رہ سکتا ہے۔

میرے اس خیال نے بھی اس وقت تک کوئی اعلیٰ صورت نہیں ظاہر کی البتہ برائے

نام چند عمدہ کتابوں کا اور فرامین شاہی کا اضافہ ہوا ہے جو ہونے نہ ہونے کے برابر ہے

یا یوں خیال کیجیے کہ ایک خیال کسی کی کارروائی کا آغاز کار ہے جس کا تمام ہونا خدا کے

فضل اور قوم کی مدد پر منحصر ہے۔

سب سے بڑی رکاوٹ کا باعث سرمایہ کا نہ ہونا ہے [illegible]

قواعد

کانفرنس گزٹ

(۱) یہ رسالہ ہر ماہ کی آخر تاریخ کو دفتر آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس سے شایع ہوگا۔

(۲) رسالہ کا حجم تقریباً تین جزو ہوگا اور ۲۰ × ۲۶ تقطیع کے سفید کاغذ پر چھپیگا۔

(۳) سالانہ قیمت صرف تین روپیہ مقرر ہے جو بنام رجسٹرار صاحب محمڈن کالج علی گڈھ بھیجنا چاہیے منی آرڈر کوپن پر صاف طور سے اس کی تشریح کر دی جائے کہ یہ قیمت کانفرنس گزٹ کی خریداری کے لیے ہے اور منی آرڈر ارسال کرنے کے ساتھ سپرنٹنڈنٹ صاحب صدر دفتر کانفرنس کو بھی اس کی اطلاع کرنا ضروری ہے۔

(۴) سوائے ترسیل زر کے باقی جملہ خط و کتابت رسالہ کے متعلق بنام سپرنٹنڈنٹ صاحب صدر دفتر آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس سلطان جہاں منزل علی گڈھ ہونا چاہیے۔

خاکسار

محمد حبیب الرحمن خاں شروانی آنریری جائنٹ سکرٹری آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس و آنریری اڈیٹر کانفرنس گزٹ